دل وہیں پہ ہے ٹھہرا ہوا

مصنفہ۔۔ حیات خان

انتباہ!!

اس ناول کے جملہ حقوق بحقِ مصنفہ ناولستان-اردو ناولز لائبریری کے پاس محفوظ ہیں۔ کسی بھی دوسری ویب سائٹ ، گروپ یا پیج پر پوسٹ کرنا منع ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

لمبی سڑک پر دو اجنبی سائے

دنیا کی رنگین روشنیوں سے دور

چاند کی چاندنی میں

رات کے پچھلے پہر ہوا کی سرد لہریں اپنا خمار بکھیرتی

خاموش لب میں مچلتے ہوئے الفاظ

الفاظ کو ترتیب دیتے ہوں اچانک کھوئے کھوئے چلنا

اور !

یوں چلتے چلتے میرا ہاتھ تیرے ہاتھ سے ٹکرانا

میری سانسوں کا تسلسل بکھرنا

لمحوں کی اس ملاقات میں صدیوں تلک کا سفر

اور اسی سوچ میں کتنا سفر تیرے سنگ

پھر ہلکی سی آہٹ پر چونک جانا

اور خیالوں سے حقیقت میں لوٹ آنا

سیاہ گھنگھور گھٹائیں شہر کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے

تھیں۔پولیس اسٹیشن کی دیواروں سے ٹپکتی وحشت وہاں سنگی بنچ پر بیٹھے بوڑھے وجود میں بھی سرایت کررہی تھی۔ تبھی بھیگتا ہوادوسرا وجود موسم کی شدت سے بے نیاز دوڑتا ہواوہاں داخل ہوا تھا۔چہرے سے ٹپکتا پانی اور گہرے سانس لیتاوہ دبلا پتلا سالڑکا پولیس اسٹیشن کے فرش کو بھگورہا تھا۔

"ابا۔"

اسکی پکار پر جہاں بوڑھے وجود نے جھکا سر اٹھایا تھاوہیں ڈیوٹی پر موجود انسپکٹر جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

اوئے چل باہر نکل۔ تیرے باپ کا پولیس اسٹیشن ہے جو گیلا کررہاہے فرش کو۔

انتہائی بدتمیزی سے کہتے اس نے کانسٹیبل کواشارہ کیاجواسے باہر دھکیلنے لگا تھا۔

ابا۔۔۔۔مجھے ان سے بات کرنی ہے۔

اونچی آواز میں وہ چلایا تھاجس پر کانسٹیبل نے اسے باہر دھکیل دیا تھا۔

جو بات کرنی ہے یہاں باہر کھڑے ہوکر کرو۔

اوبزرگوادھر باہر آکر گپیں لڑاؤ۔

کانسٹیبل کے جاہلانہ انداز پر وہ چپ چاپ اٹھتے باہر آئے تھے۔ جبکہ اس لڑکے نے غصے سے مٹھیاں بھینچی تھیں۔دل چاہ رہا تھا کہ اس کانسٹیبل کا منہ توڑ دے۔

ابا یہ سب کیسے ہوا اور بھائی کدھر ہے؟

پتا نہیں بیٹا یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس نے چوری کی ہے۔ مگر اسکے پاس سے تو کچھ بھی نہیں نکلا۔

بھیگے لہجے میں کہتے وہ بالکل نیم مردہ ہو چکے تھے۔ سفید پوش شخص کا کڑیل جوان بیٹا پولیس کی حراست میں تھا انکے لیے یہ کوئی چھوٹی بات نہ تھی۔

اچھا آپ پریشان نہ ہوں کچھ نہ کچھ حل نکل آئے گا۔ میں دیکھوں ذرا بھائی سے ملنے کا کوئی حل نکل آئے۔

وہ انہیں تسلی دیتے دوبارہ اندر کی جانب بڑھا ہی تھا کہ کانسٹیبل نے اسکا راستہ روکا۔

صاحب نے کہا نہ پولیس اسٹیشن گندا نہ کرو۔ سمجھ نہیں آتی کیا ایک بار کی کہی بات۔ یا تمہارا ارادہ ہے کہ تمہیں بھی اندر کر دوں۔

اسکے غصے بھرے انداز پر وہ مایوسی سے پلٹا تھا۔

اب کیا کریں؟

میں وکیل کو کال کروں کیا پتا اس وقت اٹینڈ کر ہی لے۔

اس نے اپنا فون نکالتے وقت دیکھا جہاں رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔وکیل کا نمبر ڈھونڈتے اسکی انگلیاں ایک نمبر پر آن رکی تھیں۔کچھ سوچتے اس نے وہ نمبر ڈائل کیا تھا۔

بیل جارہی تھی ساتھ ہی اسکے دل کی دھڑکنیں بھی بڑھ رہی تھیں۔

ہیلو ہیلو۔۔۔پلیز میری ہیلپ کریں میرا بھائی لاک اپ میں ہے اور۔۔۔۔

ٹوں ٹوں کی آواز کے ساتھ ہی رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔جانے دوسری جانب کچھ سنا بھی گیا تھا یا نہیں۔اسکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے تھے۔دوبارہ نمبر ملانے پر سگنل ایشو کی وجہ سے کال آؤٹ نہ ہو رہی تھی۔بے بسی کے احساس نے اسکے کندھے جھکا دیے تھے۔اسکا بوڑھا باپ جو پرامید نظروں سے اسکی جانب تک رہا تھا اسے مایوس ہوتا دیکھ کندھا تھپتھپانے لگا۔

وہ دونوں باہر ہی بیٹھے اپنی قسمت پر ماتم کناں تھے۔کتنی ہی بار وہ نمبر ڈائل کر چکا تھا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا تھا کہ سگنل اک ذرا سے بھی نہ تھے۔

صاحب۔۔

ہاں کہو؟

کانسٹیبل رازداری سے انسپکٹر کی جانب جھکا تھا۔

باہر بیٹھا لڑکا کچھ مشکوک سا ہے۔

کیا مطلب؟

شاید وہ لڑکا نہیں ہے۔

تو کیا خواجہ سرا ہے۔

انسپکٹر نے کوفت سے اسے دیکھا۔

وہ تو پتا نہیں مگر اتنا یقین ہے کہ وہ لڑکا نہیں ہے۔

اسکی بات پر انسپکٹر کے ہونٹوں پر کمینی سی ہنسی چھائی تھی۔

لے کر آؤ اسکو۔ اسکے بھائی کی رہائی کی قیمت وصول کریں اس سے۔

انگڑائی لے کر اٹھتا وہ خباثت سے حکم جاری کرکے اندر کی جانب بڑھ گیا۔

اوئے لڑکے چل تجھے صاحب نے اندر بلایا ہے۔

کانسٹیبل نے حریص نظروں سے اسے دیکھتے کہا تھا۔ جس پر وہ دونوں باپ بیٹا

اپنی جگہ سے اٹھے تھے۔

دونوں نہیں بزرگ و صرف اسے بلایا ہے۔

کانسٹیبل نے اسکے کندھے پر ہاتھ جمایا جس پر وہ دونوں باپ بیٹا بل کھا کر رہ گ ۓ۔اس لڑکے نے اس کانسٹیبل کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹایا تھا۔

آپ رکیں بابا میں بات سن کر آتا ہوں۔

کانسٹیبل سے دو قدم آگے چلتا وہ اندر داخل ہوا۔ابھی دو چار قدم ہی بڑھاۓ تھے کہ بہت سی گاڑیوں کے وہاں رکنے کی آواز آئ تھی۔بے یقینی سے اندر جاتے وجود نے پلٹ کر دیکھا تھا۔گارڈز کی فوج نے تھانے کے سامنے گھیرا سا کرلیا تھا۔ایک گارڈ تیزی سے چھتری لیے رینج روور کے دروازے کے سامنے کھڑا ہوا۔اسکے دروازہ کھولتے ہی کروفر سے اترتے شخص کو دیکھ کر کانسٹیبل کی آنکھیں تحیر سے پھیلی تھیں۔وہ سرپٹ بھاگتا اندر کمرے کی جانب بڑھا۔جہاں وہ انسپکٹر شرٹ اتارنے کے بعد بیلٹ کھولنے میں مصروف تھا۔

صاحب صاحب باہر چیف صاحب آۓ ہیں۔

کون چیف صاحب؟

غصے سے اس نے بیلٹ واپس بند کیا۔

سر وہ وہ۔۔۔۔

کیا وہ وہ لگا رکھی ہے ایسا کونسا طوفان آگیا ہے۔

مڑ کر شرٹ اٹھائی۔سارا مزہ کر کرا کر دیا تھا۔

صاحب وہ چیف منسٹر صاحب آئے ہیں۔

کانسٹیبل کے کہنے پر شرٹ اس کے ہاتھوں سے گری تھی۔

چیف صاحب ادھر ؟اس وقت ؟

کانسٹیبل نے فوراً شرٹ اسے پکڑائی تھی جسے منٹ سے بھی پہلے پہنتا وہ باہر بھاگا تھا۔جہاں روایتی پختون شال اوڑھے کھڑا وہ وجود تھانے کی عمارت کو زمین بوس کرنے کے لیے کافی تھا۔

یونیورسٹی آف صوابی کے وسیع کوریڈور میں بنے پروفیسرز کے آفس میں سے پانچویں نمبر کے آفس کے باہر رکیں تو سامنے ہی نیلے لکڑی کے بورڈ پر سفید الفاظ میں خان صفدر پروفیسر آف اِنوار نمینٹل سائنسز (Environmental Sciences) لکھا جگمگا رہا تھا۔دروازے سے اندر جھانکیں تو سامنے ہی پچپن ساٹھ سالہ پروفیسر بیٹھے پیپرز چیک کرنے میں مصروف تھے۔

صفدر صاحب کیا سارا کام آج کے دن ہی کرنا چاہتے ہیں آپ؟

انکے ایک کولیگ نے اندر جھانکتے پوچھا۔

ارے بس یہ دو پیپرز رہ گئے ہیں۔اب کل پر کیا چھوڑنا اس لیے سوچا آج ہی نپٹا لوں۔

عینک صحیح کرتے وہ پیپر پر جھکے تھے۔

یہ آپ کی اپنے پیشے سے ایمانداری ہی ہے پروفیسر صاحب جو یہاں کا ہر بچہ آپکو اتنا پسند کرتا ہے۔

میں تو بس اپنا فرض نبھا رہا ہوں۔تدریس کا پیشہ ایسا نہیں ہے کہ اس میں لاپرواہی برتی جائے۔

پیون نے ان کے سامنے چائے لا کر رکھی تو وہ اسکے مشکور ہوئے۔پیپرز چیک کرنے کے ساتھ ساتھ وہ بھاپ اڑاتی چائے سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔انکے آفس کے باہر بنے خوبصورت سے لان میں سردیوں کی نرم گرم دھوپ سے لطف اندوز ہوتی وہ بیس بائیس سالہ لڑکی بار بار گھڑی پر وقت دیکھ رہی تھی۔گاہے بگاہے وہ پروفیسر خان صفدر کے آفس کے بند دروازے پر بھی نظر ڈال لیتی تھی۔سورج کی کرنیں اسکے سرخ و سفید چہرے میں

رنگ بھرنے لگی تھیں۔دھوپ کی تمازت سے اسکا خوبصورت چہرہ سرخ پڑنے لگا تھا۔

کندھے سے ڈھلکتی شال واپس خود پر جماتے وہ مسلسل ٹانگ ہلاتی پروفیسر خان صفدر کے فارغ ہونے کا انتظار کررہی تھی۔سفید کڑھائی دار لباس میں ملبوس گہرے بھورے بالوں کو چٹیا میں باندھے وہ حسن پری دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کردیتی تھی۔بالآخر اسکا انتظار تمام ہوا اور پروفیسر خان صفدر نے آفس سے باہر قدم رنجہ فرمایا۔وہ سیدھا چلتے اسکی جانب آئے تھے۔جیسے انہیں پہلے سے پتا تھا کہ وہ انکے انتظار میں اب تک بیٹھی ہوگی۔انہیں دیکھتے ہی اس نے منہ پھلا لیا تھا۔

اتنی دیر ابا؟

معذرت بچے آپکو تو پتا ہے نہ پیپرز کی ذمہ داری نہایت حساس ہے۔

مگر باقی پروفیسرز بھی تو گھر چلے گئے ہیں نہ۔

ناراضگی ہنوز برقرار تھی۔

وہ اس لیے کیونکہ آپ کے ابا اب بوڑھے ہوگئے ہیں نہ،تو انکے کام کرنے کی اسپیڈ کم ہوگئی ہے۔

مسکراتے ہوئے انہوں نے اس کا غصہ کم کرنا چاہا۔

ابا میں اس بات پر مزید ناراض ہو جاؤں گی۔

اسکا اشارہ انہیں خود کو بوڑھا کہنے پر تھا۔ جواباً انکا زوردار قہقہہ گونجا تھا۔

پھولوں سے ڈھکے اس خوبصورت سے گھر میں خان صفدر اپنی بیوی، بیٹے اور ایک بیٹی کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ انکی بیوی زخرف گھریلو خاتون تھیں۔ بیٹا خان دلاور تعلیم مکمل کرنے کے بعد اب باپ ہی کے نقشِ قدم پر چلتا کالج میں تدریس کے فرائض انجام دے رہا تھا جبکہ اس سے دو سال چھوٹی عیان جرنلزم کے آخری سال میں تھی۔ خان صفدر ہمیشہ لڑائی جھگڑوں سے دور رہنے والے شریف النفس انسان تھے۔ اور خان دلاور تو ان سے بھی بڑھ کر تھا۔ اس نے ہمیشہ ہی پر سکون زندگی کی چاہ کی تھی۔ جس کی وجہ سے اس نے کوئی بھی ایسا پیشہ اپنانے کی کوشش نہ کی تھی جس کے چلتے انکی زندگی میں کبھی تلاطم برپا ہوتا۔ عیان کو ہمیشہ سے ہی لکھنے لکھانے میں دلچسپی رہی تھی۔ بہت چھوٹی عمر سے ہی اس نے اخبار میں کالم لکھنے شروع کیے تھے۔ ہلکی پھلکی تحریریں لکھتی عیان صفدر خان زندگی کی بہاروں سے لطف اندوز ہو رہی

تھی۔لوگ اسکی تحاریر کو پسند کرتے تھے۔اسکے طنزومزاح کے شیدائی لوگ اسے اکثر خط لکھا کرتے تھے جو پہلے دن سے ہی اسکے چھوٹے اور خوبصورت بکسے میں محفوظ تھے۔اسکے اس شوق کو دیکھتے خان صفدر نے اسے جرنلزم پڑھنے کا مشورہ دیا تھا تاکہ وہ طنزومزاح سے ہٹ کر کالم لکھے۔مگر اس کی ابھی نوبت نہ آئی تھی،کہ جذباتی کالم لکھنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔

عیان یونیورسٹی نہیں جانا کیا؟

آج دل نہیں چاہ رہا مورے۔

مگر آج تو تمہارا رزلٹ ہے نہ۔

ابا لے آئیں گے نہ رزلٹ۔

لاڈ سے ماں کے گلے میں باہیں ڈالیں۔شام تک ابا تو نہ لوٹے مگر ان کے اسپتال میں ہونے کی خبر گھر پہنچی تھی۔خان دلاور نے ہی انہیں کال کرکے باپ کی حالت کا بتایا تھا۔

وہ دونوں بھاگتی ہوئی اسپتال پہنچی تھیں۔

بھائی کیسے ہوا یہ سب؟

"یونیورسٹی کے کسی اسٹوڈنٹ نے گریڈز کم آنے پر بدتمیزی کی ابا سے۔نہ صرف اتنا بلکہ تھپڑ مارا۔ "

سرخ آنکھیں بازو سے رگڑتے اس نے ان کے حواسوں پر بم گرایا تھا۔عیان تو جیسے ڈھے گئی تھی۔اس کے باپ کے ساتھ ایسا غیر انسانی سلوک کیا گیا۔

جس نے اپنے استاد پر ہاتھ اٹھایا کیا وہ انسان کہلانے کے قابل تھا۔

ڈاکٹرز کیا کہہ رہے ہیں؟

فی الحال تو کچھ بھی نہیں بتا رہے ہیں۔

اور وہ لڑکا؟

عیان کے لہجے میں نفرت چھائی تھی۔

"یونیورسٹی سے نکال دیا گیا ہے۔ڈین کی کال آئی تھی مجھے انہوں نے کہا ہے کہ دوبارہ اس کو یونیورسٹی میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔نہ صرف اتنا بلکہ اسکو بلیک لسٹ کر دیا گیا ہے پورے پانچ سال تک وہ کسی یونیورسٹی میں ایڈمیشن نہیں لے سکتا ہے۔"

خان دلاور کے لہجے میں بھی اس شخص کے لیے حقارت تھی۔ تبھی ایمر جنسی الارم بجااور ساتھ ہی کسی وی آئی پی کی آمد کی وجہ سے مریضوں کے ساتھ آئے لوگوں کو اسپتال سے باہر نکالا جانے لگا۔

باہر نکلیں آپ سب۔

نرس نے آکر انہیں باہر جانے کا کہا۔

"ہمارے ابا ہیں اندر انہیں ہارٹ اٹیک آیا ہے اور انکی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ "

عیان کو ہی ہوش آیا تھا۔

"اوہ بی بی اس وقت یہاں پر کسی کو رکنے کی اجازت نہیں ہے۔ جلدی کروان کے آنے سے پہلے ہمیں سب کو باہر کرنا ہے۔ "

نرس نے بد تمیزی سے کہتے ان سب کو باہر کیا۔ عیان واپس اندر جانا چاہتی تھی مگر سیکیورٹی اہلکاروں نے اسے وہیں روک دیا۔

"کچھ فائدہ نہیں ہے عیان یہ نہیں جانے دیں گے۔ "

دلاور کے کہنے پر وہ روتی ہوئی ایک طرف سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ تبھی آٹھ دس سرکاری گاڑیوں کے وہاں رکنے پر ہڑبونگ مچی تھی۔ عیان جو ایک

طرف اندھیرے میں بیٹھی تھی اس نے نفرت سے گاڑی سے نکلتے شخص کی جانب دیکھا تھا جس کی وجہ سے انہیں اس قدر مشکل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

عیان۔

جی بھائی۔

"تم مورے کو لے کر گھر چلی جاؤ میں ہوں ادھر ابا کے پاس۔

ویسے بھی تو یہ اندر نہیں جانے دے رہے ہیں۔ تو ادھر باہر انتظار کرنے کا کیا فائدہ ہے۔ الٹا مورے کی بھی طبیعت خراب ہو جائے گی۔ "

اسے منہ کھولتا دیکھ انہوں نے بات مکمل کی تھی۔ عیان بھی سمجھ کر سر ہلاتی وہاں سے نکل گئی تھی۔

"آئی ہیٹ یو مسٹر چیف منسٹر۔ اللہ کرے تم مر جاؤ۔ بلکہ تم جیسا ہر سیاستدان مر جائے۔ "

تنفر سے سرکاری گاڑیوں پر نظر ڈالتی وہ زخرف خاتون کو لیے گھر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

اپنے کمرے میں ٹہلتے بھی اسکا اضطراب کم ہونے میں نہ آرہا تھا۔باپ کی پریشانی، بھائی کی بے بسی اوران سیاستدانوں کی بے حسی نے اس کی نیند اڑا دی تھی۔ کھڑکی سے چاند کو تکتے وہ سوچوں میں گم تھی کہ جب کسی سوچ کے تحت وہ ٹیبل سے لیپ ٹاپ اٹھاتی بیڈ پر آبیٹھی تھی۔

وی پی این آن کر کے اس نے ٹویٹر پر فیک آئی ڈی بنائی تھی۔کے پی کے چیف منسٹر کو مینشن کر کے اس نے جواپنی کھولن نکالی تھی اس نے کیا رخ موڑنا تھا اسے اس وقت اندازہ بھی نہ تھا۔

ایک بار پھرا سپتال کال کر کے اس نے باپ کا پوچھا تھا مگر دلاور اب تک باہر ہی تھا کہ اسپتال کے اندر جانے کی اجازت نہ مل سکی تھی۔ جلتی آنکھوں کو قرار دینے کے لیے اس نے کچھ دیر اپنی آنکھیں بند کی تھیں مگر نیند کی دیوی اس پر ایسی مہربان ہوئی کہ اگلی صبح دس بجے ہی اسکی آنکھ کھلی۔

"مورے آپ نے مجھے جگایا کیوں نہیں۔دس بج رہے ہیں ابا کے پاس اسپتال بھی جانا تھا۔"

"تم تھکی ہوئی تھی تبھی نہیں جگایا۔اور دلاور کا فون آیا تھا تمہارے ابا اب ٹھیک ہیں اور دلاور ان کے پاس ہی ہے۔ "

شکر اللہ کا اور کب گ ۓ وہ لارڈ صاحب وہاں سے؟

"فجر کے بعد ہی گ ۓ اس کے بعد اندر جانے دیا۔ "

زخرف خاتون کی بات پر اسکے چہرے پر نفرت کے تاثرات چھائے تھے۔

ناشتہ کرنے کے بعد وہ اسپتال چلی گئی تھی جہاں باپ کو دیکھتے وہ رونے لگی تھی۔

بس بیٹا میں ٹھیک ہوں۔

اسے سہارا دیتے وہ نقاہت سے بولے تھے۔

"پتا نہیں ابا ایسے لوگوں کو انکے ماں باپ کیا سکھا رہے ہیں جو ایسے جاہل لوگ ہیں یہ۔ انسانیت مر گئی ہے لوگوں میں سے۔"

آنسو صاف کرتے اس نے باپ کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگایا۔ باپ سے ملنے کے بعد وہ باہر لابی میں آئی تھی کہ بڑی اسکرین پر چلتی نیوز دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔

خیبر پختونخوا چیف منسٹر کے خلاف کیا گیا اسکاٹوئیٹ تیزی سے وائرل ہو رہا تھا۔ نیوز میں ہر طرف بس اس گمنام ٹوئیٹ کا ہی چرچا تھا۔ اپوزیشن لیڈرز نے اس معاملے کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا تھا۔ لوگوں کے چیف منسٹر کے

خلاف کیے گ ئے ٹوئیٹس اس معاملے کو بہت بڑا مسئلہ بنا گ ئے تھے۔ آن لائن جنگ شروع ہو چکی تھی سوشل میڈیا پر، اور جس نے یہ سب شروع کیا تھا وہ پتھرائی نظروں سے اسکرین کی جانب تک رہی تھی جہاں پارٹی کا کوئی کارکن اس ٹوئیٹ کے بارے میں کوئی بیان دے رہا تھا۔

"دیکھیں اس ٹوئیٹ کرنے والے تک ہم جلد ہی پہنچ جائیں گے۔ سی ایم صاحب کی سیکیورٹی کی وجہ سے باچا خان میڈیکل کمپلیکس کو خالی کروایا گیا تھا۔ اور مریض تو وہیں پر ہی تھے۔ صرف انکے اٹینڈنٹس کو باہر کیا گیا تھا۔ اور اس میں کوئی انہونی تو ہے نہیں جس طرح کے ملک کے حالات ہیں اتنا تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ عوام کو تو خوش ہونا چاہیے کہ انکے سی ایم باقی لیڈرز کی طرح لندن جا کر علاج نہیں کروا رہے بلکہ یہیں پر صوابی کے ایک چھوٹے سے اسپتال میں علاج کروا رہے ہیں۔ آپ باقی سب کو دیکھیں ایک چھینک آنے پر بھی وہ لندن جا پہنچتے ہیں۔ "

اس کارکن کے اس انداز پر اینکر اب مزید کچھ کہہ رہی تھی مگر عیان کو اب صورتحال کا اندازہ ہو رہا تھا۔ اسکے باپ بھائی نے ہمیشہ ان معاملات سے دور ایک پرسکون زندگی گزاری تھی۔ مگر عیان کا یہ جذباتی قدم انہیں کہاں لے

جاسکتا تھاوہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔اگرجوانہیں پتاچل جاتا کہ وہ کن لوگوں سے بھڑ گئی ہے تووہ کیا کرتے۔ایک سفید پوش انسان بھلاان چھٹے ہوئے بدمعاشوں سے کیسے خود کوبچاسکیں گے۔

خان صفدر کے ڈسچارج ہوتے ہی وہ گھرآکرلیپ ٹاپ کھول کربیٹھ گئی تھی۔ وی پی این آن کرنے کے بعداس نے دوبارہ اس آئی ڈی کوکھولا تھاجہاں ان گنت میسجزاورٹوئیٹس تھے۔کئی لوگ اسکی شناخت جاننا چاہ رہے تھے اسے ہیرو کہہ رہے تھے جس نے اس ظلم کے خلاف آوازاٹھائی تھی۔ان میں کتنے ہی اپوزیشن لیڈرز کے میسجز بھی تھے جواسکا ساتھ دینے کاوعدہ کررہے تھے۔ساتھ ہی اسکے باپ کی صحت کے لیے بھی دعاگوتھے۔دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے آئی ڈی لاگ آؤٹ کردی تھی۔باہرآئی توسامنے ہی نیوز پر یہی خبرچل رہی تھی۔

"بہت جی دار ہے جس نے یہ قدم اٹھایا ہے۔ایسے بہادرانسان سے تومیں بھی ایک بارملنا چاہوں گا جس نے ایوانوں کی اونچی دیواروں کو ہلا کررکھ دیا ہے۔"

عیان نے تھوک نگلتے باپ کودیکھا تھا۔ایک نظربھائی پرڈالی۔

"کیا وہ انہیں سچ بتادے۔"

صوفے کی پشت سے سر ٹکائے آنکھوں کو مسلتے اپنے بھائی کو اس نے دیکھا تھا۔

"لیکن اگر بھائی کو کچھ نقصان پہنچا دیا تو؟"

اپنی سوچ کی نفی کرتی وہ اندر کمرے میں آگئی۔

عیان۔۔۔

جی ابا۔

"بیٹا کوئی پریشانی ہے کیا؟ میں تین دن سے دیکھ رہا ہوں آپ اُلجھی اُلجھی سی ہو۔"

وہ باہر لان میں کرسی پر شال اوڑھے بیٹھے تھے۔ عیان کی آنکھوں میں نمی چھلکی تھی جس پر اس نے سر جھکا کر نفی میں سر ہلایا۔

ایسی کوئی بات نہیں ابا۔

ہممم۔۔۔

ہنکارا بھرتے وہ اندر جانے کے لیے اٹھے کہ عیان نے انہیں پکارا۔

ابا۔۔

وہ دراصل۔۔

سر جھکائے اس نے انہیں اپنا کارنامہ بتایا۔وہ جو خاموشی سے اسے سن رہے تھے اسکا کارنامہ سن کر دنگ رہ گ ۓ تھے۔

اتنا بڑا قدم کیوں اٹھایا عیان۔

"ابا میں اس وقت شدید پریشان تھی اور چیف منسٹر صاحب پر اس قدر غصہ تھا کہ میں نے وہ لکھ دیا۔ "

بیٹا یہ سب۔۔۔اب کیا ہو گا؟میں کیا کہوں آپ سے۔

انکے برہم انداز پر اس نے سر اٹھایا۔

"ابا آپ ہی تو کہہ رہے تھے کہ آپ اس بہادر انسان سے ملنا چاہیں گے۔"

انکے غصہ ہونے پر وہ منمنائی تھی۔

"ہاں کیونکہ تب پتا نہیں تھا کہ وہ بہادر ہمارے گھر میں موجود ہے۔بیٹا ہم تو کوئی چھوٹا موٹا لڑائی جھگڑا افورڈ نہیں کر سکتے اور آپ نے سیدھا چیف منسٹر پر دھاوا بول دیا ہے۔ "

وہ سخت پریشان نظر آرہے تھے۔

"عیان یہ قہوہ لے جاؤ۔ "

زخرف خاتون کے کہنے پر وہ وہاں سے اٹھی تھی۔

"گھر میں یہ بات کسی سے ڈسکس مت کرنا نہ ماں سے نہ بھائی سے۔میں دیکھتا ہوں کہ کیا کرنا ہے۔"

عیان کو کہہ کر وہ خود بھی اندر کی جانب بڑھ گئے۔

"عیان تیار ہو جائیں میرے ساتھ جانا ہے آپ کو۔ "

کہاں ابا؟

"مشکل کا حل نکالنے۔"

گہری سانس بھر کر انہوں نے جواب دیا۔ساتھ ہی ایک شاپر اسکی جانب بڑھایا۔

یہ کیا ہے ابا؟

"دیکھ لو اور آپکی مورے اس وقت گھر پر نہیں ہیں انکے آنے سے پہلے ہی تیار ہو جاؤ۔"

کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے وہ شاپر تھاما تھا۔پہلا خیال جو آیا تھا وہ یہی تھا کہ ابا کسی بھروسے مند آدمی سے اسکا نکاح پڑھوا کر چلتا کریں گے مگر شاپر کھولتے ہی اسکی آنکھیں پھیلی تھیں۔

"یہ سب ؟ابا یہ سب ؟"

وہ بھاگتی ہوئی باہر آئی تو انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا۔

"کسی کو خبر نہیں ہونی چاہیے کہ ٹوئیٹ کرنے والی کوئی لڑکی تھی۔ "

مضبوط لہجے میں کہہ کر وہ باہر کی جانب بڑھ گۓ۔جبکہ عیان کے چہرے پر خوف چھایا تھا۔جانے یہ مسئلہ کس قدر گھمبیر تھا کہ اسے اپنی پہچان چھپانی پڑ رہی تھی۔

کچھ ہی دیر میں ڈھیلی سی ٹی شرٹ کے ساتھ جینز پہنے بالوں میں چھوٹے بالوں کی وِگ لگا کر ٹوپی پہنے وہ تیار تھی۔

آئینے میں خود کو دیکھتے اس نے کانوں سے ٹاپس نکالے تھے۔بال کانوں پر کیے اب اس نے نازک سا بریسلیٹ اتارا۔ساتھ ہی سبز زمرد کی نازک سی انگوٹھی بھی اتارتے اس نے دراز میں ڈالی تھی۔جاگرز پہن کر وہ بالکل بھی پہچانی نہ جا رہی تھی۔

باپ کے ساتھ گھر سے نکلتے وہ جس خوف کا شکار تھی وہ خوف ایک گھر میں داخل ہوتے مزید بڑھ گیا تھا۔خان صفدر اسے لیے شیر علی خان کے گھر آئے تھے۔شیر علی خان انقلاب پارٹی کا ہی ایک رکن تھا اور علاقے کا ایم این اے تھا۔بڑی بڑی مونچھوں کو تاؤ دیتے کروفر سے بیٹھا وہ شخص انہیں ذرا سی بھی اہمیت دینے کو تیار نہ تھا۔

"جی کہیں کیسے آنا ہوا۔"

اسکے پی اے نے بیس منٹ سے انہیں وہاں بٹھار کھا تھا۔

"سر میں صوابی یونیورسٹی میں پروفیسر ہوں اور یہ میرا بیٹا ہے۔"

خان صفدر کے کہنے پر اس کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"تو بیٹے کی نوکری لگوانا چاہتے ہیں۔"

نہیں خان جی ایسی بات نہیں ہے بات کچھ اور ہے کیا میں اکیلے میں بات کر سکتا ہوں۔

"یہ سب میرے اعتماد کے بندے ہیں آپ کو جو کہنا ہے کہیں۔"

اسکی بات پر خان صفدر کچھ دیر کے لیے خاموش ہوئے تھے۔

"دراصل وہ ٹوئیٹ جو چیف منسٹر صاحب کے خلاف کیا گیا تھا وہ اس نے کیا تھا۔ "

دھیمے لہجے میں انہوں نے بتایا تھا۔شیر علی خان کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔

"تم سب باہر جاؤ مجھے ضروری بات کرنی ہے۔ "

صد شکر تھا کہ ان کے لوگ دور تھے آواز ان تک نہ پہنچی تھی۔انہیں باہر نکالتے انہوں نے بے یقینی سے اس دھان پان سے لڑکے کو دیکھا تھا جو جسامت کے لحاظ سے لگتا تھا کہ ابھی جوانی کی سرحدوں کو بھی ٹھیک سے چھو نہیں پایا ہے۔

"آپ لوگ جانتے بھی ہیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟اور اس ٹنگو سے لڑکے نے ایسا طوفان اٹھایا ہے کہ پورا ملک ہی ہل گیا ہے۔ "

دیکھیں سر وہ سب اسکی غلطی ہے اس وقت میں اسپتال میں ایڈمٹ تھا۔بچے کو کچھ سمجھ نہیں آیا۔ تبھی جذباتیت میں یہ قدم اٹھالیا۔

"تمہارے بیٹے کے اس جذباتی قدم نے جو آگ لگائی ہے تم لوگ اب مجھے بھی اس میں بھسم کرنا چاہتے ہو۔فوراً میرے ڈیرے سے نکلو،اور نہ میں تم لوگوں کو جانتا ہوں اور نہ ہی تم لوگ مجھے جانتے ہو۔ "

شیر علی خان تو ایسے تلملا رہا تھا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

ایک بار میری بات۔۔۔

"ہر گز نہیں میں اس وقت کچھ نہیں سننے والا ہوں۔ فوراً ایک درخواست لکھو کہ تمہارے گھر میں پانی کا مسئلہ ہے اور تم سرکاری پانی کی منظوری کے لیے میرے پاس آئے ہو۔"

لیکن ہم اس لیے نہیں آئے ہیں۔

خان صفدر کی بات پر اس کا پارہ چڑھا۔

"تو تم لوگ کیا چاہتے ہو کہ جب انکوائری ہو تو میں تمہارے اس بیوقوف بیٹے کی وجہ سے پھنس جاؤں۔ فوراً درخواست لکھو اور ادھر سے نکلو۔"

ہم کس سے مدد مانگیں ہمیں اتنا تو بتا دیں۔ کیا ہم کسی اپوزیشن لیڈر۔۔۔

"کیا اپنی کھال ادھڑوانا چاہتے ہیں سی ایم صاحب سے۔ اس معاملے کو یہیں دبا دو۔ میں مخلصانہ مشورہ دے رہا ہوں۔ دیکھیں پروفیسر صاحب آپ ہمارے لیے قابلِ احترام ہیں میری پارٹی کی بدنامی ہوئی ہے مگر ہم میں سے کسی میں بھی اتنی جرأت نہیں ہے کہ اس سچ کو سی ایم صاحب تک پہنچا سکیں۔ میری بات سمجھ رہے ہیں نہ آپ۔"

شیر علی خان کے کہنے پر وہ مایوسی سے وہاں سے اٹھ آئے۔عیان کی تو بھوک پیاس ہی مر گئی تھی۔حکومت کے خلاف لکھنا آسان تھا مگر اس سچ کو اپنانا بہت ہی مشکل تھا۔

اگلے دن خان صفدر عیان کو لیے ایک ایڈووکیٹ سے ملنے جا پہنچے تھے۔

"پروفیسر صاحب یہ ایک گھمبیر مسئلہ ہے۔جواب ذاتی نہیں بلکہ قومی سطح پر پھیل گیا ہے۔اور ان طاقتور لوگوں سے آپ اپنے بیٹے کو نہیں بچا سکیں گے۔ آپ اگر معافی بھی مانگتے ہیں تو کیا گارنٹی ہے کہ کسی دن کسی سیاہ شیشوں والی گاڑی میں آپکے بیٹے کو غائب نہیں کر دیا جائے گا۔نہ صرف اسے بلکہ آپکے پورے خاندان کو۔ "

ہم کیا کریں ایڈووکیٹ صاحب۔آپ ہی کوئی مشورہ دیں۔

"اس مسئلے کا حل صرف ایک ہی شخص نکال سکتا ہے۔صرف ایک ہی انسان ہے جو سی ایم سے آپ کو بچا سکتا ہے۔"

کون؟

"سی ایم خود۔اسکے علاوہ کوئی بھی نہیں۔ "

تھکے تھکے قدموں سے وہ ابھی گھر کے اندر ہی داخل ہوئے تھے کہ عیان کا فون گنگنانے لگا۔

ہہ ہیلو، ہیلو۔

"ہیلو سی ایم صاحب آپ سے بات کریں گے۔ "

مقابل کی بات سنتے ہی عیان نے فوراََ فون بند کیا۔ پاور آف کر کے وہ گھر میں داخل ہوئی تو سامنے ہی زخرف خاتون اور دلاور بھائی کو دیکھ کر بوکھلا گئی۔ ہچکچائے تو خان صفدر بھی تھے مگر پھر لب بھینچے وہ اندر بڑھ گئے۔ پریشانی میں خیال ہی نہ رہا تھا کہ عیان روپ بدلے ہوئے ہے۔

"آپ کون؟"

دلاور کے پوچھنے پر عیان نے سر جھکا لیا۔ ٹوپی اتار کر وِگ نکالی تو ایک لمحہ کو وہ دونوں حیرت زدہ رہ گئے۔

"یہ کیا ہے عیان؟ اس قسم کا حلیہ کیوں بنا رکھا ہے؟"

اندر بیٹھ کر بات کرو دلاور۔

خان صفدر کے کہنے پر وہ اندر آ کر بیٹھے۔ عیان نے اپنی کارگزاری سنائی تو دلاور بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔

"میں تم سے ایسی بے وقوفی کی توقع نہیں رکھتا تھا عیان۔اتنے اثر رسوخ والے شخص کے خلاف لکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔سرکاری پروٹوکول کی وجہ سے تو پریشانی بس ایک رات یا کچھ گھنٹوں کی ہی تھی مگر تم نے تو ساری زندگی کی پریشانی کھڑی کردی ہے۔اب تک چیف منسٹر کا اس معاملے سے متعلق کوئی بھی بیان نہیں آیا ہے۔جانے وہ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ "

دلاور خان کے خدشات بھی غلط نہ تھے۔وہ دوٹوک بات کرنے والا سخت مزاج کا حامل شخص تھا۔اگر اب تک اس معاملے پر خاموشی دھرے ہوئے تھا تو یقیناً عیان کا برا وقت شروع ہونے والا تھا۔جبکہ عیان تو اس سب میں وہ فون کال بھول ہی گئی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد دروازے پر ہونے والی بیل نے ان سبھی کو چونکایا تھا۔

"جی کہیے۔"

سول کپڑوں میں دو افراد کو دیکھ کر اسے کچھ حوصلہ ہوا تھا۔

"یہ پرمیشن لیٹر پکڑیں کل سی ایم صاحب کے آفس میں یہ دکھانے کے بعد ان کے آفس آیئے گا۔سی ایم صاحب ملنا چاہتے ہیں۔"

مگر سر آپ ایک بار۔۔۔

"ہمیں کچھ نہیں سننا۔ ہمیں جس کام کا آرڈر ملا ہے وہ ہم کر چکے ہیں۔ کل پورے دس بجے سی ایم سر ملیں گے۔اور ہاں انہیں دیر بالکل پسند نہیں ہے۔ "

روبوٹک انداز میں کہتے وہ مڑ گ ئے تھے۔ جبکہ دلاور لب بھینچے دروازہ بند کرتا اندر آیا تھا۔

کیا ہوا بھائی؟ کون تھا؟

"تمہارے سسرال والے۔رخصتی کا حکم آگیا ہے۔"

جلے انداز میں کہتا وہ لفافہ وہیں ٹیبل پر پٹختے اندر کی جانب بڑھ گیا۔ جبکہ عیان سر ہاتھوں میں گرائے وہیں بیٹھ گئی۔

"بچے کھانا کھالو۔اس طرح پریشان ہو کر تو کچھ نہیں ملنا۔ "

زخرف خاتون اسے تسلی دیتے کھانا لگانے اٹھ گئیں۔ جبکہ وہ دونوں باپ بیٹی ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گ ئے۔

اگلی صبح وہ دونوں اس شاندار سی بلڈنگ کے سامنے کھڑے تھے۔اب تک کے چیف منسٹرز پشاور چیف منسٹر ہاؤس میں رہتے آئے تھے مگر انقلاب پارٹی کے چیف منسٹر نے اپنے آبائی شہر صوابی میں رہنے کو ترجیح دی تھی۔

ٹوپی سر پر ٹکائے خان صفدر کے پیچھے پیچھے وہ اس بڑے سے آہنی گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھی۔مہنگی ترین گھاس کے میدان کے بیچوں بیچ بنی مہنگے پتھروں کی روش گیٹ سے لے کر اندر عمارت تک تھی۔

اعلیٰ نسل کے جرمن شیفرڈز کے بھونکنے کی آوازیں اسے مزید سہارہی تھیں۔وہیں جابجا کھڑے گن مینزانہیں گھور رہے تھے۔سوٹڈ بوٹڈ لوگوں اور گارڈز کے ہجوم سے ہوتے ہوئے وہ قیمتی لکڑی کے دروازے سے اندر داخل ہوئے تھے۔جہاں وسیع و عریض لاؤنج دیکھنے والے کی سدھ بدھ چھین لیتا تھا۔گھر کی دیواروں سے لے کر ایک چھوٹے سے ڈیکوریشن پیس تک ہر ایک چیز اتنی قیمتی تھی کہ عیان کو لگتا تھا کہ سی ایم کے گھر کے ایک وال کلاک کی قیمت شاید اسکے باپ کی پورے سال کی تنخواہ ہوتی۔

"چلو سی ایم صاحب نے بلایا ہے۔"

ایک سوٹڈ بوٹڈ آدمی کے آکر کہنے پر وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ ادھر ہی رکیں۔وہ صرف آپ کے بیٹے سے بات کریں گے۔ "

مگر میں۔۔۔

جاؤ بیٹا۔

خان صفدر کے لرزتے لہجے پر وہ پریشانی سے اس شخص کی معیت میں ایک اور شاندار کمرے سے ہوتے ہوئے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔اس شخص کے پیچھے مرے مرے قدم اٹھاتے وہ انتہائی شاندار سے ایک کمرے میں داخل ہوئی تھی۔وہ آفس جیسا تو نہ تھا البتہ شاید وہ کمرہ وقت گزاری کے لیے استعمال کیا جاتا تھا کیونکہ اس کمرے کی بڑی سی کھڑکی سے ماہا بان ہلز کا دلفریب منظر دکھائی دیتا تھا۔اس کمرے میں سب سے نمایاں منظر یہی تھا۔اسکے علاوہ وہاں بنا آتش دان اور اسکے سامنے رکھے صوفے اور ایک جانب رکھی ایزی چیئر بھی دیکھنے والوں کی توجہ اپنی جانب کھینچتی تھی۔دیوار گیر بک شیلف میں رکھی کتابیں دنیا جہاں کا علم خود میں سمیٹے خاموشی سے وہاں براجمان تھیں۔ یہ کمرہ کسی مہاراجہ کا پر سکون گوشہ معلوم ہوتا تھا۔کوئی اور وقت ہوتا تو عیان اس کمرے کی خوبصورتی سے اپنی آنکھوں کو خیرہ کرتی مگر اس وقت تو اس کو اپنی زندگی کے لالے پڑے تھے اسے نہ ہی اس کمرے کی شان وشوکت نے

مرعوب کیا تھا نہ ہی وہاں سے دکھائی دیتے دل موہ لینے والے قدرتی نظاروں نے۔

ایک بوڑھا سا شخص ایپرن باندھے چائے اٹھائے وہاں آیا تھا۔کپ اسکے سامنے رکھنے کے بعد اسے گھورتا وہاں سے چلا گیا تھا۔عیان کے لیے یہ کچھ اچھنبے کی بات نہ تھی کیونکہ گیٹ سے لے کر یہاں تک ہر کوئی اسے گھور ہی رہا تھا۔

تھوک نگلتے اس نے چائے کے کپ کو دیکھا تھا مگر اسے اٹھانے کی ہمت نہ کی تھی۔وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگتے یہاں وہاں دیکھ رہی تھی۔کپ کو اس نے چھوا تک نہ تھا۔سردی کے باعث اس پر جھلی سی جمنے لگی تھی۔عیان سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو مسلنے میں مصروف تھی۔اسے یہاں بیٹھے پندرہ منٹ گزر چکے تھے کہ تبھی اسی بوڑھے شخص نے اندر آتے انتہائی نفاست کے ساتھ کافی لا کر ٹیبل پر رکھی۔

اسکے ساتھ ہی ایک اور شخص اندر داخل ہوا اور فون اور کچھ فائلز لا کر کافی کے ساتھ ہی رکھیں۔ان لوگوں کی پھرتیاں دیکھ کر عیان کو یقین ہو چلا تھا کہ جس شخص کی بدولت وہ وہاں موجود ہے اس کی آمد بس ہونے کو تھی۔اسکے

دل کی دھڑکنیں خطرناک حد تک بڑھنے لگی تھیں۔ماتھے پر آیا پسینہ اس نے ہاتھ کی پشت سے رگڑا۔کہ تبھی گارڈ گلاس ڈور دھکیلتا سائیڈ پر ہوا۔عیان کی نظر تو اندر داخل ہوتے وجود کے سیاہ چمچماتے جوتوں پر ہی تھی۔جو قدم قدم چلتے اس کے قریب آرہے تھے۔ہاتھوں کی کپکپاہٹ چھپاتے وہ فوراً ہی کھڑی ہوئی تھی۔مگر مقابل ایک لفظ بھی کہے بغیر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتا خود بھی بیٹھ چکا تھا۔عیان کے گرد مسحور کن سی خوشبو نے بسیرا کیا تھا مگر اس وقت اسے کچھ محسوس کرنے کا ہوش ہی کہاں تھا۔وہ تو ہراساں نظروں سے سامنے بیٹھے اس سنجیدہ مگر شاندار سے شخص کو دیکھ رہی تھی جو اسے سے یوں بے نیاز بیٹھا تھا جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔

اسکا سیکرٹری ایک فائل اٹھائے اسے کچھ بتارہا تھا جبکہ عیان نے ایک چور نظر اٹھا کر اس شخص کی جانب دیکھا۔سیاہ قمیض شلوار میں ملبوس،بال سلیقے سے جمے ہوئے،کندھوں پر سکن پختون چادر پھیلائے ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا وہ شخص سحر انگیز شخصیت کا مالک تھا۔چالیس بیالیس سالہ داؤد اورکزئی خیبر پختونخوا کا چیف منسٹر اس وقت اس سے مکمل طور پر بے نیاز اپنے سیکرٹری کے لائے ڈاکیومنٹس دیکھ رہا تھا۔

سیکرٹری کے جانے کے بعد وہ سامنے بیٹھے اس دبلے پتلے سے لڑکے کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"تو تم ہو جس نے ملکی تاریخ میں ایسا بھونچال لایا ہے۔ "

سس سوری سوری سر مم مج مجھ سے غلطی ہوگئی۔

یہ اسکی شخصیت کا ہی سحر تھا کہ عیان کی زبان بری طرح لڑکھڑائی تھی۔

"غلطی۔۔۔کیا واقعی ہی؟"

وہ اسکی بات پر یوں ہنسا تھا جیسے اس نے کوئی جوک کہا ہو۔

"تمہاری غلطی میری ریپوٹیشن پر بات لے آئی ہے لڑکے اور تم اسکے لیے بس سوری کہہ رہے ہو۔"

ذرا سا آگے کو جھک کر کہتا وہ پیچھے ہوا تھا۔دل میں کچھ شک سا گزرا تھا۔وہ اس پر نظریں جمائے اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

"سس سر میرے ااا باادھر ایڈمٹ تھے۔آآپ کے پروٹوکول کی ووجہ سے ہمیں باہر نکال دیا گیا۔ "

آخر میں لہجہ روہانسا ہوا تھا۔ طاقتور کے سامنے حق پر ہوتے ہوئے بھی گلٹی ہونا کس قدر اذیت ناک تھا۔ مگر داؤد اور کزئی نے تو جیسے اس کے لہجے سے بے پرواہ ناک سے مکھی اڑائی تھی۔

"یہ پروٹوکولز تو صدیوں سے چلتے آرہے ہیں لڑکے تو پھر میری دفعہ ہی کیوں تمہارا خون کھولا۔ یا مجھ سے کوئی ذاتی دشمنی تھی۔ کیا اپوزیشن کی جانب سے ہو تم۔"

سنجیدگی سے بھرپور لہجہ عیان کے چھکے چھڑانے کے لیے کافی تھا۔ اسکا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کہیں غائب ہو جائے یا پھر وقت میں واپس جا کر اس ٹوئیٹ کو ہی نہ لکھے جس کی وجہ سے اس پر اتنی مشکل آن پڑی تھی۔

"سر ایسی بات نہیں میں نے بس ابا کی پریشانی میں وہ سب لکھ دیا۔"

اسکے گھگھیانے پر داؤد اور کزئی نے ٹیبل پر رکھی فائل اٹھائی۔ اسے کھول کر اس نے وہ فائل اسکے سامنے لہرائی۔

"یہ ہے تمہاری وہ ٹوئیٹ۔ کیا لکھا ہے اس میں تم نے۔"

اپنی گلاسسز پہنتے وہ فائل پڑھنی شروع کی۔

"یہ ذلیل حکمران ہمارے ووٹس کی بدولت عیاشیاں کرنے والے فرعون بھول بیٹھے ہیں کہ انکی عوام بھی انسان ہے۔انکے پروٹوکولز کی وجہ سے غریب عوام مر رہی ہے مگرانہیں ایک ذرااحساس نہیں ہے۔انہی فرعونوں میں ایک فرعون ہے داؤداورکزئی۔چیف منسٹر آف خیبر پختونخوا۔اللہ تمہیں غارت کرے آج تمہاری وجہ سے میرا باپ اسپتال کے بستر پر بے یارو مددگار پڑا ہے مگر تمہارے اس پروٹوکول کی وجہ سے ہم انہیں دیکھنے سے بھی قاصر ہیں۔تمہارے یہ پروٹوکولز تمہیں جہنم لے جائیں اور مر جاؤ تم بھی اور تمہارے جیسے سب حکمران بھی۔"

وہ جیسے جیسے پڑھتا جارہا تھا عیان کا سر جھکتا جارہا تھا۔اپنی بات کہنے کے لیے یوں اتنے صاف لفظوں میں اسے للکارنا کسی طور بھی ٹھیک نہ تھا۔جبکہ داؤد اورکزئی نے وہ فائل ٹیبل پر پٹخی تھی۔

"اس سے بہترین الفاظ نہیں مل سکے تمہیں۔"

درشت لہجے میں اس سے استفسار کرتے اسکا لہجہ رحم سے عاری تھا۔

مم میں نے جو کیا اس وقت میری ذہنی حالت۔۔۔

آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر بہہ نکلے تھے۔

"ذہنی حالت مائی فٹ۔ تمہاری ذہنی حالت ٹھیک نہیں تو کسی کے بھی بارے میں منہ اٹھا کر کچھ بھی لکھ دو گے۔"

وہ اسے رعایت دینے کے حق میں نہ تھا۔اسکی درشتی دیکھتے عیان کے اندر بغاوت نے سر اٹھایا۔ویسے بھی خوف تب تک طاری رہتا ہے جب تک مشکل سر پر آن نہیں پڑتی اسکے بعد تو اس مشکل کا سامنا کیا جاتا ہے۔

"میں نے وہی لکھا جو سچ ہے۔میرے ابا ہی نہیں جانے کتنے لوگ آپ جیسوں کے پروٹوکولز کی وجہ سے جان کی بازی ہار جاتے ہیں۔ "

جب جان جانی ہی تھی تو کیوں نہ حق کے لیے لڑ لیا جائے۔اسی باغی سوچ کے تحت عیان ہمت کرتے بولی تھی۔ مگر اگلے ہی پل اسکی آواز گھٹ گئی تھی۔

داؤد اور کرزئی کی خونخوار نظریں اس پر ہی جمی تھیں۔

تبھی نظروں کے تاثرات میں تبدیلی آئی تھی۔وہ جیسے اسے دیکھتے کچھ الجھا تھا۔

"تم لڑکی ہو۔ "

اسکے لہجے کا یقین عیان کو گڑ بڑانے پر مجبور کر گیا۔ یہ حملہ غیر متوقع تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اتنے فاصلے پر بیٹھے ہونے کے باوجود وہ شخص اسے پہچان لے گا۔

"نن نہ نہیں تو۔"

عیان کا ہاتھ فوراً اپنی ٹوپی پر گیا تھا۔

"سچ بولنا ہے مگر پردے کے پیچھے سے۔ فیک آئی ڈی، فیک حلیے سے۔"

اسکے انداز میں طنز تھا۔ عیان نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ کافی کا سپ لیتے وہ بغور اسکی جانب متوجہ تھا۔

"تمہارے بارے میں کسی کو پتا کیسے نہیں چلا؟"

عیان نے سر اٹھا کر اسکی جانب دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا، اگلے پل سر جھکائے وہ مدھم لہجے میں گویا ہوئی۔

"لڑکوں کو اتنے غور سے کوئی نہیں دیکھتا ایکسرے کرتی نگاہوں کا مرکز تو لڑکی ہوتی ہے۔"

اسکی منمناتی آواز پر وہ اسپاٹ تاثرات لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آآآپ بھلے ہی مجھے قتل کر دیں مگر پلیز میری فیملی کو کچھ مت کہیے گا وہ تو اس سب کے بارے میں جانتے بھی نہیں ہیں۔"

وہ جو اسے دیکھتے کسی سوچ میں مبتلا تھا، اسکے گڑگڑانے پر بدمزہ ہوا تھا۔

"جاؤ ادھر سے اور دوبارہ اپنی شکل مت دکھانا مجھے۔"

بیزاری سے کہتے وہ باہر دیکھنے میں مصروف ہو چکا تھا جبکہ وہ آنکھوں میں نمی لیے وہاں سے اٹھ آئی تھی۔

"کچھ بتاؤ تو سہی عیان کیا ہوا اور سی ایم صاحب نے کیا کہا۔"

خان دلاور اسکے گھر آتے ہی اس سے کئی بار یہ سوال دہرا چکے تھے مگر وہ تو اس کمرے سے نکلنے کے بعد ہی جیسے گونگی ہو گئی تھی۔ دھڑکتے دل سے اس نے اپنی آئی ڈی لاگ اِن کی تھی۔ جہاں ڈھیروں میسجز اس کی توجہ کے منتظر تھے۔ بے دلی سے آئی لاگ آؤٹ کر کے وہ ناخن چبانے لگی۔

لوگوں نے بڑھ چڑھ کر سیاستدانوں کو برا بھلا کہا تھا ساتھ ہی داؤد اور کزئی کے لیے کافی نامناسب الفاظ کا استعمال کیا گیا تھا۔ نہ صرف عوام بلکہ اپوزیشن کے لوگوں نے بھی ٹوئیٹ کر کے اس معاملے کو مزید ہوا دی تھی۔ عیان کو اپنی

گردن کے گرد شکنجہ سا کستا محسوس ہو رہا تھا۔ تبھی کچھ سوچتے اس نے لیپ ٹاپ کھولا اور داؤد اور کزئی کے بارے میں سرچ کرنے لگی۔

داؤد اور کزئی کا تعلق خیبر پختونخواہ کے شہر صوابی سے تھا۔ وہ سابق وزیرِ قانون اسداللہ اور کزئی کا واحد چشم و چراغ تھا۔ اسکے علاوہ داؤد اور کزئی کی ایک چھوٹی بہن بھی تھی جو شادی شدہ تھی اور پشاور میں رہتی تھی۔ اس کے والدین تیئس سال پہلے کار حادثے میں انتقال کر گئے تھے۔ اس وقت داؤد اور کزئی کیمبرج یونیورسٹی میں اپنی پڑھائی پوری کر رہا تھا۔ ماں باپ کے مرنے کے بعد وہ پاکستان آیا تھا مگر پھر اچانک وہ دو سال کے لیے غائب ہو گیا تھا۔ اور پھر اسکی واپسی انقلاب پارٹی کے ابھرنے پر ہوئی تھی۔ بیس سال کی محنت کے بعد آج وہ نہ صرف خیبر پختونخواہ کا چیف منسٹر تھا بلکہ بزنس کی دنیا میں وہ ٹائیکون کی حیثیت سے جانا مانا نام تھا۔ بیالیس سالہ داؤد اور کزئی غیر شادی شدہ تھا اور نہ صرف اتنا بلکہ آج تک وہ کسی اسکینڈل تک میں نہ آیا تھا۔

"یا یہ کھرا انسان ہے یا پھر انتہائی شاطر سیاستدان جو کسی صورت بھی کسی کے ہاتھ نہیں لگتا ہے۔"

سوچتے ہوئے اس نے مزید اس کے بارے میں جاننے کے لیے انسٹا گرام کھولا تھا۔ جہاں کتنی ہی لڑکیاں اسکی سحر انگیز پرسنالٹی کی وجہ سے اسے فالو کرتی تھیں۔ نہ صرف پاکستان بلکہ ایشیا کا وہ انتہائی ڈیشنگ اور چارمنگ سیاستدان مانا جاتا تھا۔ کتنے ہی فلاحی ادارے اور اسکولز اس نے کھول رکھے تھے۔ مگر اسکی فین فالونگ اس کے کام کی وجہ سے نہیں بلکہ اسکی پرسنالٹی کی وجہ سے تھی۔ اسکے اکاؤنٹ سے کہیں زیادہ تصویریں اسکے فالورز کے پاس تھیں جو انہوں نے اسے کمنٹ کی صورت بھیجی ہوئی تھیں۔ رینڈم کلکس میں اگر وہ اتنا خوبصورت لگتا تھا تو جب وہ پوز دے کر فوٹو کلک کرواتا ہوگا تو کس قدر ہینڈسم لگتا ہوگا۔

مگر عیان کو اس سب میں کوئی دلچسپی محسوس نہ ہو رہی تھی۔ اسے تو وہی خونخوار تیور والا داؤد اور کرزئی ہی یاد آیا تھا جس کے کتے اس سے بھی کہیں زیادہ خوفناک تھے۔ عیان نے بے ساختہ جھرجھری لی تھی۔ وہ تو شکر تھا کہ داؤد اور کرزئی نے اسے اپنے ان خونخوار کتوں کے آگے نہ ڈال دیا تھا۔ ایک بار پھر اسے اس شخص سے خوف آیا تھا۔ زندگی اب اسے نجانے کس ڈگر پر لے جانے والی تھی۔

عیان صبح سو کر اٹھی تو خان صفدر اور خان دلاور کو گھر میں دیکھ کر حیران رہ گئی۔

بھائی آپ اور ابا آج گ ئے نہیں؟

"نہیں ہڑتال ہے آج جس وجہ سے سب بند ہے۔ "

چائے پیتے دلاور نے اسے بتایا تو عیان نے حیرانگی سے ٹی وی پر چلتی خبروں پر نظر دوڑائی۔ جہاں اپوزیشن پارٹیز نے ان شاہی مراعات کے خلاف احتجاج کرر کھا تھا۔ چیف منسٹر آف کے پی کے کے خلاف نعرہ بازی کرتے لوگ سڑکوں پر جلاؤ گھیراؤ کرر ہے تھے۔

یہ سب کس وجہ سے؟

"بہتی گنگا میں ہاتھ دھورہے ہیں اب۔ انہیں تو بس کوئی موقع چاہیے تھا فساد پھیلانے کا۔ اس بیوقوف عوام کو اتنا احساس نہیں ہے کہ جن کے ساتھ ملکر یہ گورنمنٹ کے خلاف نعرے بازی کرر ہے ہیں وہ بھی تو انہی پروٹوکولز سے بھری زندگی گزار رہے ہیں۔ "

خان صفدر کے کہنے پر دلاور بھی کپ رکھتا وہیں آگیا۔

"پہلے انہیں اپنے حقوق یاد نہیں رہتے مگر جب کوئی دوسرا اپنے لیے آواز اٹھاتا ہے تو انہیں اپنی بھڑاس نکالنے کا موقع مل جاتا ہے۔اگر عیان نے اس دن وہ سب نہ لکھا ہوتا تو ان لوگوں کو اس واقعے سے کچھ فرق بھی نہیں پڑنا تھا۔کہ ان کے لیے تو عام روٹین کی بات ہے۔"

دلاور کے کہنے پر عیان بھی دلچسپی سے خبریں دیکھنے لگی تھی۔اتنے دنوں میں پہلی بار تو اسے احساس ہوا تھا کہ اس نے ایسا بھی کچھ غلط نہ کیا تھا۔اپنے حق کے لیے آواز اٹھائی تھی۔مگر اس آواز کو کس بری طرح کیش کروایا جا رہا تھا وہ دیکھ اسے اب افسوس ہو رہا تھا کہ اس ملک میں سکون سے بس یونہی رہا جا سکتا ہے کہ غلاموں کی طرح افسر شاہی کے چونچلے برداشت کروا گر اپنے حق کے لیے آواز اٹھاؤ گے تو یہی غلام ذہنیت لوگ اس بات کا اتنا بتنگڑ بنائیں گے کہ انصاف ملنا تو دور کی بات حق کے لیے آواز اٹھانا ہی مہنگا پڑ جائے گا۔

بجھے دل سے وہ کمرے میں آئی تو فون بج بج کر اب خاموش ہو چکا تھا۔پہلے تو اس نے یہی سوچا کہ اگنور کر دے مگر ضروری کال کا سوچ کر فون دیکھا تو دل دھک سے رہ گیا۔

"سی ایم آفس سے پانچ مسڈ کالز۔"

"عیان صفدر خان آج تو خود پر فاتحہ پڑھ ہی لو تم۔"

جلدی جلدی اس نے دوبارہ کال ملائی مگر جواب ندارد۔ تین چار بار بھی کال ملانے پر جواب نہ ملا تو وہ فوراََ تیار ہونے بھاگی۔ کچھ ہی دیر میں ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس بالوں کو وِگ سے کوور کر کے ٹوپی پہنی۔ پیروں میں جاگرز پہن کر وہ باہر نکلی تو سب اسے دیکھ کر چونک گ ئے۔

"عیان اس حلیے میں کدھر جارہی ہو؟"

زخرف خاتون نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"ایک بہت ہی ضروری کام ہے جاناپڑے گا۔"

میں چلوں کیا؟

"نہیں بھائی مجھے اکیلے ہی کرنا ہے۔"

فون جیب میں اڑس کر وہ تیزی سے باہر نکلی اور سائیکل پر بیٹھتی تیزی سے پیڈل مارتی سی ایم ہاؤس کی جانب بڑھنے لگی۔

صفدر صاحب خاموشی سے صوفے پر بیٹھے تھے۔ عیان کی ہڑبڑی نے ان کے جسم کو بالکل نڈھال ہی کردیا تھا۔

عیان تیزی سے پیڈل چلاتی کچے پکے راستوں سے ہوتی سی ایم ہاؤس پہنچی تھی۔ جہاں گارڈز نے اسے گیٹ پر ہی روک لیا تھا۔

"دیکھیں میرا اسی ایم سر سے ملنا بہت ضروری ہے۔ پلیز مجھے اندر جانے دیں۔ "

اوہ لڑکے وہ سی ایم صاحب ہیں کوئی عام انسان نہیں جن سے جب جس کا دل کرے گا منہ اٹھا کر مل لے گا۔

اس گارڈ نے کندھے سے اسے دھکا دیا جس کی بدولت وہ سائیکل سمیت نیچے گری تھی۔ کہنیوں پر شدید خراشیں آئی تھیں مگر وہ تیزی سے اٹھتی دوبارہ انکے سامنے آگئی۔

"مجھے اندر جانے دیں آپ سمجھ کیوں نہیں رہے ہیں۔ میرا جانا بہت ضروری ہے۔"

چل بھاگ ادھر سے ورنہ یہیں گولی سے بھیجا اڑا دوں گا سمجھا۔

اس گارڈ کے غصے سے کہنے پر وہ لب بھینچے سائیکل اٹھاتی واپس مڑی تھی۔ انکھوں میں نمی کے باعث منظر دھندلانے لگا تھا۔ تبھی سرکاری گاڑیوں کے سائرن نے وہاں تلاطم برپا کیا تھا۔ گارڈز نے سرعت سے پوزیشن سنبھال کر

گیٹ کھولا تھا۔سیاہ چمچماتی پروٹوکول گاڑیوں کے وسط میں داؤد اور کرزئی کی رینج روور گزری تھی۔عیان نے نفرت سے اس پروٹوکول کو دیکھا تھا جس کے باعث اسکی زندگی اجیرن ہوگئی تھی۔

وہ وہیں کھڑی اپنی سوچوں میں مبتلا تھی کہ گیٹ بند ہونے کی آواز پر چونکی۔مرے مرے قدم اٹھاتی وہ آگے بڑھنے لگی تھی کہ گارڈ کی پکار پر رکی۔

"اوئے لڑکے جاؤ اندر،صاحب نے بلایا ہے۔"

گارڈ کی بات پر اسکا پہلے دل کیا کہ انکار کر کے گھر چلی جائے مگر متوقع پریشانی کے باعث سر ہلا کر وہ سائیکل لیے اندر کی جانب بڑھی۔اسے دیکھتے ہی خونخوار کتوں نے جو غرانا شروع کیا عیان کو لگا وہ یہیں ہارٹ اٹیک سے مر جائے گی۔

بھاگ کر وہ اندر آفس میں داخل ہوئی تھی۔ملگجا حلیہ اور کہنیوں پر لگی رگڑ اسے بیچارہ بنا رہا تھا مگر وہ اس سے یکسر بے نیاز کرسی پر سر جھکائے بیٹھی ہاتھ مسلتے ہوئے اندر بلاوے کی منتظر تھی۔

"اس معاملے کو جلد سے جلد ختم کریں اور کرزئی صاحب۔اس لڑکے کا معاملہ اگر آپ پہلے ہی ختم کر دیتے تو آج ہمیں اس صورتحال کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ "

"مگر پی ایم سر یہ سب تو چھوٹے موٹے مسائل ہیں ایسے ویسے معاملات پر دو دن لوگ بول کر خاموش ہو جاتے ہیں۔"

"وہ دوسروں کے معاملات ہوتے ہیں اور کرزئی صاحب جس پر لوگ دو روز بول کر بھول جاتے ہیں۔ مگر آپ کے ان نام نہاد اصولوں اور سخت گیر انداز نے آپ کے بے حد دشمن بنا رکھے ہیں۔اس ملک میں وہی کامیابی سے حکومت کر سکتا ہے جو ڈبل پالیسی اختیار کرتا ہے۔آپکے یہ دوٹوک انداز آپکی اپنی پارٹی کو ہی نہیں بھاتے تو وہ تو پھر اپوزیشن ہے۔انہیں آپ کے خلاف بس ایک موقع چاہیے تھا اور دیکھیں اس موقع سے انہوں نے کیسا طوفان کھڑا کر دیا ہے۔اس لڑکے سے معافی مانگنے کا کہیں اور کچھ دن میں اسے غائب کروادیں۔"

غائب کروانے سے آپکا کیا مطلب ہے؟

داؤداورکرزئی کی رگیں پھولنے لگی تھیں۔کچھ بھی ہو وہ اس ظلم کے حق میں بالکل بھی نہ تھے۔

"اوہ کم آن سی ایم صاحب۔سیاستدان ہیں آپ اور سیاست کے داؤ پیچ سے اچھی طرح واقف بھی ہیں۔غائب کروانے کا ایک ہی مطلب ہے ایک چھوٹا موٹا دھماکہ یا پھر ہولناک حادثہ اس لڑکے کے ساتھ اگر بیس تیس اور لوگ بھی مر جاتے ہیں تو بھی خیر ہے۔آخر ملک کی آبادی بھی تو کم کرنی ہے نہ۔ "

درندگی سے کہتے وہ کرسی پر بیٹھے تھے۔جبکہ داؤداورکرزئی غصے کی شدت کو ضبط کرتے پی ایم آفس سے باہر نکلے تھے۔گاڑی میں بیٹھتے وہ ائیرپورٹ روانہ ہوئے تھے۔

"اس لڑکے سے رابطہ کرو نیاز۔ "

جی سر۔

انکے پی اے نے مؤدب لہجے میں کہہ کر عیان کو کال ملائی تھی۔مگر بارہا کال ملانے پر بھی اس نے ایک بھی کال کا جواب نہ دیا تھا۔داؤداورکرزئی کا پارہ مزید ہائی ہوا تھا۔نیاز نے فوراََ انہیں پانی کی بوتل پکڑائی تھی جسے انہوں نے ایک

ہی گھونٹ میں حلق میں انڈیلا تھا۔ سر میں ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔ تبھی وہ آنکھیں موندتے خود کو پر سکون کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

صوابی پہنچ کر وہ ابھی سی ایم ہاؤس پہنچے ہی تھے نیاز کی نظر سائیکل لیے کھڑی عیان پر پڑی تھی۔ ایک پل کو وہ حیران ہوا تھا مگر پھر داؤد اور کزئی سے اجازت لیتے گارڈ کو اسے اندر بلانے کا کہا تھا۔

داؤد اور کزئی ڈارک براؤن قمیض شلوار میں ملبوس کندھوں پر روایتی انداز میں شال پھیلائے اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھے تھے۔ ہاتھوں میں قیمتی سگار تھامے وہ غالباً کسی سوچ میں مبتلا تھے۔

"میں اندر آجاؤں سر؟"

عیان کو ایک گارڈ اس کمرے کے باہر تک چھوڑ گیا تھا۔ اجازت ملنے پر وہ مرے مرے قدم اٹھاتی اندر آئی تھی۔

کتنی ہی دیر تک وہ سر جھکائے خاموشی سے بیٹھی رہی۔

"اگر تم نے اسی طرح میرا وقت ضائع کرنا ہے تو تم جاسکتی ہو۔"

"وووہ سر دراصل آپکی کالز آئی تھیں مم مجھے لگا کچھ ضروری۔۔۔"

سیر یسلی ضروری بات، وہ بھی تم سے؟

وہ ٹانگ سے ٹانگ ہٹاتے آگے کو جھکے۔ عیان لب کاٹتی سر جھکا گئ۔

"تم نے جو یہ سب میس پھیلایا ہے نہ اسے ہی سمیٹنے میں لگا ہوں میں۔ "

سر میں۔۔۔

کچھ کہنے کے لیے اس نے سر اٹھایا کہ انکی بات سنتے شل رہ گئ۔

"تمہارے مرڈر کا آرڈر جاری کیا گیا ہے۔"

انکے سفاک لہجے پر عیان کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلی تھیں۔

"ک کیا آپ میرا مرڈر کر دیں گے؟"

ماتھے سے بے اختیار پسینہ صاف کیا تھا۔ داؤد اورکزئی نے تاسف سے اسے دیکھا پھر سگار ایش ٹرے میں مسلتے گویا ہوئے۔

"ظاہر سی بات ہے حکام بالا کا آرڈر ہے اس طرح تمہیں تھوڑی ہی جانے دے سکتا ہوں۔ "

بے پرواہ لہجہ عیان کی آنکھوں میں نمی لے آیا تھا۔ ایک ٹوئیٹ کی بدولت وہ قتل ہونے والی تھی۔

"مم مگر میری غلطی کی اتنی بڑی سزا کیسے دے سکتے ہیں آپ؟ کیا اپنے حق کے لیے بولنا اتنا بڑا جرم ہے؟ میں نے تو بس اپنے ابا کے لیے۔۔۔"

اس سے بات مکمل نہ ہو سکی تھی۔بے اختیار روتے اسکی ہچکی بندھی تھی۔

جس پر داؤد اور کرزئی کا پارہ مزید ہائی ہوا تھا۔

"تمہارے جیسے بزدل لوگوں کا مر جانا ہی اچھا ہے۔اٹھو چلو میرے ساتھ۔"

غصے سے کہتے وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔عیان نے خوفزدہ نگاہوں سے انہیں تکا تھا۔اسے اب اپنے یہاں آنے کے فیصلے پر پچھتاوا ہو رہا تھا۔اور اسکے گھر والے۔۔۔انہیں تو پتا بھی نہیں کہ انکی عزیز از جان بیٹی اپنی جان سے جانے والی ہے۔

"کیا میں ایک بار ابا سے۔۔۔میں انکو اطلاع تو دے سکتی ہوں نہ۔"

بھرایا لہجہ انہوں نے ناگواری سے سنا تھا۔

"اسکی ضرورت نہیں تمہارے گھر تک خبر پہنچا دی جائے گی۔"

سفاک لہجہ عیان کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑا گیا تھا۔

"ہاں لاش تو گھر والوں کو شاید بھیج ہی دیں گے۔ایم سوری ابا میں آپکی ذلت کا سامان بن گئی۔"

دل میں سوچتی مرے مرے قدم اٹھاتی وہ انکے پیچھے ایک بڑے سے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ جہاں بیٹھے بے شمار لوگ اسے حیرت میں مبتلا کر گئے تھے۔ جبکہ مضبوط چال چلتے داؤد اور کرنل اسٹیج کی جانب بڑھ گئے تھے۔ انکی معیت میں وہ بھی اسٹیج پر انکے ساتھ والی کرسی پر براجمان ہوئی تھی۔ ٹوپی کو صحیح طرح سر پر جماتی وہ داؤد اور کرنل کا مقصد سمجھنا چاہ رہی تھی۔ جبکہ انکے سامنے بیٹھے صحافی اور کیمرہ مین اس پریس کانفرنس کے شروع ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک نظر ان پر ڈالتے گلا کھنکار کر وہ گویا ہوئے۔

"اتنے دنوں سے ملک میں کہرام برپا ہے جس کی وجہ میرا اس دن اسپتال جانا اور اسپتال میں سیکیورٹی ریزنز کی وجہ سے مریضوں کے ساتھ آئے لوگوں کو باہر نکالنا ہے۔"

"سر تو کیا آپ اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ آپ کے ان افسر شاہی پروٹوکول کی وجہ سے عوام کو مشکل کا سامنا کرنا پڑا ہے۔"

ایک صحافی کی بات پر انہوں نے ایک نظر پہلو میں بیٹھی عیان کو دیکھا پھر سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

"دیکھیں میں نہیں جانتا کہ آپ پرٹوکول کس کو سمجھتے ہیں مگر میں بتادوں کہ اسپتال سے لوگوں کو پروٹوکول کی وجہ سے نہیں بلکہ سیکیورٹی ریزنز کی وجہ سے باہر نکالا گیا ہے۔پروٹوکول اور سیکیورٹی دونوں میں فرق ہے۔ "

"آپ کے کہنے کا کیا مطلب ہے کہ آپ سرکاری پروٹوکولز سے مبرا ہیں۔"

ایک اور صحافی کے طنزیہ سوال پر عیان نے چور نظروں سے داؤد اور کزنئی کی جانب دیکھا تھا مگر وہ ہنوز سنجیدہ تاثرات لیے بیٹھے تھے۔

"دیکھیں ہمارے ہاں پروٹوکول کو لے بہت ہی سطحی سی سوچ ہے۔ مثلاً اگر کسی وی آئی پی کی گاڑی کے پیچھے کئی سرکاری گاڑیاں ہوں اور گاڑیوں میں بندوق بردار ہتھیار تانے بیٹھے ہوں تو کہا جاتا ہے اس کا بڑا پروٹوکول ہے۔ حالانکہ یہ پروٹوکول نہیں سیکیورٹی ہے۔اور جہاں تک رہی پروٹوکول کی بات تو میں پروٹوکولز کے معاملے میں بااصول انسان ہوں اور انہیں فالو کرنا فرض سمجھتا ہوں۔"

"ہمیں آپ کی بات سمجھ نہیں آئی سی ایم سر۔ کبھی آپ کہتے ہیں کہ آپ پروٹوکول نہیں لیتے اور کبھی کہتے ہیں پروٹوکول کے معاملے میں بااصول انسان ہیں آپ اور سختی سے انہیں فالو کرتے ہیں۔ "

ایک اور سوال پر وہ مزید گویا ہوئے۔

"پروٹوکول دراصل چند قاعدے، قانون اور روایتیں ہیں جو سفارتی میل جول، اعلیٰ سطحی دوروں میں فالو کیے جاتے ہیں۔

ہمارے ہاں پروٹوکولز کی سمجھ جتنی قائدِ اعظم محمد علی جناح کو تھی اور جس قدر وہ اسکی پاسداری کرتے تھے، بعد میں شاید ہی کسی لیڈر نے کی ہو۔

حتیٰ کہ وقت کی پابندی قائد پر ختم تھی، آپ کے شاید علم میں ہو کہ ایک بار کچھ غیر ملکی مہمان انہیں ملنے آئے اور وقت مقررہ سے پانچ منٹ پہلے آ گئے۔ اسٹاف نے قائدِ اعظم کو اطلاع دی تو قائد نے کہا کہ انہیں کہیں چند منٹ باہر گزاریں۔ عین مقررہ وقت پر میں خود داخلی دروازے پر انکا استقبال کروں گا۔ مہمان کو گیٹ پر ریسیو کرنا اور انہیں وہاں آکر خدا حافظ کہنا بھی پروٹوکول کا حصہ ہے۔ "

وہ چند پل سانس لینے کو رکے۔ ہال میں بالکل سناٹا چھایا تھا۔ لوگ سانس روکے انہیں بولتا سن رہے تھے۔ عیان بھی گردن موڑے بیٹھی تھی۔ وہ اس وقت بالکل بھول چکی تھی کہ وہ وہاں کس وجہ سے ہے اور یہ شخص اسکے قتل کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ بس مکمل یکسوئی سے اس خوبصورت سحر پھونکنے

والے ساحر کو بولتا دیکھ سن رہی تھی۔ جو چند پل خاموش ہونے کے بعد دوبارہ بولنا شروع کر چکے تھے۔

"ہر ملک کی سنیارٹی کی ایک ترتیب ہوتی ہے، اسے order of Prudence کہا جاتا ہے۔ سرکاری تقریبات میں لوگوں کو سنیارٹی کے حساب سے بٹھایا جاتا ہے۔ اگر جونیئر اور سینئر بیٹھے ہوں تو سینئر ہمیشہ دائیں جانب ہوتا ہے۔ اگر چل رہے ہوں تب بھی جونیئر بائیں جانب ہوگا اور سینئر سے پیچھے قدم رکھے گا۔"

عیان نے ترچھی نظروں سے دیکھا تو وہ داؤد اور کزئی کے بائیں جانب بیٹھی تھی۔

"پروٹوکولز تو واقعی ہی فالو کرتے ہیں یہ۔"

دل میں سوچتے وہ انکی جانب متوجہ ہوئی تھی جو اس دن کی وضاحت دے رہے تھے۔

"دیکھیں آپ کے جیسے ہی انسان ہیں ہم بھی۔ بیمار بھی ہوتے ہیں اور اسپتال بھی جاتے ہیں۔ مگر اتنا ہمیں خطرہ دشمنوں سے نہیں ہوتا جتنا آپ میڈیا والوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔"

انکے سنجیدگی سے کہنے کے باوجود ہال میں بیٹھے لوگوں کے چہروں پر کھسیانی مسکراہٹ چھائی تھی۔

"آپ میڈیا کے لوگ ہماری زندگی میں اتنے انوالو رہتے ہیں کہ مجبوراً سیکیورٹی کا سہارا لیناپڑتا ہے۔میں وہاں علاج کے لیے گیا تھا نہ کہ کسی پریس کانفرنس کے لیے جس کی وجہ سے اسپتال کے دروازوں کو بند کرنا پڑا۔اور جہاں تک رہے مریضوں کے ساتھ آئے لوگوں کو باہر نکالنا تو میں اس کے لیے پوری قوم سے معزرت خواہ ہوں۔آپ لوگ پہلے ہی پریشانی میں اسپتال میں موجود تھے اور پھر ان سیکیورٹی ریزنز کی وجہ سے جس مشکل کا آپ کو سامنا کرنا پڑا اس کے لیے میں تہہ دل سے معافی مانگتا ہوں۔"

نہایت خوبصورتی سے وہ سارا الزام میڈیا پر دھر کر نہ صرف سننے والوں کو متاثر کر چکے تھے۔بلکہ ایسے مسحور کر دینے والے لہجے میں معافی مانگ کر عوام کا دل بھی پگھلا چکے تھے۔

"میری اس غلطی کا احساس مجھے جس نوجوان نے دلوایا میں اس سے بھی معافی مانگنا چاہتا ہوں کیونکہ میری وجہ سے یہ اس دن اپنے والد سے دور تھے۔انکی پریشانی میں مبتلا ہو کر انہوں نے جن الفاظ کا چناؤ کیا میں اس پر اسے

حق بجانب سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اس وقت جو اس پر بیت رہی تھی اس سے یہ ہی واقف تھا۔ اور اس بات پر بھی اسکا شکریہ کہ اس دن مشکل اٹھانے والے بہت تھے مگر آواز صرف ایک نے اٹھائی۔ اپنے حق کے لیے بولا۔ مجھے واقعی اس نوجوان نے بہت متاثر کیا ہے۔ اور اسکے والد کی عیادت کے لیے میں خود اسکے گھر بھی جاؤں گا۔ "

پریس کانفرنس ختم کرتے وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ عیان بھی انکے ساتھ ہی کھڑی ہوئی تھی۔

صحافی مائیک لیے اس سے سوال کرنا چاہ رہے تھے مگر وہ گارڈز کی بدولت آرام سے وہاں سے نکل گئے تھے۔ عیان انکے ساتھ باہر آئی تو اسکے چہرے پر بڑی خوبصورت مسکراہٹ تھی۔

"سر آپکا بہت شکریہ۔ آپکی وجہ سے میری بہت بڑی پریشانی ختم ہو گئی۔ "

گھر جاؤ اور دوبارہ یہاں کا رخ مت کرنا۔

اسپاٹ لہجے پر وہ حیران ہوئی تھی۔

"تو کیا آپ میرا قتل نہیں کریں گے ؟"

اسکے سوال پر وہ حیرت سے اسکی جانب گھومے تھے۔

"کیوں زندگی سے دل بھر گیا ہے تمہارا؟ان بھوکے جانوروں کے سامنے ڈال دوں کیا تمہیں؟"

ان کی بات پر عیان کا بے ساختہ نفی میں سر ہلا تھا۔وہ فوراََ باہر جانے کو آگے بڑھی۔

رکو۔

داؤداور کزئی کے پکارنے پر وہ پلٹی تھی۔مگر وہ اسکی جانب متوجہ نہیں تھے بلکہ سامنے الماری کے دراز میں کچھ ڈھونڈ رہے تھے۔

"یہ لو اپنی چوٹوں پر لگا لینا۔"

آئنٹمنٹ اسکی جانب بڑھاتے وہ گویا ہوئے۔

"اففف اس شخص کی نظر سے کچھ بچ پانا ناممکن تھا۔"

"یہ سی ایم کا آفس ہے تمہاری خالہ کا گھر نہیں جہاں تم سائیکل چلاتی داخل ہو گی تو گارڈز تمہارے احترام میں فوراََ سے گیٹ کھول دیں گے۔آج کہنیاں زخمی ہوئی ہیں فقط،اگلی بار یہ زخمی ہونے کے لیے بچیں گی ہی نہیں۔ "

سنجیدہ لہجے میں کہہ کر وہ جا چکے تھے جبکہ عیان اپنی زندگی بچ جانے پر شکر ادا کرتی باہر بھاگی تھی۔ سائیکل لے کر باہر جاتے اس نے ایک نظر ان خوفناک صورت کتوں کو دیکھا تھا پھر جھر جھری لیتی باہر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

بازار میں چل رہے ٹی وی پر داؤد اور کرزئی کی پریس کانفرنس چل رہی تھی۔ وہ چہرہ چھپانے کی کوشش کرتی جلدی جلدی پیڈل چلاتی گھر پہنچی تھی۔ جہاں سبھی کے مطمئن چہرے دیکھ کر اسے پہلی بار کوئی سیاستدان اچھا انسان محسوس ہوا تھا۔ جس نے نہ صرف خود کو بلکہ اسے بھی اس پریشانی سے نکال لیا تھا۔

اپنے کمرے میں داخل ہوتے اس نے اپنی اسی فیک آئی ڈی سے داؤد اور کرزئی کے لیے شکریہ کی ٹوئیٹ کی تھی۔ جس پر کتنے ہی لوگوں نے اسکی ہمت کو سراہا تھا ساتھ ہی سی ایم کو برا بھلا کہنے والے لوگ اب انکی قصیدہ گوئی میں مصروف عمل تھے۔

"عوام بھی کیسی منافق قوم ہے کبھی کسی کی سگی نہیں ہو گی یہ۔ "

سر جھٹکتی وہ لیپ ٹاپ آف کر گئی۔ سر پر لٹکتی تلوار ہٹی تو اسے لگا جیسے کسی زندان سے رہائی مل گئی ہو۔

نرم گرم سی دھوپ نے صوابی کو حدت بخشی تھی۔ایسے میں یونیورسٹی گراؤنڈ میں نیچے گھاس پر دوستوں کے درمیان بیٹھی عیان ان کے منہ سے اس ٹوئیٹ کرنے والے لڑکے کی تعریفیں سن رہی تھی۔بیچ میں وہ سی ایم کی تعریفیں بھی شروع کر دیتی تھیں۔عیان سر جھکائے نوٹس لکھتی انکے تبصروں پر دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی۔

"کتنا خوش قسمت لڑکا ہے یہ،اتنے ہینڈ سم انسان کے ساتھ بیٹھا ہے۔اگر اس لڑکے کی جگہ کوئی خوبصورت سی لڑکی بیٹھی ہوتی تو کتنا فلمی لگتا نہ یہ سب۔"

اپنی ایک دوست کی بات پر عیان نے بے ساختہ لاحول ولا پڑھا تھا۔وہاں اس کی روح فنا ہو رہی تھی اور انہیں فلمی ماحول چاہیے۔سر جھٹک کر وہ نوٹس میں گم ہو گئی۔

"عیان تم بھی دیکھو نہ یہ ہے وہ لڑکا جس نے ٹوئیٹ کی تھی۔پاکستان میں پہلا سیاستدان دیکھا ہے جس نے نہ صرف اپنی غلطی مانی ہے بلکہ اس لڑکے کو بھی

اپنے ساتھ بٹھایا ہے۔ ورنہ ہمیں تو لگا تھا اب اس لڑکے کی لاش کا ہی اتا پتا ملے گا۔ "

ایک اور لڑکی کے کہنے پر عیان نے بے ساختہ جھرجھری لی تھی۔ جیسے اسکے خوفناک کتے تھے اسکی تو لاش کا بھی اتا پتا نہ ملتا۔

"ویسے کچھ بھی کہو بندے کی پرسنیلٹی شاندار ہے۔ اس اتج میں بھی کسی ہیرو سے کم نہیں لگتا۔ ہائے کاش یہ تھوڑا سا ینگ ہوتا۔"

"ینگ ہوتا تو بھی اس نے تمہاری طرف دیکھنا نہیں تھا۔ سنا ہے اس نے شادی نہیں کی۔ اور آج تک اسکا اسکینڈل تک میڈیا کے سامنے نہیں آیا ہے۔ "

ان لوگوں کے تبصرے جاری تھے۔ عیان بے دلی سے وہاں سے اٹھ آئی تھی۔ ان لڑکیوں کا بھی کوئی حال نہیں تھا۔ وہ چیف منسٹر ان سے دگنی عمر کا انسان تھا مگر یہ تھیں کہ اسکی پرسنیلٹی کے سحر میں گرفتار ہوگئی تھیں۔ خیر محبت تو انکو ٹام کروز سے بھی تھی جب وہ ساٹھ سال کا ہو کر ان لڑکیوں کا کرش تھا تو داؤد اور کزنی تو پھر چالیس سال کا تھا۔

کتنے دنوں بعد خان صفدر کے گھر میں پر سکون دوپہر اتری تھی۔خان صفدر اور زخرف خاتون ناشتے کے بعد پچھلے صحن میں پودوں کی گوڈی کر رہے تھے۔ان پودوں کی دیکھ بھال وہ بہت محبت سے کرتے تھے تبھی توانکا خوبصورت ساگھر ان پھولوں اور بیلوں میں گھرِ کر اور بھی خوبصورت لگتا تھا۔خان دلاور دوستوں کے ساتھ کہیں باہر نکلا تھا۔جبکہ عیان کچن میں گھسی آج کچھ اسپیشل بنانے کا سوچ رہی تھی۔کچن سے گرما گرم کھانے کی خوشبو سارے گھر میں پھیل رہی تھی۔اتوار کا دن ہونے کی وجہ سے آج عیان نے دوپہر کے کھانے پر کافی اہتمام کیا تھا۔کابلی پلاؤ کے ساتھ چپلی کباب اور رائتہ بنانے کے بعد خان صفدر کی فرمائش پر ملیدہ بنا رہی تھی۔کام سے فارغ ہو کر اس اپنا سفید کڑھائی والا لباس نکالا۔اس کے ساتھ سرخ رنگ دوپٹہ اوڑھے وہ نہا کر نکلی تھی۔لمبے گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑ کر خشک کرتی اطلاعی گھنٹی کی آواز پر چونکی تھی۔

"لگتا ہے بھائی آگ ئے ہیں۔انکو کہتی ہوں کولڈ ڈرنک لے آئیں۔ "

سوچتے ہوئے وہ تولیہ وہیں چھوڑ کر باہر نکلی تھی۔

گیلے بال یونہی پشت پر پھیلائے دوپٹہ کندھوں پر ٹکائے اس نے دروازہ کھولا تھا۔

بھائی وہ۔۔۔

آنے والی ہستی کو دیکھ وہ وہیں فریز ہو گئی تھی۔

"سس سر آآپ یہاں؟"

داؤد اور کزئی جو اپنا کہا پورا کرنے کی خاطر خان صفدر کے گھر آئے تھے۔اس طرح کی صورتحال پر کچھ تذبذب کا شکار ہوئے تھے۔

"سر آپکے بھائی سے ملنے آئے ہیں بی بی۔"

انکے ساتھ آئے ایک شخص نے نظریں نیچی کر کے کہا تو عیان نے فوراََ سے پہلے دوپٹہ سر پر ڈالا۔

"میرے بھائی سے ملنے آئے ہیں۔ "

اسکی بیوقوفی پر داؤد اور کزئی کو ایک لمحہ لگا تھا اسے پہچاننے میں۔

"جی آپ کے بھائی سے ہی ملنے آئیں ہیں۔اگر گھر پر کوئی ہے تو کیا ہم اندر آجائیں۔"

دانت پیس کر کہتے وہ اسے شرمندہ کر گئے تھے۔

"جج جی سر آئیں، آئیں نہ پلیز۔"

راستے سے ایک طرف ہوتے اس نے انہیں اندر آنے کا کہا۔داؤد نے ایک نظراس خوبصورت سے گھر کو دیکھا تھا۔چہرے کے اسپاٹ تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی تھی۔ معمول کے سے انداز میں چلتے وہ اندر داخل ہوئے تھے۔ جبکہ عیان انہیں بٹھانے کے بعد خان صفدر کو بلانے چلی گئی تھی۔

وہ حیران سے وہاں داخل ہوئے تھے۔

"دراصل مجھے آج ہی وقت مل سکا تو میں آپکی عیادت کے لیے آگیا۔"

عیان جو پانی لے کر آئی تھی حیرانی سے داؤداور کرزئی کے چہرے کی جانب دیکھا تھا۔اسے یقین نہیں تھا کہ داؤداور کرزئی اپنے کہے کا پاس رکھتے اس کے گھر چلے آئیں گے۔

جبکہ خان صفدر انکے آنے پر بہت عاجز نظر آرہے تھے۔انہوں نے عیان کو کھانا لگانے کا کہا تو داؤداور کرزئی نے سہولت سے منع کر دیا۔

"سر اگر آپ تھوڑا سا کھالیں گے تو ہمیں بہت خوشی ہوگی۔"

عیان کے اتنے لجاجت سے کہنے پر وہ اثبات میں سر ہلاتے وہیں بیٹھ گئے تھے۔جبکہ وہ کپکپاتے ہاتھوں سے مورے کے ساتھ ملکر کھانا لگا رہی تھی۔

پہلا نوالہ لیتے ہی داؤداور کرزئی کے چہرے پر ستائش پھیلی تھی۔ کھانے کی تعریف کرتے وہ نہایت رغبت سے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔

عیان کو امید نہیں تھی کہ انہیں کھانا اس قدر پسند آئے گا۔

"سر اگر آپ کے آنے کا پتا ہوتا تو ہم مزید اہتمام کرتے۔ "

عیان کے شرمندہ انداز پر انہوں نے انکار میں سر ہلایا۔

"اسکی ضرورت نہیں۔آپ نے آل ریڈی کافی اہتمام کرلیا ہے۔اور کھانا بے حد لذیذ ہے۔ "

انکے نرم لہجے پر عیان کے چہرے پر مسکان چھائی تھی۔اس دن کے برعکس آج وہ نرم لہجے میں بولتے اسے اپنا اسیر کر رہے تھے۔

"آپکا بیٹا کب تک آئے گا؟"

داؤداور کرزئی کے ساتھ آئے شخص کے پوچھنے پر خان صفدر اٹھنے لگے تھے۔

"میں ابھی اسے کال کرلیتا ہوں۔ "

انکے کہنے پر عیان نے فوراً انکے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"وہ دراصل بابا بھائی کا فون اندر چارجنگ پر لگا ہے میں نے پہلے کال کی تھی تو کمرے میں بج رہا تھا۔"

اسکے ایک دم سے وضاحت دینے پر وہ داؤداور کرزئی سے معزرت کرنے لگے۔ مگر وہ چیل کی سی نظر رکھنے والا شخص عیان کے جھوٹ کو نہ صرف پکڑ چکا تھا بلکہ اس جھوٹ کے پس منظر سے بھی واقف تھا۔ ظاہر ہے سب اسے لڑکے کے طور پر جانتے تھے تو بھلا بیٹے کو کال کرنے پر عیان کیسے روپ بدل کر آسکتی تھی۔

مزید اس صورتحال سے بچنے کے لیے وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"چلیں اب اجازت دیں۔"

سوری سر میرے بیٹے سے نہیں مل سکے آپ۔

"کوئی بات نہیں جس سے ملنے آئے تھے ان سے مل چکے ہیں۔ آپ اپنا خیال رکھیے گا۔"

اس پر ایک نظر ڈالتے وہ وہاں سے نکل گئے تھے۔

انکے جانے کے بعد عیان ایکسائٹڈ ہوتے آئی ڈی لاگ اِن کر رہی تھی۔ جہاں داؤداور کرزئی کی آمد اور انکے یہاں کھانا کھانے پر اس نے ایک لمبا چوڑا کالم لکھا تھا۔ جس پر کتنے ہی لوگوں نے داؤداور کرزئی کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا تھا۔ عیان کو داؤداور کرزئی کا رویہ دیکھ کر احساس ہو رہا تھا کہ جذبات

میں اٹھایا گیا قدم واقعی غلط تھا۔اس نے یونہی کسی کو جانے بغیر بے نقط سناڈالی تھیں۔

داؤداور کزئی گھر پہنچے تو سامنے بہن اور بھانجے کو دیکھ کر بے انتہا خوش ہوئے۔

"ہیے لٹل چیمپ کب آئے؟ "

بس کچھ ہی دیر پہلے۔ مما بھی آئی ہیں۔

"اچھا کدھر ہیں؟"

اسے گود میں بٹھا کر گدگداتے انہوں نے پوچھا۔

"وہ کچن میں ہیں۔ سبحان کے لیے نگٹس بنا رہی ہیں۔"

سبحان نے فخریہ کالر کھڑے کیے۔

"ہاں بھئی سبحان تو شہزادہ ہے۔اسے تو سبھی پروٹوکول دیتے ہیں۔"

پروٹوکول کے نام پر انکے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی تھی۔جسے انہوں نے پل میں سنجیدگی میں ڈھالا تھا۔

"بھائی آپ کب پہنچے؟"

بس ابھی ابھی۔

اٹھ کر انہوں نے بہن کو خود سے لگایا۔جوان سے ملنے کے بعد بیٹے کو نگٹس کی پلیٹ پکڑا رہی تھی۔

"کھانا لگواؤں کیا آپ کے لیے؟"

نہیں کھانا میں کھا کر آیا ہوں۔

"اور آپکی میڈیسنز؟رشید چچا بتا رہے تھے کہ آپ نے میڈیسنز لینی چھوڑ دی ہیں۔"

بہن کے تفتیشی انداز پر انہوں نے گلاسسز اتار کر جیب میں رکھیں۔

"کبھی کبھار بھول جاتا ہوں تو نہیں لے پاتا۔"

"سچ میں بھائی۔آپ میڈیسن لینا بھول جاتے ہیں۔بھلا کوئی اپنے زندہ رہنے کی وجہ کو بھی بھول سکتا ہے۔آپ جانتے ہیں نہ کہ یہ میڈیسنز آپ کے لیے کتنی ضروری ہیں۔"

تم مجھ سے ملنے آئی ہو یا تفتیش کرنے۔

ہلکے پھلکے لہجے میں انہوں نے کہا تو نتاشا نے ناراضی سے انہیں دیکھا۔

"میں آپکو کچھ بتانے آئی تھی۔"

کیا بتانے آئی تھیں۔

"یہی کہ میں اور سبحان، عذیر کے ساتھ جرمنی شفٹ ہو رہے ہیں۔ "

بہن کی بات پر انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا پھر گہری سانس بھر کر رہ گ ئے۔

کیا جانا ضروری ہے؟

"اس ملک میں اب رہنے لائق بچا ہی کیا ہے بھائی۔ میں اپنے بچے کو کسی قابل بنتا دیکھنا چاہتی ہوں اور وہ یہاں رہ کر ممکن نہیں ہے۔اور پھر پاکستان نے ہمیں دیا ہی کیا ہے۔ دو نا قابلِ تلافی نقصان کے سوا۔ "

اسکے لہجے میں تلخی گھلی تھی۔

تم کچھ زیادہ ہی سوچ رہی ہو نتاشا۔

"اب بھی آپ کو لگتا ہے کہ میں زیادہ سوچ رہی ہوں۔ ہمارے ماں باپ کو اس وقت ہم سے چھین لیا گیا جب ہمیں ان کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔اور وہ وقت آپ بھول گ ئے ہیں جب آپ۔۔۔"

"میں اس وقت کو بھول جانا چاہتا ہوں نتاشا۔اس بارے میں بات مت کیا کرو۔ "

بات نہ کرنے سے کیا ماضی بدل جائے گا؟

"نہیں بدلے گا مگر اتنی اذیت بھی نہیں دے گا۔کب کی فلائیٹ ہے تم لوگوں کی؟"

انہوں نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔

ایک ہفتے بعد کی فلائیٹ ہے۔

ہمم اچھا ٹھیک ہے۔خیال سے جانا۔

وہ وہاں سے اٹھ گئے تھے۔ نتاشا نے دکھ سے انہیں جاتے دیکھا۔داؤد اور کرنزئی نے خود کو کتنا تنہا کر دیا تھا۔وہ بھائی کو دیکھتے یہاں سے جانا نہ چاہتی تھی۔ مگر جب بیٹے کو دیکھتی تو ایک پل بھی یہاں رکنا نہ چاہتی تھی۔ سبحان کے مستقبل سے زیادہ اسے داؤد کے ماضی کے خدشات ستاتے تھے۔اگر سبحان کو بھی داؤد کی طرح اس ملک نے نقصان پہنچایا تو وہ کیا کرے گی۔کیسے سہے گی؟

بجھے دل سے وہاں بیٹھی داؤد اور کرنزئی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"اگر داؤد نے شادی کر لی ہوتی تو شاید آج معاملات مختلف ہوتے۔کوئی ہوتا جو اس کا خیال رکھتا۔جو اسکی دوائیں وقت پر دینا بھولتا نہیں۔اور جس کے لیے داؤد خود بھی اپنا خیال رکھتا۔"

رشید چچا نے نتاشا کو کافی دیتے ہوئے کہا تو وہ دل مسوس کر رہ گئی۔اپنی جوانی کے خوبصورت دن تو داؤد اور کرنزئی نے سیاست کی نذر کر دیے تھے۔

سیاست کو کسی محبوبہ کی طرح سمجھ کر وہ باقی ہر چیز سے ہی غافل ہو گئے تھے۔ اور اب اپنی بگڑتی طبیعت کے پیشِ نظر وہ شادی نہ کرنا چاہتے تھے۔حالانکہ وہ اگر چاہتے تو ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی انکی زندگی میں آنے کو تیار تھی۔ مگر انہوں نے یہ گوارا نہ کیا تھا۔

نتاشا ڈنر سے پہلے ہی واپس چلی گئی تھی۔داؤد اور کرنزئی اپنے کاموں میں مصروف تھے اور اسے گھر جا کر کافی پیکنگ کرنی تھی۔

داؤد اور کرنزئی اپنے کاموں میں مصروف تھے کہ انکی نظر سے عیان کی ٹوئیٹ گزری جس میں آج کے لنچ کے حوالے سے اس نے نہ صرف انکا شکریہ کیا تھا بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ وہ باقی سیاستدانوں سے مختلف انسانی ہمدردی رکھنے والا انسان ہے۔جس پر اسکے ہی کسی مخالف انسان نے ری ٹوئیٹ کیا تھا کہ یہ سب پبلسٹی اسٹنٹ ہے۔اسکے جواب میں عیان نے صاف کہا تھا کہ یہ پبلسٹی اسٹنٹ ہوتا تو اس وقت خبروں کی زینت ہوتا۔

"لوگوں کے پاس واقعی کافی فضول وقت ہے۔ "

سر جھٹک کر سوچتے وہ دوبارہ اپنے کاموں میں مصروف ہوگۓ تھے۔ کل ایک یونیورسٹی میں انہوں نے چیف گیسٹ کے طور پر جانا تھا۔ وہاں تقریر کے لیے وہ کچھ مواد ڈھونڈرہے تھے۔ ویسے تو نہیں اس کی اتنی ضرورت نہ تھی مگر ینگ جنریشن کو ایموشنلی اپنی جانب راغب کرنا چاہتے تھے۔ ہر کامیاب سیاستدان کی طرح وہ چاہتے تھے کہ یوتھ انکی نہ صرف ہر بات کو سمجھے بلکہ انہیں اسپورٹ بھی کرے۔

اس یونیورسٹی کے برائیٹ اسٹوڈنٹس کے بارے میں پڑھتے ایک آرٹیکل انکی نظروں سے گزرا تھا۔ اس قدر دلچسپ الفاظ کا چناؤ کیا گیا تھا کہ وہ غیر ارادی طور پر وہ پورا آرٹیکل پڑھنے لگے۔

"واؤ زبردست۔ یہ آرٹیکل جس نے بھی لکھا ہے وہ ایک بہترین تجزیہ نگار ہے۔ "

اس آئی ڈی کو انہوں نے سرچ کیا تو وہاں درجنوں آرٹیکلز لکھے گۓ تھے۔ چار پانچ آرٹیکلز پڑھنے کے بعد وہ لکھنے والے کی ذہانت کے معترف ہوگۓ تھے۔

"یہ انسان جو بھی ہے لوگوں کو اپنے الفاظ کے ذریعے اپنے بس میں کرنا جانتا ہے۔ "

وہ واقعی اس انسان کے قائل ہوئے تھے۔

اگلے دن داؤداورکزئی یونیورسٹی آف صوابی کے ڈائس پر یونیورسٹی کے طلبہ سے مخاطب تھے۔

"جب آپ اپنے دم پر کسی کامیابی کو حاصل کرتے ہیں تو وہ آپکی شخصیت کو ایک الگ ہی روپ سے نوازتی ہے۔اور کامیابی کے لیے سب سے ضروری ہے کہ آپ اپنی سوچ،اپنادماغ،اپنی آنکھیں رکھیں۔جو لوگ دوسروں کی آنکھ سے دیکھتے اور دوسروں کے دماغ سے سوچتے ہیں وہ کبھی بھی لیڈر نہیں بن پاتے۔ "

اور جو لوگ پیدا ہی حکومت کرنے کے لیے ہوتے ہیں انکا کیا؟

ایک سوال پر انہوں نے مائیک ٹھیک کیا۔

"ہر انسان ہی آزاد پیدا ہوتا ہے۔یہ اس پر ہے کہ وہ خود کو حاکم بناتا ہے یا غلام۔ "

"یہ ہماری مرضی نہیں ہوتی ہے سر۔ یہاں اس ملک میں یہی رواج چلتا ہے کہ حاکم کا بیٹا حاکم اور غلام کا بیٹا غلام ہوتا ہے۔"

ایک اور اسٹوڈنٹ نے اونچی آواز میں کہا تھا۔

"اچھا تو پھر آپ مجھے ایک سوال کا جواب دیں کہ یہاں جو جس ڈیپارٹمنٹ کا اسٹوڈنٹ ہے کیا اس کے والدین اسی پروفیشن میں ہیں۔"

نہیں سر۔

ملی جلی آوازوں پر انہوں نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

"بالکل صحیح۔ اکثر مزدور کا بیٹا سی ایس ایس کلیئر کر جاتا ہے۔ کسی ڈرائیور کی بیٹی ڈاکٹر بن جاتی ہے۔ ایسا تبھی ہوتا ہے جب وہ خود کو غلام سمجھنا چھوڑ کر اپنے دماغ سے سوچتے ہیں۔"

"مگر سر یہاں اپنے حق کے لیے آواز اٹھاؤ تو بدلے میں بندہ ہی اٹھا لیا جاتا ہے۔"

کسی منچلے کی اونچی تکرار پر ہنسی کا طوفان اٹھا تھا۔ داؤد اور کرزئی نے بھی اپنی مسکراہٹ ضبط کی تھی۔ ظاہر ہے اسی سسٹم کا حصہ تھے وہ۔

"یہاں آپ ہی کے کسی اسٹوڈنٹ کا ایک آرٹیکل پڑھا تھا میں نے اور مجھے اس نے کافی متاثر کیا۔ جس میں اس نے لکھا تھا کہ ایک بار کسی ٹیچر نے اپنے اسٹوڈنٹس کو ایک ایک پیپر دیا اور کہا کہ وہ سب بالکل ویسے کریں جیسا وہ کہے۔ تو اس نے سب سے پہلے بچوں کو کہا کہ وہ پیپر کو ہاتھ میں پکڑیں اور اسے ایک بار فولڈ کریں۔ بچوں نے ایسا ہی کیا۔ ٹیچر نے کہا اب ایک بار پھر اور اسکے بعد پھر سے پیپر کو فولڈ کریں۔ بچوں نے چپ چاپ پیپر فولڈ کر لیا۔ پھر ٹیچر نے ان سے کہا کہ ایک بار اور فولڈ کریں اور اس کے بعد اس پیپر کے سنٹر سے ایک چھوٹا سا ہول کر دیں۔ بچوں نے بالکل ویسا ہی کیا۔ اب ٹیچر نے کہا کہ سب بچے پیپر کو کھول کر سامنے کر لیں۔ بچوں نے پیپر کھول کر ٹیچر کے سامنے کیا تو دیکھا کہ ہر بچے کے پیپر پر دوسرے بچے کے پیپر سے مختلف ہول تھے۔ کسی پر چھ، کسی پر بارہ، تو کسی پیپر پر تین ہول تھے۔ کسی پر ایک ہول بھی تھا۔ "

وہ ذرا سانس لینے کو رکے۔

"یہ کوئی جادو نہیں تھا۔ یہ ایک سبق تھا۔ ٹیچر نے بچوں کو کہا کہ دیکھا آپ نے ہر ایک کے پیپر پر الگ الگ سوراخ ہیں۔ کیونکہ آپ نے بنا پوچھے، بغیر

سوچ سمجھے بس وہ کیا جو میں نے کہا۔کسی نے کوئی سوال نہیں کیا۔تو جب آپ کسی کے حکم کو بغیر کسی سوال جواب کے بس ماننا شروع کر دیتے ہیں تو رزلٹ ہمیشہ مختلف ہی نکلتا ہے۔کسی پر وہ حکم کم اثر کرتا ہے تو کسی پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔

آپ یہی دیکھ لیں کہ جب پٹرول کی قیمت بڑھتی ہے تو آپ بجائے اس پر سوال کرنے کے بس پٹرول پمپ کی لمبی قطار میں لگ جاتے ہیں۔اس ذہنی غلامی سے کب نکلیں گے آپ۔اس ایک دن کے سستے پٹرول پر آپ کتنا عرصہ گزار لیں گے بھلا۔بجائے پٹرول کی لائن میں لگنے کے آپ آواز اٹھانے والوں میں شامل کیوں نہیں ہو جاتے ہیں۔"

"سر آپ تو ایسا کہہ رہے ہیں جیسے آپ اس سسٹم کا حصہ نہیں ہیں۔آپ بھی تو ان مفت خوروں میں سے ہی ہیں۔"

ایک طنزیہ آواز پر ہال میں کھلبلی سی مچ گئی تھی۔داؤد اور کرنزئی ایک لمحہ کو خاموش ہو گئے تھے۔

"جس نے یہ کہا ہے وہ سامنے آئے۔"

انکی گھمبیر آواز ہال میں گونجی تو ہال میں چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں۔

"وہ بچہ سامنے آئے جس نے یہ کہا۔ "

انکے انداز پر ایک لڑکا سامنے آیا۔انہوں نے اسے دیکھا اور پھر اسے اسٹیج پر بلایا۔وہ ذرا ڈرتا ڈرتا اسٹیج پر آیا۔

"اب دوبارہ سے کہو جو وہاں پر کہا۔"

انکے کہنے پر ہال میں سکتہ چھایا تھا۔ڈین اپنی جگہ سے اٹھ کر کچھ کہنا چاہتے تھے مگر داؤد اور کزئی نے ہاتھ اٹھا کر انہیں وہیں روک دیا۔

سوری سر میں وہ۔۔۔

دوبارہ کہو۔

سر پلیز سوری۔۔

کم آن بچے دوبارہ کہیں۔

"سر آپ بھی اسی سسٹم کا حصہ ہیں۔ریاست آپ کو ٹرانسپورٹ، سیکیورٹی، بجلی، پٹرول مفت فراہم کر رہی ہے۔ "

اس نے ڈرتے ڈرتے الفاظ کے ردوبدل کے ساتھ اپنی بات دہرائی۔

"جب آپ سچ بولنے کی ہمت رکھتے ہیں تو اتنا حوصلہ بھی رکھنا چاہیے کہ وہ سچ آپ منہ پر کہہ سکیں۔

اور آپ بے فکر رہیں میں کوئی وضاحت نہیں دے رہا ہوں نہ ہی یہ کہوں گا کہ آپ لازماً اس بات پر یقین کریں۔ مگر میں ریاست کی یہ افسر شاہی استعمال نہیں کرتا ہوں۔ میرے گارڈز کی سیلریز سے لے کر میری گاڑی کے پڑول تک کے خرچے میرے بزنس سے نکلتے ہیں۔ میں بھی پڑول پمپ پر پیسے دے کر ہی پڑول ڈلواتا ہوں گاڑی میں۔ ضروری نہیں کہ آپ گندے سسٹم کا حصہ ہیں تو آپ خود کو بھی گندا کر لیں۔ آپکو خود پر اتنا تو کنٹرول ہونا چاہیے کہ آپ خود کو گندا ہونے سے بچا سکیں۔

ملک میں انقلاب تبھی آئے گا جب آپ میں سچ بولنے اور اسکے لیے لڑنے کی ہمت ہو گی۔ "

اس لڑکے کا کندھا تھپتھپاتے وہ خود بھی اسٹیج سے اتر گئے تھے۔

ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ان تالیوں میں جوش تھا اور داؤد اورکزئی کے لیے احترام تھا۔عیان کے لبوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔ ظاہر ہے اسکے لکھے گئے آرٹیکل کا ہی تو حوالہ دیا تھا سی ایم سر نے۔ان کے جانے کے بعد سب نے عیان کو داد دی تھی جس کے لکھے الفاظ واقعی اثر رکھتے تھے۔ عیان بھی

مسرور سی گھر آئی تھی۔وہ داؤد اور کرزئی کے بارے میں آج پھر سے سرچ کر رہی تھی۔

داؤد اور کرزئی سیلف میڈ انسان تھے۔سیاست میں بھی انہوں نے اپنے قدم خود جمائے تھے۔اور بزنس کو بھی انہوں نے خود اس مقام پر پہنچایا تھا کہ آج وہ نمبر ون بزنس ٹائیکونز میں سے تھے۔

"وہ بالکل افسانوی ہیرو جیسے ہیں۔ "

اسکے دل نے اعتراف کیا تھا۔چہرے پر الوہی سی چمک تھی۔انسٹا کھولے وہ انکی تصویریں دیکھ رہی تھی۔

"سر یہ تو سراسر عوام کو بھڑکانے کی کوشش کی گئی ہے۔آپ اپنی جیب سے اپنے خرچے اٹھاتے ہوں گے کیونکہ آپکی کونسی فیملی ہے جسے آپ نے سنبھالنا ہے۔مگر ہماری روزی روٹی پر کیوں آپ لات مارنا چاہتے ہیں۔بھلا آپ کو یہ بتانے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ آپ اپنے اخراجات خود اٹھاتے ہیں۔کل کو عوام نے یہ مطالبہ رکھ دیا کہ دیگر سیاستدان بھی اس افسر شاہی کو چھوڑ دیں تو ہمارا کیا ہوگا۔"

پارٹی میٹنگ تھی، جس میں داؤداور کرزئی کے ہی پارٹی ممبر اس سے سخت ناراض تھے۔

"تو چھوڑ دیں نہ اس افسر شاہی کو۔ کب تک اس محتاجی کی زندگی کو گزارتے رہیں گے۔ اپنے دم پر بھی کچھ کرنا سیکھیں۔ جب ایک دیہاڑی دار مزدور اپنے اخراجات خود اٹھا سکتا ہے تو آپ تو پھر بھی اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ ہیں۔"

انکا مضبوط لہجہ کسی قسم کے تاثر سے پاک تھا۔ انکے اسسٹنٹ نیاز نے انکے اس طرح کہنے پر اپنی مسکراہٹ دبائی تھی۔

سر یہ آپ غلط کر رہے ہیں۔

ایم این اے فاروق خان کے لہجے میں بغاوت تھی۔

"پہلے ہی اس پدی سے لڑکے کی وجہ سے پارٹی کو اتنی ذلت اٹھانی پڑی۔ بجائے اس کے کہ اس لڑکے سے معافی منگواتے آپ نے خود اسے پاس بٹھا کر معافی مانگی۔ جب پی ایم صاحب نے اسے غائب کروانے کا کہا تھا تو اسے آپ نے غائب کیوں نہیں کیا۔"

شیر علی خان کے کہنے پر داؤداور کرزئی نے انکی جانب دیکھا۔

"یہ بات تو میرے اور پی ایم صاحب کے درمیان ہوئی تھی پھر آپ تک یہ خبر کیسے پہنچی؟ "

داؤد اور کرزئی کے سخت انداز پر وہ بغلیں جھانکنے لگے۔

"آن کیمرہ حکومت کو گالیاں دیتے اور آف کیمرہ ان سے دوستیاں رکھتے شرم آنی چاہیے آپ کو۔ "

"سی ایم صاحب اسے ہی سیاست کہتے ہیں۔آپ جانے کونسی سیاست کرنا چاہتے ہیں۔ "

ہماری پارٹی کے کتنے سپورٹرز ہیں۔

وہ اپنے اسسٹنٹ سے مخاطب تھے۔

پانچ کروڑ سے زیادہ ہیں۔

انکے سیکرٹری کے بتانے پر وہ انکی جانب متوجہ ہوئے۔

"مجھے ان پانچ کروڑ لوگوں کا نہیں بلکہ بائیس کروڑ لوگوں کا مستقبل سنوارنا ہے۔انکی سوچ کو بدلنا چاہتا ہوں میں۔اور اس کے لیے میں اس دہرے معیار کا قائل نہیں ہوں۔ "

"ایسے سیاست نہیں ہوتی ہے خان صاحب۔آپ تو اپنی پارٹی کے لوگوں کو ہی خود کے خلاف کر رہے ہیں۔آپ اکیلے صرف سپورٹرز کی بنا پر اس محاذ پر کھڑے نہیں ہو سکتے ہیں۔اس کے لیے آپ کو ٹیم کی بھی ضرورت ہے۔ اپنی پارٹی کو اپنے خلاف کر دیں گے تو اکیلے کونسا انقلاب برپا کر لیں گے آپ۔ "

تمسخر سے کہے گ ئے الفاظ پر انکے ماتھے کی رگیں ابھرنے لگی تھیں۔یہ ایسا ہی گندا سسٹم تھا۔ہر ایک کے ہاتھ کیچڑ میں لتھڑے تھے جو وہ کبھی مخالفوں پر اچھالتے اور کبھی اپنوں پر ہی اچھالنے لگتے۔

"میں اب بھی اپنی بات پر قائم ہوں مجھے منافقوں کی ضرورت نہیں ہے۔ "

"تو ٹھیک ہے پھر ایک دستخط کی ہی تو بات ہے نہ۔ نکال باہر کر دیں پھر سبھی منافقین کو۔ "

انکے طنزیہ انداز پر وہ غصے سے مٹھیاں بھینچ گ ئے تھے۔اپنے سیکرٹری کو انہوں نے فائل لانے کا کہا تھا۔ہال میں بیٹھے لوگوں کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ فائل انکے سامنے لا کر رکھی گئی۔ غصہ اس قدر شدید تھا کہ انکی حالت بگڑنے لگی تھی۔قریب تھا کہ وہ دستخط کر کے ان سب کو یہاں سے چلتا کرتے سر

میں اٹھنے والے شدید درد نے انہیں بالکل جیسے مفلوج کر دیا تھا۔ سامنے پڑی فائل دھندلانے لگی تھی۔ پین انکے ہاتھ سے چھوٹ کر فائل پر گرا تھا۔ اگلے ہی پل وہ وہاں سے اٹھتے دروازہ پار گئے تھے۔ جہاں سب کی جان میں جان آئی تھی وہیں ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ بھی تھی۔ باتیں کرنا آسان تھا مگر چیف منسٹر بھی جانتے تھے کہ سب کو نکال دینے کے بعد وہ بھی خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔ ہال میں چہ مگوئیاں شروع ہو چکی تھی۔

داؤد اور کزئی باہر آئے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی گارڈز الرٹ ہوئے تھے۔ دروازہ کھلنے پر وہ گاڑی میں جا بیٹھے۔ سر کا درد بڑھتا جا رہا تھا۔

سر۔۔۔

انکے سیکرٹری کے شیشہ ناک کرنے پر انہوں نے شیشہ نیچے کیا۔

"گاڑی پیچھے ہے۔"

ہمم ؟؟

نا سمجھی سے انہوں نے نیاز کی جانب دیکھا۔

"سر آپکی گاڑی پیچھے کھڑی ہے۔"

نیاز نے مؤدب انداز میں کہہ کر دروازہ کھولا۔گہری سانس بھرتے وہ نکل کر پچھلی گاڑی میں سوار ہوئے۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی نیاز نے داؤد اور کرنزئی کے فیملی ڈاکٹر کو کال کردی تھی۔جو انکے گھر پہنچنے سے پہلے ہی وہاں آموجود ہوئے تھے۔

"یہ اپنی میڈیسنز وقت پر نہیں لے رہے ہیں۔اور اس قدر مصروفیت بھی انکے لیے صحیح نہیں ہے۔"

ڈاکٹر کے کہنے پر نیاز نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آج ذرا وہ غصے میں آگئے تھے تبھی پینک اٹیک آیا ہے۔"

"اتنے ٹھنڈے مزاج کا حامل انسان اس قدر غصے میں کیسے آسکتا ہے کہ اسکی طبیعت بگڑ جائے۔

دیکھیں آپ انکی بہن سے بات کریں۔سی ایم صاحب کا تنہا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔انہیں کسی ساتھی کی اشد ضرورت ہے۔اگر انکی یہ حقیقت مخالفین تک پہنچ گئی تو وہ انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔نہ صرف مخالفین بلکہ انکی اپنی پارٹی کے لوگ بھی اس بات کا ناجائز فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

آخری بار بھی شدید غصے کی وجہ سے انہیں اسپتال جانا پڑا اور پھر کس قدر مسئلہ ہو گیا تھا۔ "

ڈاکٹر کے پر خلوص انداز پر نیاز سر ہلا گیا۔ وہ خود بھی جانتا تھا کہ داؤد اور کزنز کی یہ کمزوری ظاہر ہونا کس قدر پُر خطر بات تھی۔ اور پھر جس طرح وہ دوائیوں کے معاملے میں غفلت برت رہے تھے یہ بہت ضروری تھا کہ وہ اپنی تنہائی کا ساتھی ڈھونڈ لیتے۔ کہ اب یہ خبر چھپائے رکھنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

"سر آپ نتاشا میڈم کو بتانے سے منع کیوں کر رہے ہیں؟"

وہ نتاشا کو سی آف جا رہے تھے کہ نیاز کے پوچھنے پر باہر دیکھنے لگے۔

"نتاشا کی اپنی زندگی ہے۔ اسکی فیملی، اسکا بچہ ہے میں اپنی وجہ سے اسے پریشان نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ اسے شوہر کے ساتھ رہنا چاہیے اپنی وجہ سے یہاں روکنا ٹھیک نہیں ہے۔"

نتاشا ان کے آنے کے انتظار میں ہی رکی ہوئی تھی۔ ان سے ملکر وہ پشاور کے لیے نکل گئی تھی۔ وہاں سے اسے اسلام آباد اور پھر جرمنی کے لیے فلائی کرنا

تھا۔داؤدا سے الوداع کرتے دکھی ہو گ ئے تھے۔مگراس پر ظاہر کیے بغیر وہ وہاں سے لوٹ آئے تھے۔

ہلکی پھلکی کن من جاری تھی۔جس سے صوابی کا موسم کافی ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

عیان یونیورسٹی سے واپس آتے ایک بُھٹے والے کے پاس رک گئی تھی۔جبکہ خان صفدر آج اسکے ساتھ واپس نہ آئے تھے۔

لالہ مصالحہ ذرا زیادہ لگاؤ۔

"ہاں ہاں باجی زیادہ ہی لگا رہا ہے۔تم اب کہتا ہو کہ سارا ڈبہ ہی تمہارے بھٹے پر الٹ دوں۔"

چوتھی بار مصالحہ لگوانے پر وہ خان جھنجھلایا لگ رہا تھا۔

"اچھا نہ بس تھوڑا سا اور لگا دو اور لیموں نچوڑو نہ یہ کیا بس مصالحہ رگڑ رہے ہو۔"

اسکے کہنے پر بھٹے والے نے اسے گھورا تو عیان نے فوراً ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔

سیاہ پشتون گھٹنوں تک آتی کڑھائی دار فراک اور گھیرے والی شلوار پہنے اس نے اوشن بلیو دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ایک ہاتھ میں فائل تھامے دوسرے سے بھٹہ لے کر وہ مڑی تھی۔سامنے ہی پانچ چھ سیاہ شیشوں والی گاڑیاں گزری تو ان میں سی ایم صاحب کی گاڑی دیکھ اس نے دلچسپی سے انہیں گزرتا دیکھا۔یکا یک گاڑیاں رکی تھیں اور ایک گاڑی سے گارڈ نکل کر اسکی جانب بڑھا تھا۔

داؤد اور کرزئی کسی کام کے سلسلے میں گ ئے تھے اور اب واپس سی ایم آفس جا رہے تھے۔ہلکی پھلکی بارش سے باہر کے مناظر کافی بھلے لگنے لگے تھے۔باہر دیکھتے اچانک ہی انکی نظر عیان پر پڑی تھی۔جو سر پر دوپٹہ ٹھیک کرتی گزرتی گاڑیوں کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ تبھی انہوں نے گاڑی رکوا کر اسے بلانے کا کہا تھا۔

گارڈ اتر کر عیان کے پاس گیا تھا اور کچھ ہی دیر میں وہ اسکے ہمراہ انکی گاڑی تک آئی تھی۔

السلام علیکم سر۔

وعلیکم السلام بیٹھیے مس عیان۔

انکے اس طرح کہنے پر عیان ہچکچائی تھی۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے اور یہاں زیادہ دیر تک رکنا مناسب نہیں ہے۔"

داؤد اور کرزئی کے کہنے پر عیان نے ایک نظر یہاں وہاں دیکھا تھا۔لوگ کھڑے ہو کر سرکاری گاڑیوں کے پاس کھڑی عیان کو دیکھ رہے تھے۔وہ فوراً گاڑی میں داؤد اور کرزئی کے ساتھ بیٹھی تھی۔

"میں نے آپکے آرٹیکلز پڑھے ہیں۔اور میں آپکے لکھے گۓ آرٹیکلز سے کافی متاثر ہوا ہوں۔دراصل مجھے کچھ ایسے ہی پُر اثر آرٹیکلز کی ضرورت ہے جو یوتھ کو متوجہ کر سکیں مگر وقت کی قلت کی وجہ سے اتناسب میں لکھ نہیں پاتا ہوں۔کیا آپ میرے لیے یہ کام کرنا چاہیں گی۔میں آپکو بتادیا کروں گا کہ مجھے کس موضوع پر آرٹیکل چاہیے اور آپ وہ لکھ دیا کریں۔"

وہ دوٹوک بات کرنے کے عادی تھے اس وقت بھی بلا تمہید انہوں نے اپنی بات کہی تھی۔

"مطلب آپ چاہتے ہیں کہ الفاظ میرے ہوں اور نام آپ کا ہو۔"

" بالکل میں ایسا ہی چاہتا ہوں۔ دراصل آپکی سوچ میری سوچ سے کافی حد تک ملتی ہے تو مجھے لگتا ہے آپ ویسا لکھ سکیں گی جیسا میں چاہتا ہوں۔ "

"آپ ایک انسان سے یہ امید کر رہے ہیں کہ وہ آپکے لیے کام کرے مگر وہ اسکا کریڈٹ نہیں لے سکتا۔"

"میں اسکے لیے آپکو پے کروں گا۔ اور یہ تو آپ جانتی ہی ہیں کہ ہر مقرر بذات خود لکھاری نہیں ہوتا ہے۔ اس کی تقاریر کا لکھاری کوئی اور ہوتا ہے۔ مگر بولنے والا یہ نہیں کہتا کہ یہ الفاظ فلاں نے لکھے ہیں۔ میں بھی آپ سے یہی فیور چاہ رہا ہوں کہ الفاظ آپ کے ہوں اور آواز میری۔ "

"کسی دوسرے کے لکھے الفاظ میں آپ وہ تاثیر پیدا نہیں کر سکتے جو الفاظ آپ کے اپنے ہوتے ہیں۔ "

وہ اب بھی راضی نظر نہ آتی تھی۔ نیاز نے ریرویو مرر سے ایک نظر عیان کو دیکھا تھا۔ اتنی اچھی آفر سب کو نہیں ملتی اور وہ تھی کہ کفرانِ نعمت کر رہی تھی۔

داؤد اور کرزئی نے گاڑی رکوانے کا کہا تھا۔ عیان نیچے اتری تھی۔

"آپ اچھی طرح سوچ لیں پھر مجھے بتا دینا۔ یہ میرا کارڈ ہے۔"

نیاز نے داؤداور کرزئی کے کہنے پر ان کا وزیٹنگ کارڈ اسکی جانب بڑھایا۔

گاڑیاں آگے بڑھ گئی تھیں۔عیان کارڈ ہاتھ میں تھامے گاڑیوں کو جاتا دیکھ رہی تھی۔

"داؤداور کرزئی۔چیف منسٹر آف خیبر پختونخواہ۔"

نیچے انکا پرسنل نمبر اور ای میل ایڈریس لکھا تھا۔ساتھ ہی انکے آفس کا ایڈریس بھی موجود تھا۔

"تم بہت ہی بڑی بیوقوف لڑکی ہو عیان۔ایسے مواقع روز روز نہیں ملتے ہیں۔اتنی اچھی جاب ملی ہے اسٹڈیز کے دوران ہی اور تم ہو کہ ناشکری کر رہی ہو۔اپنے نام سے تم جتنا مرضی اچھا آرٹیکل اور کالمز لکھ لو تم کبھی بھی اس مقام تک نہیں پہنچ سکو گی جس مقام پر تم داؤداور کرزئی کے ساتھ کام کر کے پہنچ جاؤ گی۔وہ ایک اچھے انسان ہیں۔تم ان کے ساتھ رہ کر بہت کچھ سیکھ بھی جاؤ گی۔لوگ اتنی اتنی ڈگریز لے کر اور جوتیاں چٹخا چٹخا کر بھی ایسی جاب حاصل نہیں کر پاتے ہیں۔"

مگر بھائی میرا نام میری پہچان تو ختم ہو جائے گی نہ۔

"ٹھیک ہے انکو انکار کردو اور اپنی پہچان بناؤ۔"

خان دلاور اٹھ گئے تھے۔اتنا نادر موقع ملا تھا عیان کو مگر اسے اپنی شناخت کی پڑی تھی۔دو دن سے وہ کارڈ عیان کے فون کوور میں پڑا تھا مگر وہ کسی نہج پر پہنچ ہی نہ سکی تھی۔باہر تیز بارش نے ہر منظر کو دھندلا دیا تھا۔وہ اپنے کمرے میں بیٹھی کام کرنے میں مصروف تھی کہ زخرف خاتون پریشان سی کمرے میں آئیں۔

کیا ہوا مورے؟

"عیان تمہارے ابا اور بھائی گھر نہیں آئے ہیں ابھی تک۔مجھے پریشانی ہو رہی ہے۔ان سے کال کر کے پوچھو تو سہی کہاں رہ گئے ہیں۔"

کہاں گئے ہوئے ہیں۔اور کب گئے تھے۔

وہ تو صبح کے ہی واپس نہیں آئے۔

"کیا مطلب صبح سے نہیں آئے۔اور مجھے بتایا کیوں نہیں۔"

رات کے دس بج رہے تھے اور اسکی مورے کہہ رہی تھیں کہ وہ دونوں صبح سے ہی واپس نہیں آئے۔وہ تو اپنی اسائنمنٹس کی وجہ سے یونیورسٹی سے

واپس آکر کمرے سے باہر ہی نہ نکلی تھی۔ کھانا بھی اس نے اب تک نہ کھایا تھا۔

بار بار فون ملاتی وہ اضطراب میں گھِر رہی تھی کہ خان صفدر نے فون اٹھایا۔

"ابا آپ اور بھائی کدھر ہیں ؟اب تک گھر کیوں نہیں آئے ہیں۔ مورے پریشان ہو رہی ہیں۔ "

بیٹا مورے کیا آس پاس ہیں۔

جی۔

انکے لہجے پر وہ مزید پریشان ہوئی تھی۔دل کسی انہونی کے خیال سے دھڑکا تھا۔

"بیٹا دلاور پولیس کی حراست میں ہے۔ماں کو مت بتانا۔وہ پریشان ہو جائے گی۔ "

ان کی بات پر وہ پریشانی سے لب کاٹنے لگی۔ فون بند کر کے ماں کی طرف پلٹی۔

"مورے وہ ابا اور بھائی کسی ضروری کام سے گ ئے تھے اور بارش کی وجہ سے وہیں پھنس گ ئے ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ بارش رکے گی تو ہی نکل سکیں گے۔ "

کدھر چلے گ ئے ہیں جو نہیں آ سکتے۔

پتا نہیں گاؤں کی طرف نکلے تھے۔

"بتاتے بھی نہیں ہیں اور نکل پڑتے ہیں۔ تم آ کر کھانا کھالو۔"

ابھی میں کام کر رہی ہوں آپ کھانا کھالیں۔

"اچھا کھانا کھا کر سونا اور اپنے ابا سے پوچھ لینا واپس نہ آ رہے ہوئے تو گھر لاک کر دینا۔ "

جی اچھا۔

مورے باہر چلی گئی تھیں۔ عیان پریشانی سے سر تھام کر بیٹھی تھی۔ اسکا بھائی جیل میں تھا یہ کوئی چھوٹی بات نہ تھی۔ وہ ذرا سا باہر جھانک کر مورے کے سونے کا انتظار کرنے لگی۔ قریباً آدھے گھنٹے بعد مورے کے کمرے کی لائیٹ آف ہوئی تو اس نے اپنی الماری کھولی۔ ابا کے دلائے جینز شرٹ اور

وِگ لیے وہ باتھ روم میں گھس گئی۔ کچھ ہی دیر میں وہ دبے پاؤں کھڑکی سے کودتی سائیکل لے کر تھانے کی جانب نکل پڑی تھی۔

سیاہ گھنگھور گھٹائیں شہر کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھیں۔ پولیس اسٹیشن کی دیواروں سے ٹپکتی وحشت وہاں سنگی بنچ پر بیٹھے خان صفدر کے بوڑھے وجود میں بھی سرایت کر رہی تھی۔ تبھی بھیگتی ہوئی عیان موسم کی شدت سے بے نیاز دوڑتی ہوئی وہاں داخل ہوئی تھی۔ چہرے سے ٹپکتا پانی اور گہرے سانس لیتی بظاہر وہ دبلا پتلا سالڑکا پولیس اسٹیشن کے فرش کو بھگو رہا تھا۔

ابا۔

اسکی پکار پر جہاں خان صفدر نے جھکا سر اٹھایا تھا وہیں ڈیوٹی پر موجود انسپکٹر جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

اوئے چل باہر نکل۔ تیرے باپ کا پولیس اسٹیشن ہے جو گیلا کر رہا ہے فرش کو۔

انتہائی ہی بدتمیزی سے کہتے اس نے کانسٹیبل کو اشارہ کیا جو اسے باہر دھکیلنے لگا

تھا۔

ابا۔۔۔۔مجھے ان سے بات کرنی ہے۔

اونچی آواز میں وہ چلائی تھی جس پر کانسٹیبل نے اسے باہر دھکیل دیا تھا۔

جو بات کرنی ہے یہاں باہر کھڑے ہو کر کرو۔

او بزرگو ادھر باہر آکر گپیں لڑاؤ۔

کانسٹیبل کے جاہلانہ انداز پر وہ چپ چاپ اٹھتے باہر آئے تھے۔جبکہ عیان نے

غصے سے مٹھیاں بھینچی تھیں۔دل چاہ رہا تھا کہ اس کانسٹیبل کا منہ توڑ دے۔

ابا یہ سب کیسے ہوا اور بھائی ہی کدھر ہے؟

پتا نہیں بیٹا یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس نے چوری کی ہے۔مگر اسکے پاس سے

تو کچھ بھی نہیں نکلا۔

بھیگے لہجے میں کہتے وہ بالکل نیم مردہ ہو چکے تھے۔سفید پوش شخص کا کڑیل

جوان بیٹا پولیس کی حراست میں تھا انکے لیے یہ کوئی ہی چھوٹی بات نہ تھی۔

اچھا آپ پریشان نہ ہوں کچھ نہ کچھ حل نکل آئے گا۔میں دیکھوں ذرا بھائی ہی

سے ملنے کا کوئی ہی حل نکل آئے۔

وہ انہیں تسلی دیتے دوبارہ اندر کی جانب بڑھی ہی تھی کہ کانسٹیبل نے اسکا راستہ روکا۔

صاحب نے کہا نہ پولیس اسٹیشن گندا نہ کرو۔ سمجھ نہیں آتی کیا ایک بار کی کہی بات۔ یا تمہارا ارادہ ہے کہ تمہیں بھی اندر کر دوں۔

اسکے غصے بھرے انداز پر وہ مایوسی سے پلٹی تھی۔

اب کیا کریں؟

میں وکیل کو کال کروں کیا پتا اس وقت اٹینڈ کر ہی لے۔

اس نے اپنا فون نکالتے وقت دیکھا جہاں رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ وکیل کا نمبر ڈھونڈتے اسکی انگلیاں ایک نمبر پر آن رکی تھیں۔ کچھ سوچتے اس نے وہ نمبر ڈائل کیا تھا۔

بیل جا رہی تھی ساتھ ہی اسکے دل کی دھڑکنیں بھی بڑھ رہی تھیں۔

ہیلو ہیلو۔۔۔ پلیز میری ہیلپ کریں میرا بھائی لاک اپ میں ہے اور۔۔۔

ٹوں ٹوں کی آواز کے ساتھ ہی رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ جانے دوسری جانب کچھ سنا بھی گیا تھا یا نہیں۔ اسکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے تھے۔ دوبارہ نمبر ملانے پر سگنل ایشو کی وجہ سے کال آؤٹ نہ ہو رہی تھی۔ بے بسی کے

احساس نے اسکے کندھے جھکا دیے تھے۔خان صفدر جو پرامید نظروں سے اسکی جانب تک رہے تھے اسے مایوس ہوتا دیکھ کندھا تھپتھپانے لگے۔

وہ دونوں باہر ہی بیٹھے اپنی قسمت پر ماتم کناں تھے۔کتنی ہی بار وہ نمبر ڈائل کر چکی تھی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا تھا کہ سگنل اک ذرا سے بھی نہ تھے۔

صاحب۔۔

ہاں کہو؟

کانسٹیبل رازداری سے انسپکٹر کی جانب جھکا تھا۔

باہر بیٹھا لڑکا کچھ مشکوک سا ہے۔

کیا مطلب؟

شاید وہ لڑکا نہیں ہے۔

تو کیا خواجہ سرا ہے۔

انسپکٹر نے کوفت سے اسے دیکھا۔

وہ تو پتا نہیں مگر اتنا یقین ہے کہ وہ لڑکا نہیں ہے۔

اسکی بات پر انسپکٹر کے ہونٹوں پر کمینی سی ہنسی چھائی ی تھی۔

لے کر آؤ اسکو۔اسکے بھائی ی کی رہائی ی کی قیمت وصول کریں اس سے۔

انگڑائی لے کر اٹھتا وہ خباثت سے حکم جاری کر کے اندر کی جانب بڑھ گیا۔

اوئے لڑکے چل تجھے صاحب نے اندر بلایا ہے۔

کانسٹیبل نے حریص نظروں سے اسے دیکھتے کہا تھا۔ جس پر وہ دونوں باپ بیٹی اپنی جگہ سے اٹھے تھے۔

دونوں نہیں بزرگو صرف اسے بلایا ہے۔

کانسٹیبل نے اسکے کندھے پر ہاتھ جمایا جس پر وہ دونوں بل کھا کر رہ گئے۔

عیان نے اس کانسٹیبل کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹایا تھا۔

آپ رکیں بابا میں بات سن کر آتا ہوں۔

کانسٹیبل سے دو قدم آگے چلتی وہ اندر داخل ہوئی۔ ابھی دو چار قدم ہی بڑھائے تھے کہ بہت سی گاڑیوں کے وہاں رکنے کی آواز آئی تھی۔ بے یقینی سے اندر جاتے اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ گارڈز کی فوج نے تھانے کے سامنے گھیرا سا کر لیا تھا۔ ایک گارڈ تیزی سے چھتری لیے رینج روور کے دروازے کے سامنے کھڑا ہوا۔ اسکے دروازہ کھولتے ہی کروفر سے اترتے شخص کو دیکھ کر کانسیٹل کی آنکھیں تحیر سے پھیلی تھیں۔ وہ سرپٹ بھاگتا اندر

کمرے کی جانب بڑھا۔ جہاں وہ انسپکٹر شرٹ اتارنے کے بعد بیلٹ کھولنے میں مصروف تھا۔

صاحب صاحب باہر چیف صاحب آئے ہیں۔

کون چیف صاحب؟

غصے سے اس نے بیلٹ واپس بند کیا۔

سر وہ وہ۔۔۔۔

کیا وہ وہ لگا رکھی ہے ایسا کونسا طوفان آگیا ہے۔

مڑ کر شرٹ اٹھائی ی۔ سارا مزہ کر کرا کر دیا تھا۔

صاحب وہ چیف منسٹر صاحب آئے ہیں۔

کانسٹیبل کے کہنے پر شرٹ اس کے ہاتھوں سے گری تھی۔

چیف صاحب ادھر؟اس وقت؟

کانسٹیبل نے فوراً شرٹ اسے پکڑائی ی تھی جسے منٹ سے بھی پہلے پہنتا وہ باہر بھاگا تھا۔ جہاں روایتی پختون شال اوڑھے کھڑا داؤد اور کزئی تھانے کی عمارت کو زمین بوس کرنے کے لیے کافی تھا۔

عیان جتنا حیران ہوتی اتنا کم تھا۔اسکی ایک فون کال پر داؤداور کرزئی موسم کی پرواہ کیے بغیر تھانے آپہنچا تھا۔تشکر کے احساس سے اسکا وجود کپکپانے لگا تھا۔

"سر وہ میرے بھائی،انہوں نے کچھ نہیں کیا ہے۔"

بے تحاشہ روتے وہ اسکے سامنے آئی تھی۔نیاز نے ایک نظر اسے دیکھا تھا۔

آخر کیا تھا اس لڑکے میں کہ جس کے لیے داؤداور کرزئی نے نہ صرف پی ایم کی بات کو نظرانداز کر دیا تھا بلکہ اس برستی طوفانی بارش میں تھانے آپہنچا تھا۔

حالانکہ اسکی ایک فون کال بھی کافی تھی۔مگر وہ موسم کی پرواہ کیے بغیر خود یہاں آموجود ہوا تھا۔اس دھان پان سے لڑکے کو سی ایم سے بات کرتا دیکھ تھانے کا عملہ بوکھلا گیا تھا۔

"سر سر آپ ادھر،آپ ایک کال کر دیتے یہ ناچیز سر کے بل آپ کے پاس آ جاتا۔"

اس انسپکٹر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ داؤداور کرزئی کے قدموں میں لیٹ جاتا۔عیان نے تنفر سے اس کرپٹ انسان کو دیکھا تھا۔

"اس لڑکے کا بھائی کدھر ہے؟"

اسکی خوشامد سے بے نیاز انہوں نے سرد انداز میں سوال کیا۔

"سر میں ابھی لے کر آتا ہوں۔ "

اپنے کرسی کھینچ کر انکے پاس لاتے، کانسٹیبل سے چابیاں لیتا وہ خود اندر کی جانب بنے بیرک کی طرف بھاگا تھا۔ کچھ ہی دیر میں دلاور خان انسپکٹر کے ساتھ وہاں آیا تھا۔ عیان بھائی کو دیکھتی بے ساختہ رو دی تھی۔ اسکا گال سوجھا ہوا تھا۔

"کس کیس میں اندر کیا گیا ہے؟ "

"سر وہ چچ چوری کے اا الزام میں۔ "

انسپکٹر کے ماتھے پر پسینہ آیا تھا۔ کرسی پر بیٹھا یہ شخص اسکی نسلیں ملیامیٹ کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ جس شخص کو اس نے بغیر کسی فارمیلٹی کے گرفتار کیا تھا اسکی پہنچ اتنی اونچی ہو گی۔

"ہمم ایف آئی آر کہاں ہے؟"

کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے انہوں نے استفسار کیا۔

"سس سر وہ وہ تو نہیں ہے۔"

انسپکٹر کے سر جھکا کر کہنے پر عیان نے بے یقینی سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

"تو کیا آپ نے ملزم کو چوری کرتے ہوئے پکڑا ہے؟"

"نن نہیں سر وہ تو جی فون پر شکایت درج کروائی گئی تھی۔"

اس انسپکٹر کا اس وقت دل چاہ رہا تھا کہ وہ خود کو اس جہاں سے کہیں غائب کر دے۔کچھ وقت پہلے فرعون بنا یہ شخص خود سے زیادہ طاقتور کے سامنے چیونٹی بن گیا تھا۔

"کیا بات ہے۔ہمارا ملک اتنا ایڈوانس ہو گیا ہے۔اور پولیس اتنی فرض شناس کہ ایک فون کال پر ہی چور کو پکڑ کر لے آئی ہے۔ "

استہزائیہ انداز میں کہتے انہوں نے انسپکٹر کی جانب دیکھا۔جو شرمندگی سے سر جھکا گیا تھا۔وہی کیا پورا عملہ اس وقت سہا ہوا لگ رہا تھا۔ساری اکڑ فوں نکل چکی تھی۔

"خیر کیا چوری کیا اس نے؟"

"وہ ایک فون اور کچھ پیسے۔"

بے اختیار ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا۔

"کتنے پیسے؟"

وہ مختصر سوال کر رہے تھے۔مگر یہ بھی کسی چابک سے کم نہ لگ رہے تھے۔

"جی وہ نہیں بتایا گیا۔"

نیاز نے بے اختیار ہی اس شخص پر فاتحہ پڑھی۔ بھلے ہی سی ایم صاحب اس لڑکے کی وجہ سے یہاں آئے تھے۔ مگر اب پولیس کے اس رویے پر وہ انہیں بخشنے والے نہ تھے۔

"اور اسکے پاس سے کیا نکلا؟"

انکے سرد لہجے پر انسپکٹر کی ریڑھ کی ہڈی سنسنا اٹھی تھی۔

"کچھ بھی نہیں۔"

جھکا سر نفی میں ہلایا۔

"شاید گھر میں چھپا دیا ہو۔"

وہ شاید اسے موقع دے رہے تھے کہ کہیں تو اس شخص نے اپنے بچنے کی کوئی راہ چھوڑی ہو مگر۔۔۔

"نہیں وہ ہم نے جائے وقوع سے ہی گرفتار کر لیا تھا۔"

"پھر سامان کدھر ہے؟"

انسپکٹر نے ماتھے سے پسینہ صاف کیا۔ داؤد اور کرزئی کا انداز اور چہرہ بالکل اسپاٹ تھا۔

"اس کے گال پر کیا ہوا ہے؟ کیا ملزم نے اس شخص کے ساتھ ہاتھا پائی کی تھی۔"

خان دلاور کا چہرہ دیکھتے انہوں نے سخت لہجے میں استفسار کیا۔

"نہیں سر جی وہ دراصل ہم نے سچ اگلوانے کے لیے۔ "

انسپکٹر کی بات سن کر داؤد اور کرزئی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"ایف آئی آر نہیں ہے، چوری کا ثبوت نہیں ہے، کوئی گواہ بھی نہیں ہے، اور چوری کا مال بھی اس کے پاس نہیں۔ آخر کس بنا پر اس پر تشدد کیا گیا ہے اور تھانے لایا گیا ہے ذرا بتانا پسند فرمائیں گے آپ۔ ایسا کونسا قانون ہے جسے آپ نے فالو کیا ہے اور میں اس سے انجان ہوں۔"

"سر معاف کر دیں غلطی ہو گئی۔ "

"غلطی؟ ایک ٹیچر کو آپ بغیر کسی وجہ کے گرفتار کر کے لے آئے ہیں نہ صرف اتنا بلکہ ان پر تشدد بھی کرتے ہیں اور کس ڈھٹائی سے کہہ رہے ہیں کہ غلطی ہو گئی۔"

وہ جیسے حیران ہوئے تھے۔

"ہم ابھی چھوڑ دیتے ہیں سر۔ "

انسپکٹر نے فوراََ دلاور کے ہاتھوں سے ہتھکڑی نکالی تھی۔

"اس تھانے میں موجود سبھی لوگوں کو اسسپنڈ کردو۔ "

نیاز سے کہہ کر وہ باہر کی جانب بڑھ گ ئے۔عیان تیزی سے انکے پیچھے آئ۔

"تھینک یو سو مچ سر۔آپ اس وقت مسیحا بن کر آئے ہیں۔ہم ساری زندگی

آپ کا یہ احسان نہیں اتار پائیں گے۔ "

داؤد اور کرزئی چھتری تلے کھڑے تھے جبکہ وہ بارش میں بھیگ رہی تھی۔

"اٹس اوکے اب گھر جاؤ۔"

نرمی سے کہتے وہ گاڑی میں بیٹھ گ ئے۔عیان ان کے وہاں سے جانے تک

انہیں ہی دیکھتی رہی تھی۔

"بھائی پولیس آپ کو کیوں لے کر آئی تھی؟"

"وہ لڑکا جس نے ابا کے ساتھ بدتمیزی کی تھی۔آج وہ گھر آتے ہوئے ٹکرا گیا

تھا۔میں اور ابا ساتھ میں ہی تھے۔وہ ابا سے بدتمیزی کرنے لگ گیا مجھ سے

برداشت نہیں ہوا تو میں نے اسے تھپڑ مار دیا۔بدلے میں اس نے پولیس کو

کال کر کے بلا لیا۔اور مجھ پر چوری کا الزام لگا دیا۔ "

"کیا مورے جانتی ہیں اس بارے میں؟"

زخرف خاتون کا سوچتے انہیں پریشانی نے آگھیرا۔

"نہیں وہ سوگئی تھیں اس وقت، میں کھڑکی سے آئی تھی۔"

انہیں اطمینان دلاتے وہ بارش میں بھیگتی سائیکل کی جانب بڑھی۔ دلاور نے اسکی سائیکل اٹھا کر ڈگی میں ڈالی اور گھر کی جانب روانہ ہوئے۔

"سر آپ اس لڑکے کی اتنی مدد کیوں کر رہے ہیں۔اور آپ ایک کال ہی کر دیتے وہی کافی تھا اتنے خطرناک موسم میں رات کے اس پہر آپ یہاں کیوں آئے؟"

گاڑی سی ایم ہاؤس کے راستے پر گامزن ہوئی تو نیاز دل میں اٹھتا سوال لبوں پر لایا۔

"پتا نہیں۔"

گہری سانس بھرتے وہ باہر کی جانب متوجہ ہوگئے تھے۔

یہ سچ تھا کہ وہ نہیں جانتے تھے کہ آخر وہ موسم کی پرواہ کیے بغیر خود کیوں چلے آئے تھے۔ شاید اس بات کا ازالہ کرنے کہ ایک بار انکی کال مس کرنے پر

عیان انکے آفس چلی آئی تھی اور آج وہ فون پر فقط اسکا بھائی اور لاک اپ کا لفظ ہی سمجھ پائے تھے۔اگلے ہی پل وہ نیاز سے سارے واقع کی تفصیل پتا کروانے کے بعد گاڑی نکلواتے تھانے کے لیے نکلے تھے۔وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ آخر پہلے دن سے وہ عیان کی خاطر کیوں اپنے اصولوں سے ہٹ گ ئے تھے۔یہ سچ تھا کہ عیان کی جگہ کوئی لڑکا بھی ہوتا تو بھی وہ اسے سیاست کی بھینٹ نہ چڑھنے دیتے۔وہ کسی بھی صورت کسی بے گناہ کو اپنی وجہ سے سزا ملنے کے حق میں نہ تھے۔مگر یہ لڑکی انکی زندگی پر کچھ زیادہ ہی اثر انداز ہونے لگی تھی۔ جس کا داؤد اور کزئی کو احساس تک نہ تھا۔

"نیاز اس معاملے کی کسی کو بھنک نہیں پڑنی چاہیے اور نہ ہی پروفیسر صاحب کی فیملی کسی کی نظروں میں آنی چاہیے۔میں مزید کوئی تماشا نہیں چاہتا ہوں۔"

"جی سر۔"

نرمی سے اسے ہدایت کرتے وہ سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند گ ئے۔نیاز نے ایک نظر انکے مطمئن چہرے کی جانب دیکھا۔خان صفدر کی فیملی کے ساتھ ساتھ اسے تھانے کے سبھی لوگوں کو بھی سنبھالنا تھا۔پورے

تھانے کو معطل کر دینا چھوٹی بات نہ تھی جو دبالی جاتی۔اور نہ ہی کبھی سی ایم سرنے ایسے آرڈرز جاری کیے تھے۔مگراب جب وہ کہہ رہے تھے تو نیاز اس امر کو یقینی بنانے کے لیے لائحہ عمل ترتیب دینے لگا تھا۔

"سر وہ لڑکا آیاہے آپ سے ملنے۔"

فریم لیس گلاسسز پہنے وہ فائلز کی ورق گردانی میں مصروف تھے کہ نیاز نے آ کرانہیں اطلاع دی۔سر جھکائے ہی مصروف انداز میں انہوں نے سوال کیا۔

"کونسا لڑکا؟"

"وہی تھانے والا۔"

نیاز کے جواب پرانہوں نے فائل سے سر اٹھایا۔

"انسپکٹر؟"

"نہیں وہ ٹوئیٹ والا۔"

نیاز کے منہ بنا کر کہنے پر وہ حیران ہوئے تھے۔عیان یہاں کیوں آئی تھی۔

"بھیجواسکو۔"

عیان دروازہ ناک کر کے اندر آئی تو انہوں نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"تم ادھر کیا کر رہی ہو۔ منع کیا تھا اپنے آفس آنے سے۔"

گو کہ سی ایم آفس میں کسی عام انسان کا آنا آسان نہیں تھا۔ مگر شاید یہ اس پریس کانفرنس کا ہی نتیجہ تھا کہ گارڈ نے اسے اندر آنے دیا۔ شاید وہ سی ایم سر کا بلاوا ہی سمجھے ہوں گے۔ انکی ناگواری کے برعکس عیان کا لہجہ کافی پرسکون سا تھا۔

"میں آپکا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔"

سر جھکائے وہ انگلیاں چٹخانے میں مصروف تھی۔ داؤد اور کزئی کو یہ حرکت بھی ناگوار گزرتی تھی۔

"وہ کل تھانے میں کر جو دیا تھا۔"

لہجہ سخت ہوا تھا۔

"میں ایک اور بات کہنا چاہتی تھی۔ "

اب کہ اس نے سر اٹھایا۔

"کیا بات؟"

اسپاٹ تاثرات لیے وہ اسی کی جانب متوجہ تھے۔

"مجھے آپکی آفر منظور ہے۔ میں آپ کے لیے آرٹیکل لکھنے کو تیار ہوں۔"

"اس مدد کے صلے میں؟"

انداز سوالیہ تھا۔

"ایسا ہی سمجھ لیں۔ "

دوبارہ سر جھکا لیا تھا۔پہلے ہی اقرار کر دیتی تو کیا ہو جاتا۔داؤد اور کرزی ٹیک لگاتے ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر ریلیکس انداز میں بیٹھے۔

"ہمم ٹھیک ہے۔اس کے لیے حلیہ بدل کر آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

انہیں اچھی طرح یاد تھا کہ جب انہوں نے اسے آرٹیکلز لکھنے کا کہا تھا تو اسکے اصل حلیے میں ہی کہا تھا۔

"آج تک آپکا نام کسی اسکینڈل میں نہیں آیا میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے کچھ ایسا ہو کہ جو آپ کے لیے اور میرے لیے پریشانی کا باعث بنے۔ "

اسکی منطق پر وہ حیران ہوئے۔مگر اگلے ہی پل انہیں غصہ آیا تھا۔

"تم خود کو کیا کوئی سیلیبریٹی سمجھتی ہو جس کے ساتھ میرا دیکھا جانا مشکوک ہو گا۔ "

"سیلیبریٹی نہیں مگر لڑکی تو ہوں نہ۔"

منمناتے ہوئے وضاحت دی۔

"تمہارے اصلی حلیے کے بجائے اس حلیے میں مجھ سے ملنا زیادہ مجھے مشکوک کرے گا۔ سب کو یہی لگے گا کہ میں نے جان بوجھ کر وہ سب تماشا کروایا۔ "

انہیں غصے میں آتا دیکھ وہ جھجھکی تھی۔

"مگر۔۔۔"

"میں نے اسی لیے تمہیں منع کیا تھا یہاں آنے سے۔"

سرد انداز میں انہوں نے ڈپٹا۔ عیان کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"سوری میں اب کبھی ادھر نہیں آؤں گی۔"

ندامت سے کہتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ بغیر انہیں کچھ کہنے کا موقع دیے وہ باہر چلی گئی۔ اس کی حرکت پر وہ سر جھٹک کر رہ گئے۔

یہ نادان لڑکی تو مصلحتوں کو بھی سمجھتی نہ تھی۔ وہ دوبارہ کام میں مصروف ہو گئے تھے۔ یہ جانے بغیر کہ انکے اس سخت انداز نے عیان کو کتنی بری طرح ہرٹ کیا تھا۔

عیان تیزی سے پیڈل چلاتی گھر پہنچی تھی۔ ذلت کے احساس سے اسکا چہرہ تمتما رہا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اب کبھی بھی سی ایم آفس کے راستے پر

بھی نہیں جائے گی۔آنکھوں میں اسکی نمی چمکنے لگی تھی۔جنہیں درشتی سے اس نے رگڑ کر صاف کیا۔

"کیاہوا عیان آج یونیورسٹی نہیں گئی تھی کیا؟"

مورے کے پوچھنے پر اس نے جلدی سے وِگ اتار کر الماری میں ڈالی اور باتھ روم میں گھس گئی۔کپڑے بدل کر باہر آئی تو زخرف خاتون وہیں بیٹھی اسکے باہر آنے کا انتظار کر رہی تھیں۔

"کیاہوا مورے سب ٹھیک تو ہے نہ؟"

دھلا چہرہ تولیے سے پونچھتے وہ ماں سے مخاطب ہوئی۔

"تم بتاؤ سب ٹھیک ہے نہ تم آج سائیکل لے کر گئی تھی۔کیا یونیورسٹی نہیں گئی تھی؟"

زخرف خاتون اسے پریشانی سے دیکھ رہی تھیں۔

"نہیں کچھ کام تھا وہیں گئی تھی۔"

اس نے بے ساختہ نظر چرائی تھی۔

"تم آجکل کیا کرتی پھر رہی ہو عیان؟"

وہ اسکے چہرے کو کھوجنا چاہ رہی تھیں۔ عیان نے گہری سانس بھرتے ماں کو دیکھا۔

"کچھ بھی نہیں کر رہی ہوں مورے۔ اور سی ایم آفس گئی تھی اپنی جاب کی رضامندی دینے۔"

تولیہ کرسی پر رکھتے اس نے جواب دیا۔

"کل تک تو تم مان نہیں رہی تھی اور اب اچانک بغیر کسی کو بتائے نکل پڑی۔

تمہارے ابا اور بھائی رات کو کس وقت آئے تھے؟"

لہجہ کچھ مطمئن ہوا تھا۔

"کافی دیر سے آئے تھے۔ آپ سو گئی تھیں۔"

اس نے موضوع بدلنے پر خدا کا شکر ادا کیا تھا۔ بال لپیٹتی وہ بیڈ پر بیٹھی۔

"کیا بنا پھر نوکری کا؟"

انکے پوچھنے پر اسے یاد آیا تھا کہ اس بارے میں تو داؤد اور کرزئی نے کوئی جواب ہی نہیں دیا تھا۔

"پتا نہیں اماں ابھی تو فی الحال کچھ پتا نہیں ہے۔"

اس نے مایوسی سے کہا تو زخرف خاتون کو بھی پتنگے لگ گئے۔

"اسی لیے کہتے ہیں نعمت ملے تو ناشکری نہیں کرنی چاہیے۔ وہ جس وقت کہہ رہے تھے اس وقت تو تمہیں نخرے سوجھ رہے تھے۔ ارے وہ بڑے لوگ ہیں انہیں قابل لوگوں کی کوئی کمی تھوڑی ہے۔ مل گیا ہوگا کوئی تم سے قابل۔ "

زخرف خاتون کے کہنے پر عیان کو واقعی ہی دکھ ہوا تھا۔ سی ایم صاحب اسکی ایک ادھوری فون کال پر اتنے خراب موسم میں آگۓ تھے اور اس نے انکے بار بار کہنے کے باوجود بھی حامی نہیں بھری تھی۔

کچھ سوچتے اس نے فوراََ لیپ ٹاپ اٹھایا تھا۔اس وقت کی ملکی صورتحال کے مطابق ایک دھواں دار آرٹیکل لکھا تھا اس نے۔ لکھنے کے بعد کارڈ نکال کر انکے ای میل ایڈریس پر سینڈ کر دیا تھا۔

وہ دل ہی دل میں دعائیں کر رہی تھی کہ وہ یہ آرٹیکل دیکھ لیں۔ مگر دو دن گزرنے کے بعد بھی اس طرف سے کوئی جواب نہ آیا تھا۔اس نے واٹس ایپ پر میسج کرنے کا سوچا مگر بار بار میسج لکھ کر مٹا دیتی۔اسے شدید رونا آیا تھا اور وہ کمرہ بند کر کے خوب روئی بھی تھی۔ لاشعوری طور پر وہ انکی توجہ کی

خواہاں تھی۔ مگر مورے سچ کہتی تھیں وہ اتنا بڑا آدمی تھا وہ بھلا اسے کیوں یاد رکھتا۔

عیان دلجمعی سے آر ٹیکلز لکھ کر ای میل کرتی رہی تھی۔ کچھ دن تو اس نے جواب کا انتظار کیا تھا مگر پھر جواب سے بے نیاز ہو کر وہ داؤد اور کرزئی کے لیے آر ٹیکلز لکھنے لگی تھی۔ یونیورسٹی سے واپس آنے کے بعد اسکا ایک ہی کام رہ گیا تھا داؤد اور کرزئی کے بارے میں سرچ کرنا۔ اسکی معلومات نکالنا۔ اسکے بزنس کے بارے میں پڑھنا۔ وہ کافی حیران ہوئی تھی کہ داؤد اور کرزئی کو ایشیا کا موسٹ ینگ اینڈ سکسسیس فل بزنس مین کا ایوارڈ بھی ملا تھا۔ ان تصویروں میں داؤد اور کرزئی کافی ینگ دکھتا تھا۔ وہ اب بھی کافی سمارٹ اور ہینڈسم شخصیت کا مالک تھا۔ باقی سست سیاستدانوں سے قطعی مختلف وہ کافی فٹ اور کسرتی جسامت کا مالک تھا۔ مگر پچھلے کچھ مہینوں سے اسکی ذات میں واضح تبدیلی آئی تھی۔ اسکی نہ صرف صحت متاثر ہو رہی تھی بلکہ ان مہینوں میں وہ کافی بوڑھا دکھنے لگا تھا۔ حالانکہ یہ تبدیلی بہت ہی نا محسوس معلوم ہوتی تھی مگر عیان جو اسکی ذات کو حفظ کر چکی تھی اسے اس تبدیلی کی وجہ جاننے کا تجسس ہوا تھا۔ اسکے اندر کے صحافی نے اسے داؤد اور کرزئی کی ذات کے پہلو

جاننے پر متجسس کر دیا تھا۔اور پھر اپنے والدین کی موت کے بعد وہ اچانک ہی دو سال کے لیے غائب ہو گیا تھا۔وہ کہاں غائب ہوا تھا اس بارے میں کوئی بھی کچھ نہیں جانتا تھا۔

"ان دو سالوں میں وہ کہاں تھے۔کیا اپنی بہن کو لے کر کہیں چلے گئے تھے۔شاید اپنی پڑھائی پوری کرنے کے لیے۔۔۔۔ مگر اس دوران تو وہ کسی سوشل سائیٹ پر ایکٹیو نہیں تھے۔ایسا لگتا ہے جیسے دو سال انکی زندگی میں آئے ہی نہیں تھے۔کیا وہ کسی حادثے کا شکار ہو گئے تھے؟"

ایک اور سوچ ذہن میں ابھری تھی۔

"مگر انکے کسی حادثے کی بھی تو خبر نہیں ہے۔"

"اس دن وہ اسپتال میں کیوں تھے؟"

اس نے اس دن کی بابت نیوز سرچ کرنی چاہی مگر اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔داؤد اور کرزئی کی بہت کم خبریں میڈیا کے پاس تھیں۔وہ میڈیا کے لیے ایک پُراسرار شخصیت تھے۔

"اسی وجہ سے اس دن اسپتال کو ایک طرح سے خالی کر دیا گیا تھا کیونکہ داؤد اور کزئی نہیں چاہتے کہ انکی زندگی کے متعلق کوئی بھی خبر میڈیا میں آؤٹ ہو۔"

اس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا تھا مگر سوچوں کا تسلسل ابھی بھی برقرار تھا۔

وقت پر لگا کر اڑنے لگا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک مہینہ گزر گیا تھا۔ اس گزرے مہینے میں نہ ہی عیان نے داؤد اور کزئی سے ملنے کی کوشش کی تھی اور نہ ہی ان دونوں کا کہیں سامنا ہوا تھا۔ ہاں مگر آرٹیکل لکھ کر ای میل کرنے کی عادت اس قدر پختہ ہو گئی تھی کہ وہ شدید تھکاوٹ کے باوجود بھی اس کام سے باز نہ آتی تھی۔ پہلے بھی وہ اکثر جنرل نالج کے لیے مطالعہ کرتی تھی مگر اب خاص طور پر داؤد اور کزئی کے لیے اسکا مطالعہ بڑھ گیا تھا۔ وہ نہ صرف ملکی بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی باخبر رہنے لگی تھی کہ کبھی کہیں اسکی نظروں سے کوئی خبر رہ نہ جائے۔

یہ ایک انتہائی بیزار کر دینے والا دن تھا۔ عیان پر عجیب ہی پژمردگی چھائی تھی۔ وقت گزاری کے لیے اس نے ٹوئیٹر آن کیا تھا۔ تھوڑی دیر سکرول کرنے کے بعد وہ بے دلی سے بند کرنے ہی لگی تھی کہ اچانک ایک ٹوئیٹ کو

دیکھ کر وہ رکی۔آرٹیکل پڑھتے ہی اس نے آئی ڈی نام دیکھا تھا۔یکایک اسکی چیخ پورے گھر میں گونجی تھی۔

زخرف خاتون اس کی چیخ پر دہلتی بھاگتی ہوئی اس کے کمرے میں آئی تھیں۔

جہاں وہ فون پکڑے اچھل رہی تھی۔

"کیا ہوا عیان تم چیخ کیوں رہی ہو؟ "

"مورے مورے آج میں بہت خوش ہوں۔"

اس نے انہیں بازو سے تھام کر گھمایا۔

"کیا ہوا بتاؤ تو سہی۔"

وہ اس لڑکی کی حرکتوں پر پریشان ہو کر رہ گئی تھیں۔

"یہ دیکھیں سی ایم داؤد اورکزئی نے اس ٹوئیٹ میں میرا لکھا آرٹیکل پوسٹ کیا ہے۔ "

خوشی سے چمکتے چہرے کے ساتھ اس نے فون انکے سامنے کیا۔

"اللہ اللہ عیان تم نے تو میری جان نکال دی کہ جانے پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔ "

"مورے جو ہوا ہے نہ یہ خود میں ایک ایٹم بم خبر ہے۔ میرا آرٹیکل انہوں نے دیکھ لیا اور نہ صرف دیکھا بلکہ اسے پوسٹ بھی کیا۔ "

اس کی خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔ محبت سے اس نے فون خود سے لگایا۔اس دن کے بعد سے تو وہ مزید جوش و خروش سے کالمز لکھنے لگی تھی۔ داؤداور کرزئی اسکے لکھے تقریباً سبھی کالمز باقاعدگی سے پوسٹ کرتے تھے۔ اور اس دن تو عیان کی خوشی کا ٹھکانہ ہی نہیں رہا جس دن اسکے اکاؤنٹ میں اسکی پہلی سیلری آئی۔اس نے سب گھر والوں کے لیے تحائف خریدے تھے۔ساتھ ہی اس نے داؤداور کرزئی کے لیے بھی ایک شال خریدی تھی۔ اکثر اس نے انہیں روایتی شال اوڑھے دیکھا تھا۔ تبھی اس نے ان کے لیے نہایت خوبصورت سی سیاہ شال خریدی تھی۔گھر آکر اس نے وہ شال اپنے بیگ میں چھپالی تھی۔ باقی تحائف گھر والوں کو دیتے وہ سب کے خوشی سے دمکتے چہرے دیکھ رہی تھی۔ مگر جس مسرت نے اسکا گھیراؤ کرر کھا تھا وہ تو اس شال کی بدولت تھی جو اسکے بیگ میں پیک پڑی تھی۔

اگلے دن یونیورسٹی سے نکلتے وہ سی ایم ہاؤس آئی تھی۔ مگر گیٹ پر پہنچ کر اسے احساس ہوا کہ اسے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ایک تو اسے گارڈز کسی صورت

اندر نہ جانے دیتے دوسرا پچھلی بار داؤد اور کرزئی نے کس بری طرح اسے جھڑک کر یہاں دوبارہ نہ آنے کا کہا تھا۔تاسف سے وہ بغیر گارڈ سے کچھ کہے واپسی کے لیے مڑی تھی تبھی ٹیرس پر کھڑے داؤد اور کرزئی کی نظر باہر سڑک پر پڑی تھی۔ مگر پھر سرسری سی نظر ڈالتے وہ دوسری جانب مڑ گئے تھے۔ لیکن پھر کسی خیال کے تحت چونکے اور اس لڑکی کو انہوں نے اندر بلانے کا کہا۔عیان جو مایوسی سے واپس گھر جانے کے لیے مڑ گئی تھی۔ گارڈ کے بلانے پر حیران ہوئی تھی۔ گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی اسکی نظر ٹیرس پر کھڑے داؤد اور کرزئی پر پڑی تو اسکے لبوں پر مسکراہٹ در آئی۔ مگر خوفناک کتوں کے غرانے کے باعث وہ ڈرتی ہوئی تقریباََ بھاگ کر اندر آئی تھی۔

انکے آفس میں بیٹھے اسے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ وہ اندر داخل ہوئے۔اسکا ئ بلو قمیص شلوار میں ملبوس وہ خاصے ہینڈسم لگ رہے تھے۔انہیں دیکھتے ہی وہ یک دم اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی تھی مگر وہ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے خود بھی سامنے صوفے پر بیٹھ گئے۔

ملازم نے چائے لا کر رکھی تو اپنا کپ اٹھاتے وہ اسکی جانب متوجہ ہوئے۔

"جی کہیے کیسے آنا ہوا؟"

انکی بات پر اس نے حیرانی سے سر اٹھایا۔

"مگر میں خود تو نہیں آئی ہوں بلکہ آپ کے گارڈ نے اندر بلایا۔میں تو گھر جا رہی تھی۔"

اسکے صاف جھوٹ پر انہوں نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"کیا واقعی؟ مگر آپ کی یونیورسٹی اور گھر کا راستہ تو یہاں سے نہیں گزرتا ہے۔"

انکی بات پر وہ ندامت سے سر جھکا گئی۔انہوں نے تاسف سے اسے دیکھا۔اس لڑکی میں سمجھداری نام کی بھی نہیں تھی۔

"مجھے پہلی سیلری ملی تھی تو میں نے اپنے گھر والوں کے لیے گفٹس لیے تھے۔ اور ساتھ میں آپ کے لیے بھی لیا تھا مگر یہاں آنے سے پہلے تک دماغ میں یہ خیال ہی نہیں آیا کہ آپ کو میرا یہاں آنا پسند نہیں ہے۔"

اس کی بات پر داؤد اور کزئی نے کپ ٹیبل پر رکھا اور ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھے۔

"دیکھیے مس میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ آپ کوئی سلیبریٹی نہیں ہیں نہ ہی کوئی ایسی خاص شخصیت جس کی وجہ سے میری زندگی پر کوئی اثر پڑے۔ تو خود کو اس قدر بھی اہم سمجھنا چھوڑ دیں کہ داؤد اور کزئی آپ کے آنے جانے کو اہمیت دے گا۔"

انکے لہجے کی سختی سے عیان کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ گہری سیاہ آنکھیں آنسو سے جھلملاتی جھیل کا سا منظر پیش کرنے لگی تھیں۔ اس نے آنسوؤں کو گالوں پر لڑھکنے سے روکنے کے لیے ہاتھ سے گال کو رگڑا۔

"آئی ایم سوری سر۔ میں خود کو کبھی بھی اتنا خاص نہیں سمجھتی کہ آپ مجھے دیکھ کر متوجہ ہوں۔ میں بس اپنی خوشی میں یہ گفٹ خرید لائی تھی۔ مگر اپنی حیثیت یاد آتے ہی گیٹ سے ہی واپس جا رہی تھی۔ آپ کا اتنا وقت ضائع کیا اس کے لیے مجھے معاف کر دیں میں شرمندہ ہوں۔"

مدھم بھرایا لہجہ داؤد اور کزئی کو چونکا گیا تھا۔ وہ انکی وجہ سے رو رہی تھی۔ جانے کیوں انہیں اسکے رونے پر افسوس ہوا تھا۔

"آپ روئیں مت میں بس یہی کہنا چاہ رہا تھا کہ آپ کے لیے یہاں آنا جانا ٹھیک نہیں ہے۔"

"میں سمجھ گئی ہوں سر۔"

سر ہنوز جھکا ہوا تھا۔ہاتھوں کی انگلیاں مسلتے وہ خود کو رونے سے باز رکھنے کے چکر میں سرخ ہو رہی تھی۔داؤد اور کرزئی اسے کچھ کہنا چاہتے تھے مگر اس سے پہلے ہی وہ انہیں بغیر خدا حافظ کہے باہر نکل گئی تھی۔اس سے زیادہ وہ خود پر ضبط نہ رکھ سکتی تھی۔داؤد اور کرزئی کتنی ہی دیر لب بھینچے اس خالی جگہ کو دیکھتے رہے تھے۔

گھر پہنچ کر اپنے کمرے کو لاک کر کے وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔کیا وہ اس قدر بے وقعت تھی کہ وہ اس سے تحفہ تک لینا گوارا نہیں کرتے تھے۔

"مجھے جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔میں کیوں ہر بار بے عزت ہونے کے لیے چلی جاتی ہوں۔"

بے دردی سے آنسو پونچھتے اس نے بیگ سے شال نکال کر فرش پر پھینک دی۔سارا دن وہ ملال میں گھری رہی۔رات کا وقت تھا۔سبھی گھر والے کھانا کھا کر سو بھی چکے تھے مگر اسے نیند نہ آ رہی تھی۔اسکا خراب موڈ دیکھ کر انہوں نے اس سے پوچھا بھی تھا مگر وہ ٹال گئی تھی مگر اس وقت ٹھنڈی ہواؤں سے بے نیاز وہ کھڑکی میں بیٹھی تھی۔شال اس نے اب تک فرش سے

نہ اٹھائی تھی۔ بجتے فون نے اسکی توجہ اپنی جانب مبذول کی مگر وہ نظر انداز کیے وہیں بیٹھی رہی۔ مگر چوتھی بار فون بجنے پر اسے ناچار بیڈ تک آنا پڑا۔

"سی ایم سر۔۔۔"

اسکے ہوش اڑے تھے۔ وہ انکی چار کالز مس کر چکی تھی۔ جانے کیا بات تھی کہ وہ اتنی کالز کر رہے تھے۔ دل میں خیریت کی دعائیں کرتے اس نے پانچویں دفعہ میں کال اٹینڈ کر لی تھی۔

"ہہ ہیلو۔۔۔"

السلام علیکم۔

بھاری گھمبیر لہجے نے عیان کی دھڑکنوں میں طوفان اٹھایا تھا۔

"وعلیکم السلام۔"

سلام کا جواب دیتے بھی اسکی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئی تھیں۔

"جاتے وقت خدا حافظ کہنے کی روایت ہے ہمارے ہاں۔"

پرسکون انداز میں کہا گیا جملہ عیان کو شرمندگی کی گہرائیوں میں دھکیل گیا تھا۔

"آئی ایم سوری سر۔"

دوبارہ سے اسکی آنکھیں بھیگی تھیں۔داؤد اور کزئی کو فون کے اس پار بھی

اندازہ ہو گیا تھا۔کچھ توقف کے بعد وہ گویا ہوئے۔

"اور جب کسی کے لیے تحفہ لایا جاتا ہے تو وہ اسے دینا چاہیے۔"

وہ سارا الزام اس پر ڈال کر خود بری الزمہ ہو گئے تھے۔

"میں شرمندہ ہوں سر۔"

اسکی ندامت سے بھرپور آواز سنتے انہوں نے گہری سانس بھری۔وہ دنیا کی

انوکھی لڑکی تھی جو غلطی نہ ہونے پر بھی معزرت کر رہی تھی۔

"میں کل آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔میرا گفٹ مجھے دے جایئے گا۔"

انکی گھمبیر آواز فون سے ابھری تھی جبکہ عیان کی آنکھیں تحیر سے پھیلی

تھیں۔

"سر مم میں۔۔۔"

اس سے بات ہی مکمل نہ ہو سکی تھی۔

"کل آپ یونیورسٹی کے بعد آجایئے گا۔میں بھی تب تک اپنے کام نپٹا لوں

گا۔"

جی ٹھیک ہے۔

اپنے دھڑکتے دل پر قابو پاتے اس نے حامی بھری۔

چلیں اب سو جائیں۔اللہ حافظ۔

شب بخیر۔

فون کاٹ کر اس نے دوڑ کر شال اٹھائی اور خود میں بھینچ لی۔ مگر اگلے ہی پل احتیاط سے بیڈ پر پھیلا کر گرد جھاڑنے لگی۔اسے اچھی طرح سے فولڈ کر کے اس نے دوبارہ بیگ میں ڈالا۔بیڈ پر لیٹتے وہ کل کے بارے میں سوچنے لگی۔

نینداب کہاں آنی تھی۔

"کیا بات ہے عیان آج تو بڑا مسکرایا جا رہا ہے۔"

اسکی دوست نے اسے چھیڑا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں بس یونہی۔"

یونہی کچھ نہیں ہوتا وجہ بتاؤ۔

"ارے یار کہا نہ کوئی بات نہیں بس آج جلدی گھر جانے کا دل چاہ رہا ہے۔"

اہم اہم یہ جامنی جوڑا اور گلابی گلابی گال۔۔۔دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے۔سچ بتاؤ تمہیں دیکھنے کیا کوئی آرہا ہے؟

"ارے ایسی کوئی بات نہیں وہ ہم لالہ کے لیے دیکھنے جائیں گے۔"

اس نے فوراً بات بنائی۔ مبادا وہ سچ ہی نہ اگلوا لیں۔

"خیال رکھنا کہیں کوئی تمہیں ہی پسند نہ کر لے۔"

انکی بات پر وہ جھینپی تھی۔ محبت کی کونپل دل میں پھوٹنے لگی تھی اور وہ اس سے ابھی سے مہکنے لگی تھی۔

"نہیں نہیں عیان تم بس انکی شخصیت کے زیرِ اثر ہو۔ ان سے محبت نہیں ہو سکتی تمہیں۔ خود کو ان راہوں کا راہی مت بناؤ جن پر سوائے مایوسی کے اور کچھ نہیں۔ انکے لیے کیا دنیا کی باقی لڑکیاں مر گئی ہیں جو وہ تمہیں چنیں گے۔"

خود کو سمجھاتے اس نے دل کو ڈپٹا تھا جو اسے کسی اور ہی نگر کا باسی بنانے پر تلا تھا۔ خان صفدر کو ضروری کام کا کہہ کر وہ یونیورسٹی سے نکل آئی تھی۔ مگر سامنے ہی اپنے انتظار میں کھڑی گاڑی کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔ داؤد اورکزئی نے اس کے لیے گاڑی بھیجی تھی۔ ڈرائیور نے اسکے لیے دروازہ کھولا تو وہ اس پروٹوکول پر بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ گاڑی میں بیٹھتے بھی اسکی دھڑکنیں معمول پر نہ آ رہی تھیں۔ دل اب بھی یہ ماننے سے انکاری تھا

کہ داؤداور کرزئی اسے کوئی عام لڑکی سمجھتے ہیں مگر دماغ کی سنتے اس نے خود کو سمجھایا تھا کہ وہ پرٹو کولز فالو کرنے والا اصول پرست بندہ ہے۔

گاڑی سی ایم ہاؤس میں داخل ہوئی تو وہ بھونکتے کتوں کو شرارتاً زبان نکال کر چڑاتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔آج اسے سب کچھ بہت اچھالگ رہا تھا۔دل اسے شرارتوں پر اکسار ہا تھا۔

اسے داؤداور کرزئی کا ذیادہ انتظار نہ کرناپڑا تھا۔کچھ ہی دیر میں وہ وہاں داخل ہوئے تھے۔عیان اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی تھی۔انہوں نے ایک نظراس پر ڈالی جو سلیقے سے سر پر دوپٹہ اوڑھے گلابی گلابی سی لگ رہی تھی۔

"بیٹھیے مس عیان۔"

رسمی لہجہ عیان کی مسکراہٹ ختم کرنے کے لیے کافی تھا۔

"میں کل کے لیے سوری کہنے آئی تھی اور یہ گفٹ۔"

اس نے وہ پیکٹ ٹیبل پر رکھا۔اور جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔خود کو مزید کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ کرنا چاہتی تھی۔

"بیٹھ جائیں چائے لارہے ہیں چاچا۔"

داؤداور کرزئی نے وہ پیکٹ اٹھایا نہ تھا۔

نہیں سر بہت بہت شکریہ مگر اسکی ضرورت نہیں ہے۔مجھے ذرا جلدی ہے۔
دکھی دل خوفزدہ تھا کہ کہیں لہجہ بھرا کر آنکھوں میں پانی نہ لے آئے۔

"بیٹھ جائیں عیان میں ڈراپ کروادوں گا آپ کو۔"

داؤداور کرزئی کی آواز پر اسکے قدم آگے بڑھنے سے انکاری ہوئے تھے۔وہ حیرت سے پلٹی تھی۔مگر داؤد اور کرزئی کے چہرے کے تاثرات ناقابلِ فہم تھے۔وہ واپس اپنی جگہ پر بیٹھی۔

"دیکھیں مس عیان میں نہیں جانتا کہ آپ کو میری کیا بات بری لگی ہے۔وہ میں اس کے لیے معزرت کرتا ہوں مگر میں خود کو لے کر محتاط رہتا ہوں۔ لوگوں کے معاملے میں، میں انتہائی چوزی انسان ہوں۔گنے چنے لوگ ہی میرے ارد گرد رہتے ہیں۔ایسے میں اگر آپ زبردستی میرے ارد گرد رہیں گی تو میں انکمفرٹیبل رہوں گا۔"

انکی بات پر وہ ساکت نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔وہ اسکی موجودگی سے انکمفرٹیبل ہوتے تھے یہ بات اسے کسی چابک کی طرح لگی تھی۔اسکا تاریک پڑتا چہرہ دیکھ کر داؤداور کرزئی کو سمجھ نہیں آیا کہ وہ اپنی بات کیسے سمجھائیں۔

"آپ سمجھ رہی ہیں نہ میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں۔"

بے تاثر لہجے میں استفسار کرتے وہ اسکے چہرے کی جانب متوجہ تھے۔

میں سمجھ گئی ہوں سر۔آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔

ناچاہتے ہوئے بھی اسکا لہجہ بھرا گیا تھا۔داؤد اور کرزئی نے لب بھینچے تھے۔وہ جتنا کوشش کرتے کہ عیان روئے نہیں اتنا ہی وہ انکی وجہ سے رونے لگتی تھی۔

"میں اب جاؤں کیا؟ "

بچوں سا معصومانہ لہجہ داؤد اور کرزئی کو جیسے بے بس کر رہا تھا۔وہ گہری سانس بھر کر رہ گے ئے۔

"اب پھر سے یوں ناراض ہو کر جائیں گی اور میں پھر سے بے چین رہوں گا۔"

انکی بات پر اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔وہ شخص آخر تھا کیا۔پل میں کچھ اور پھر اگلے ہی پل کچھ اور۔

"میں کسی کو ناراض کر کے نہیں سو سکتا ہوں۔ سمجھ لیں میری فطرت میں نہیں ہے ایسا کرنا۔تو اگر آپ ناراض ہو کر جائیں گی تو میرے ذہن میں اٹکا رہے گا۔"

انہوں نے اپنی بات کی وضاحت دی تھی۔

"نہیں سر آپ بے فکر رہیں میں ناراض نہیں ہوں۔"

خود پر ضبط کرتے اس نے مسکرا کر کہا۔اسکے مسکرانے پر وہ بھی مسکرائے تھے۔

"یونہی مسکراتی رہا کریں۔روتے ہوئے اچھی نہیں لگتیں۔"

تو پھر آپ مجھ سے شادی کر لیں میں کبھی نہیں روؤں گی۔

اچانک ہی یہ جملہ اسکے لبوں سے ادا ہوا تھا۔جہاں عیان اپنی ہی بات پر بوکھلا گئی تھی وہیں داؤد اور کرزئی کے چہرے کا رنگ پل میں بدلا تھا۔مگر اب تو کہہ دیا تھا وہ پیچھے نہ ہٹ سکتی تھی۔

"میرے خیال سے آپکو جانا چاہیے۔"

انکا لال ہوتا چہرہ انکے ضبط کی گواہی دے رہا تھا۔مگر عیان سر جھکائے وہیں کھڑی تھی۔

"میں آپ سے محبت کرنے لگی ہوں سر پلیز میری محبت کو دوام بخش دیں۔"

جھلملاتی آنکھیں لیے وہ درخواست کر رہی تھی۔

"پلیز آپ یہاں سے چلی جائیں۔"

انہوں نے بہت ضبط سے کہا تھا۔وہ سر جھکائے وہاں سے نکل گئی تھی۔ جبکہ شدید غصے کے باعث داؤداور کرزئی کے ماتھے کی رگیں پھولنے لگی تھیں۔انکی طبیعت بگڑ رہی تھی۔ سر کو تھامتے وہ وہیں صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھے۔

-

یہ اس واقعے کے ایک ہفتے بعد کا منظر تھا۔عیان اس ایک ہفتے میں بس کمرے تک ہی محدود ہو کر رہ گئی تھی۔نہ ہی وہ یونیورسٹی جارہی تھی نہ کسی سے اتنا بات کرتی تھی۔اپنی ذات میں گم وہ کملانے لگی تھی۔

"عیان بچے کیا ہوا ہے؟ کچھ بتاؤ تو سہی۔ایک ہفتے سے تم کمرے سے باہر نہیں نکلی ہو۔یونیورسٹی نہیں جارہی ہو۔کیا ہوا؟ کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟"

زخرف خاتون پریشانی سے اس کے پاس بیٹھی تھیں۔اسکے اچانک گم صم رویے نے انہیں پریشان کر دیا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا مورے میں ٹھیک ہوں۔"

آنکھوں کے گرد حلقے لیے وہ چھت کو گھور رہی تھی۔

"تم ٹھیک نہیں لگ رہی ہو۔اٹھو کسی ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔"

میرا علاج ڈاکٹر کے پاس نہیں ہے مورے۔

اسکی بات پر وہ دہل گئی تھیں۔ کہیں انکی بچی کو کوئی آسیب تو نہیں چمٹ گیا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو عیان کچھ ہوا ہے تو بتاؤ نہ کیوں اپنے ماں باپ اور بھائی کی جان کو سولی پر ٹانگ رکھا ہے۔"

"مجھے محبت ہو گئی ہے مورے۔اور اسے اپنے دل سے نکال نہیں پا رہی ہوں میں۔مجھے یا تو اسے سونپ دیں یا پھر مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔"

اسپاٹ لہجے میں کہہ کر وہ گھٹنوں میں سر دیے بیٹھ گئی۔زخرف خاتون کو تو کچھ سمجھ ہی نہیں آیا۔انہوں نے شوہر اور بیٹے کو بتادیا۔دلاور کا تو خون کھول گیا تھا اس بات پر مگر خان صفدر نے اسے تحمل رکھنے کا کہا تھا۔عیان کی بگڑتی حالت دیکھتے انہوں نے اس سے بات کرنے کا سوچا۔

"عیان۔۔۔"

جی بابا۔

اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔بیٹی کی یہ حالت دیکھ کر انکا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

"یہ کیا حال بنا دیا بچے۔ اپنی پریشانی تو ہمیشہ تم مجھے آ کر بتاتی تھی پھر اب کیوں خود ہی گھل رہی ہو۔"

کیونکہ اس پریشانی کا حل نہیں ہے بابا۔

اسپاٹ لہجہ شاید وہ اس ایک ہفتے میں سارے آنسو بہا چکی تھی۔

"آپکی مورے کا کہنا ہے کہ آپ کسی سے محبت کرتی ہیں۔"

بہت ضبط سے انہوں نے یہ سوال کیا تھا۔ کہ بیٹی سے یہ سوال کرنا آسان نہ تھا۔

"وہ چاند ہے بابا اور میں وہ چکور ہوں جو اسکی جانب پرواز کرنے کی خواہش لیے اونچائیوں پر اڑتا جاتا ہے مگر پھر یہی اڑان اسے موت کے منہ میں لے جاتی ہے۔ کیونکہ چاند کو بس دیکھا جا سکتا ہے اسے تسخیر نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے اپنے عذاب میں رہنے دیں بابا کیونکہ یہ میرے بس میں نہیں ہے۔"

"دیکھو بچے میں ہرگز بھی ایسا باپ نہیں ہوں جو بیٹی کی پسند کا سن کر مرنے مارنے پر اتر آئے۔ جس بات کی آزادی مذہب دیتا ہے اس کے لیے میں کیسے پہرے لگا سکتا ہوں۔ مگر میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کون ہے جس کی وجہ سے میری بیٹی خود کو نڈھال کر بیٹھی ہے۔"

انکی بات پر اس نے سر اٹھایا تھا۔ باپ کی اس شفقت پر اسکی آنکھوں میں آنسو اتر آئے تھے۔ وہ سسکتی ہوئی انکے سینے سے لگی تھی۔

"وہ داؤد اور کرزئی ہیں بابا۔"

سسکیوں کے درمیان اس نے انہیں بتایا تھا جبکہ وہ تو اسکی بات سن کر ہی گنگ رہ گئے تھے۔ داؤد اور کرزئی سے محبت کر بیٹھی تھی عیان، وہ داؤد اور کرزئی جو میڈیا تک کو اتنا کم دستیاب ہوتا تھا۔ وہ اس کے پیچھے اپنا ایسا حال کر بیٹھی تھی کہ زندگی کی رمق اس میں سے ختم ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اٹھ کر وہاں سے چلے گئے تھے۔ جبکہ وہ تو بس خود پر روتی وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔

داؤد اور کرزئی کی طبیعت سنبھلی تو انہیں عیان صفدر خان پر جی بھر کر تاؤ آیا تھا۔ اس لڑکی کو انہوں نے کیا سمجھا تھا اور وہ کیا نکلی تھی۔ ایک ذرا سی ہمدردی نے اس لڑکی کو اتنی ہمت دے دی تھی کہ وہ انہیں شادی کے لیے پرپوز کر رہی تھی۔ دو دن انکا سر درد سے برا حال رہا تھا مگر پھر کاموں میں مشغول وہ ذرا سی مشکل کا شکار ہوئے تھے۔ ایک ہفتہ گزر چکا تھا مگر عیان کی جانب سے کوئی میل نہ آئی تھی۔ وہ جو اس طرف سے آسانی محسوس کرنے

لگے تھے کہ لکھنے کے تردد سے بچ جاتے تھے اب وہ بھی انہیں خود ہی کرنا تھا۔

"مجھے خود کو اس آسانی میں ڈھالنا ہی نہیں چاہیے تھا کہ بعد میں مجھے مشکل ہوتی۔"

سر جھٹک کر وہ کام میں مصروف تھے۔ مگر لاشعوری طور پر وہ عیان کے اس بچگانہ رویے پر بھی غصہ کا شکار تھے۔ وہ عیان سے اس بارے میں بات کرنا چاہتے تھے تبھی انہوں نے نیاز کو عیان سے رابطہ کرنے کو کہا تھا۔

"سر ان کا فون تو بند جا رہا ہے۔"

نیاز نے کہا تو وہ لب بھینچ کر رہ گئے۔

"کل انکی یونیورسٹی سے ہی انہیں پِک کر لینا۔"

کہہ کر وہ لیپ ٹاپ کی جانب متوجہ ہو گئے۔ جبکہ نیاز سر ہلاتا باہر نکل گیا۔

"سر وہ۔۔"

کیا ہوا؟

"ہم میڈم کی یونیورسٹی گۓ تھے مگر وہ ایک ہفتے سے یونیورسٹی نہیں آرہی ہیں۔"

نیاز کی بات پر وہ چونکے تھے۔مطلب جتنا چھوٹا مسئلہ وہ سمجھ رہے تھے اتنا تھا نہیں۔شاید یہ لڑکی انکے انکار کو دل پر لے بیٹھی تھی۔

"سر میرے لیے کوئی حکم۔"

نیاز کے پوچھنے پر وہ اسکی جانب مڑے۔

"اسکے گھر سے پتا کرو کہ کیا معاملہ ہے۔"

گھمبیر سنجیدہ لہجہ انہیں فکرمند ظاہر کررہا تھا۔

"سر کوئی خاص وجہ ہے کیا؟"

اسکے سوال پر انہوں نے گہری سانس بھری پھر نفی میں سر ہلاتے گویا ہوۓ۔

"وہ لڑکی حد درجہ بیوقوف اور کم عقل ہے۔اسے لگتا ہے یہ زندگی فیری ٹیل ہے جہاں اسے اسکے خوابوں کا شہزادہ مل جاۓ گا۔"

کیا ان کے خوابوں کے شہزادے آپ ہیں؟

نیاز نے مسکراہٹ دبائی۔پہلی بار کسی لڑکی کی جانب سی ایم سر متوجہ ہوئے تھے۔ورنہ تو پہلے کتنے ہی ایسے پرپوزلز وہ سر جھٹک کر رد کر دیتے تھے اور دوبارہ اس بارے میں بات تک نہ کرتے تھے۔مگر اس لڑکی کے لیے وہ حددرجہ فکرمند نظر آتے تھے۔

اگلے دن وہ ناشتے میں مصروف تھے کہ نیاز پریشان سا ہوتا انکے پاس آیا۔

"کیا بات ہے نیاز صبح صبح اتنا پریشان چہرہ لے کر کیوں آگ ئے ہو؟"

انکا موڈ کافی خوشگوار لگ رہا تھا۔

"سر وہ عیان میڈم اسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔"

اسکی بات پر وہ چونکے تھے۔

"اسپتال میں کیوں؟سب خیریت ہے نہ؟"

سر فی الحال تو اتنا ہی پتا چل سکا ہے۔میں پوری انفارمیشن لے کر آپ کو بتاتا ہوں۔

"ہمم ٹھیک ہے۔"

کھوئے کھوئے لہجے میں کہتے وہ اٹھ گ ئے تھے۔انہیں آج کسی دیہات کا دورہ کرنے جانا تھا۔جبھی وہ جلدی ہی نکل گ ئے تھے۔

داؤد اور کرزئی وہاں کے رہائشیوں سے بات کرنے میں مصروف تھے۔ وہ وہاں ڈسپنسری کے قیام کی یقین دہانی کروا رہے تھے۔ کہ نیاز فون پر بات کرنے کے بعد انکی جانب جھکا۔

"سر وہ عیان میڈم ۔۔"

بعد میں نیاز اس وقت میں مصروف ہوں۔

اسے ٹوک کر وہ کام میں مصروف ہو گئے تھے۔ اس وقت وہ کسی اور جانب توجہ نہ کرنا چاہتے تھے۔

"عیان اب اٹھ جاؤ نہ دیکھو تمہاری خاطر آج میں صبح صبح اتنی دور سے تمہارا من پسند ناشتہ لا یا ہوں۔ کب تک ایسی سڑی شکل بنا کر پڑی رہو گی۔"

دلاور ہلکے پھلکے لہجے میں کہتا کمرے میں داخل ہوا۔ عیان میں سب کی جان بستی تھی۔ وہ اس وقت اسے اس فیز سے نکالنا چاہتے تھے۔ تبھی انہوں نے طے کیا تھا کہ وہ عیان کے سامنے بالکل نارمل رویہ رکھیں گے تاکہ عیان جلد ہی داؤد اور کرزئی کی یادوں سے نکل آئے۔ مگر ان کے پکارنے پر بھی عیان نے کوئی رسپانس نہ دیا تو انہوں نے اسکا کندھا ہلایا۔ مگر عیان بے سدھ پڑی تھی۔

انہونی کے احساس نے انکے دل میں ڈیرہ جمایا تو انہوں نے انگلی عیان کے ناک کے پاس کی۔عیان کی سانس اتنی مدھم چل رہی تھی کہ انہیں گمان ہوا کہ شاید وہ سانس ہی نہیں لے رہی ہے۔اپنے بازؤوں میں اٹھائے وہ جلدی سے باہر کی جانب بڑھے۔خان صفدر اور زخرف خاتون تو عیان کی یہ حالت دیکھ کر بالکل ڈھے ہی گئے۔اسے اسپتال لے جاتے وہ مسلسل دعاؤں میں مصروف تھے۔

"شدید ٹینشن کی وجہ سے انکا نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے۔فی الحال ہم کچھ کہہ نہیں سکتے ہیں۔انہیں جلد ہی ہوش نہ آیا تو انکی زندگی کو خطرہ ہو سکتا ہے۔"

ڈاکٹر انہیں کہہ کر جاچکے تھے جبکہ وہ تو صدمے سے وہیں کرسی پر گر گئے تھے۔ہمیشہ انہوں نے عیان کو ہر مشکل سے بچانے کی کوشش کی تھی مگر اس وقت وہ بالکل بے بس ہو گئے تھے کہ اس بار انکی بیٹی محبت سے مات کھا بیٹھی تھی۔

"خان جی ہماری عیان۔۔۔"

زخرف خاتون رو رہی تھیں وہ انہیں تسلی دینے لگے۔دلاور سرخ آنکھیں لیے آئی سی یو کی جانب نظریں ٹکائے کھڑا تھا۔

"بابا میں آتا ہوں تھوڑی دیر میں۔"

کہاں جا رہے ہو؟

"اپنی بہن کی زندگی کے لیے وہاں جا رہا ہوں جہاں سے اس میں جینے کی رمق پیدا ہو گی۔"

پاگل مت بنو دلاور۔ ہم اپنا آپ بیچ بھی دیں تو عیان کی یہ خوشی خرید نہیں سکتے ہیں۔ بس دعا کرو کہ وہ زندگی کی طرف لوٹ آئے۔ وہ مالک و مختار ہے۔ دعا کرو کہ وہ عیان کے دل سے داؤد اور کرزئی کی محبت نکال دے۔ تاکہ میری بچی پھر سے پہلی جیسی ہو جائے۔

آنسو انکی آنکھوں سے بہتے گالوں کو بھگو رہے تھے۔ مگر وہ بے بسی کی صورت بنے بس عیان کی زندگی کے لیے دعا گو تھے۔

"تم کچھ کہہ رہے تھے نیاز۔"

واپسی کے سفر میں انہیں یاد آیا تھا۔

"سر وہ عیان میڈم ایڈمٹ ہیں۔"

وہ تو جانتا ہوں اسکے علاوہ؟

"سر ان کا نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے۔اور کنڈیشن کافی کریٹیکل ہے۔"

اسکی بات پر انہوں نے کوئی جواب نہ دیا تھا بلکہ وہ باہر دیکھنے میں مصروف ہو گئے تھے۔نیاز انکی جانب سے کسی حکم کا منتظر تھا مگر وہ خاموشی سے باہر کی جانب دیکھنے میں مگن تھے۔

"کون سے اسپتال میں ہے؟"

گھر پہنچ کر گاڑی سے اترتے بالآخر انہوں نے اپنی خاموشی توڑی تھی۔

"سردار میموریئل ہاسپٹل میں ہیں۔"

ہمم ٹھیک۔

بازو پشت پر باندھے وہ سر ہلا کر اندر چلے گئے تھے جبکہ نیاز ان کے رویے پر الجھ سا گیا تھا۔

--

"آپ کافی لیں گے یا قہوہ؟"

انکے خانساماں نے آکر پوچھا۔ وہ جو کرسی پر بیٹھے جھول رہے تھے انہوں نے دونوں سے ہی انکار کر دیا۔ مسلسل کچھ سوچتے وہ کھڑکی میں آکھڑے ہوئے تھے۔ باہر گارڈز مستعدی سے ڈیوٹی کرنے میں مصروف تھے۔ کچھ سوچتے انہوں نے پلٹ کر اپنی شال اٹھائی تھی۔ کندھوں پر شال رکھ کر منہ پر سیاہ ماسک پہنا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

رات ساڑھے بارہ بجے انکی آلٹو اسپتال کے باہر رکی تھی۔ وہ کنٹروری سے بچنے کی خاطر ہی چھوٹی گاڑی میں آئے تھے۔ نیاز نے مڑ کر انکی جانب دیکھا۔ مگر وہ اسے یہیں رکنے کا اشارہ کرتے خود باہر نکلے تھے۔ نیاز کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ یہ لڑکی یقیناً اسکے باس کی زندگی کی سمت بدلنے والی تھی۔ سفید بے شکن لباس پر سیاہ چادر اوڑھے کف کہنیوں تک موڑ رکھے تھے۔ جب کہ چہرہ ماسک کی وجہ سے پہچانا نہیں جا رہا تھا۔ اپنے اسٹاف سے انہیں اسکے کمرے کا پتا تھا سو وہ ریسیپشن کی بجائے سیدھا عیان کے کمرے کی جانب بڑھے تھے۔ باہر راہداری میں ہی انہیں خان صفدر، دلاور اور زخرف خاتون بیٹھے نظر آئے تھے۔ مضبوط قدم رکھتے وہ انکی جانب آئے۔

"السلام علیکم میں داؤد اور کزئی ہوں۔"

دھیمی آواز میں ان سے گویا ہوتے وہ انہیں حیرت کے سمندر میں غوطہ زن کر چکے تھے۔خان صفدر فوراََ اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے تھے۔

"سی ایم صاحب آپ یہاں؟"

جی میں مس عیان سے ملنے آیا ہوں۔

انکے کہنے پر دلاور نے آگے بڑھ کر انہیں آئی سی یو کے گیٹ سے اندر دیکھنے کا اشارہ کیا۔وہ اسپاٹ تاثرات لیے وہاں آئے تھے۔مگر مشینوں میں جکڑی لڑکی کو دیکھ کر وہ دنگ رہ گئے تھے۔رنگوں سے مزین وہ خوبصورت سی لڑکی تو کہیں بھی نہیں تھی بلکہ یہ تو کوئی ہڈیوں کا ڈھانچہ بیمار وجود تھا۔اسے دیکھ کر انہیں تکلیف کا احساس ہوا تھا۔ان مشینوں میں جکڑے رہنے کی اذیت سے وہ خوب واقف تھے۔

"بہت افسوس ہوا انہیں ایسے دیکھ کر۔"

انکے لہجے میں حقیقتاََ افسوس تھا۔خان صفدر سر جھکا گئے۔

"انکے علاج کی آپ فکر نہ کریں میں سارا خرچہ برداشت کرلوں گا۔اچھے سے اچھا ٹریٹمنٹ کروائیں۔"

بہت شکریہ سر مگر اس کی ضرورت نہیں ہے۔ہم خود کروالیں گے۔

دلاور نے شائستگی سے منع کیا تو وہ خاموش ہو گئے۔وہ اب تک شیشے کے سامنے کھڑے عیان کو تک رہے تھے۔ہاتھ پشت پر بندھے شال میں چھپ گئے تھے۔

"ڈاکٹر کیا کہہ رہے ہیں۔"

اب تک تو کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں دیا۔اگر جلدی ہوش نہ آیا تو۔۔۔

لب بھینچ کر وہ خود کو رونے سے باز رکھ رہا تھا۔داؤد اور کزئی نے ترحم سے دلاور کو دیکھا۔کئی سال پہلے وہ بھی یونہی مشینوں میں جکڑے زندگی اور موت کی کشمکش میں تھے اور تب ایسے ہی انکی بہن خود کو مضبوط بنانے کی کوششوں میں نڈھال ہو رہی تھی۔انہیں جانے کیوں عیان میں اپنا آپ دکھا تھا۔وہ حقیقتاً اس لڑکی کے لیے دکھ محسوس کر رہے تھے۔جو غلط راستے کی راہی بننے کی چاہ میں موت کو گلے لگا رہی تھی۔

"کیا آپ میری بیٹی کو زندگی دان نہیں کر سکتے ہیں؟"

زخرف خاتون کی بات پر دلاور اور خان صفدر بوکھلا گئے تھے جبکہ وہ بس انہیں دیکھ کر رہ گئے۔

"ایسا ممکن نہیں ہے آپ کو یہ سمجھنا چاہیے۔"

اسپاٹ تاثرات لیے انہوں نے جواب دیا تھا۔

"معاف کرنا سی ایم صاحب یہ بس بیٹی کے غم میں بول گئی ہیں۔ہم عیان کے ٹھیک ہوتے ہی صوابی سے کہیں دور چلے جائیں گے۔"

خان صفدر نے کہا تو وہ بغیر کچھ کہے سامنے دیکھنے لگے۔جہاں اب عیان کی سانسیں اکھڑنے لگی تھیں اور ڈاکٹرز متحرک نظر آنے لگے تھے۔وہ جانتے تھے اب نرسسز بوکھلاتی ہوئی باہر نکلیں گی۔ تبھی وہ ذرا ایک طرف ہوئے تھے مگر دل کی دھڑکنیں اچانک ہی تیز ہوئی تھیں۔نرس باہر نکل کر بھاگتی ہوئی سینیئر ڈاکٹر کے کیبن کی جانب بھاگی تھی۔ڈاکٹرز کی افراتفری دیکھ کر عیان کے گھر والے تو داؤد اور کرزئی کو بالکل بھول ہی چکے تھے۔زخرف خاتون بے تحاشہ رونے لگی تھیں۔

ڈاکٹرز انہیں تسلی دیتے عجلت دکھا رہے تھے۔داؤد اور کرزئی کو سر میں ٹیسیں اٹھتی محسوس ہونے لگی تھیں۔وہ وہاں سے جانا چاہتے تھے مگر کسی انجانی قوت نے انکے پیر جیسے جکڑ لیے تھے۔

"She is stable”

کافی دیر بعد ڈاکٹرز نے انہیں زندگی کی نوید سنائی تھی۔ڈاکٹر کے الفاظ سن کر جہاں عیان کے گھر والوں نے اللہ کا شکرادا کیا تھا وہیں داؤد اور کرزئی کو بھی سکون ملتا محسوس ہوا تھا۔

"میں آپکی بیٹی سے نکاح کے لیے تیار ہوں۔"

کچھ سوچتے انہوں نے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔خان صفدر تو حیرت کے مارے گنگ تھے۔خبر ہی ایسی تھی کہ انکے بولنے کی قوت ختم ہوگئ تھی۔

"یہ نکاح بس کاغذات تک محدود رہے گا صرف آپکی بیٹی کی زندگی کی خاطر میں یہ قدم اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔مگر میں اسے پبلک نہیں کرنا چاہتا ہوں۔"

انکی بات پر دلاور کچھ کہنا چاہتا تھا مگر خان صفدر کے حامی بھرنے پر خاموش ہو گیا۔

"عیان کے ٹھیک ہونے کے بعد مجھے اطلاع کردیجیے گا میں نکاح کے انتظامات کروادوں گا۔"

اسپاٹ انداز میں فیصلہ سنا کر وہ چلے گ ئے تھے۔جبکہ دلاور اب باپ کو اس فیصلے سے باز رہنے کا کہہ رہا تھا۔

"عیان آج نہیں تو کل سنبھل ہی جائے گی بابا۔اور کل کو جب اسکی شادی ہو گئی تو وہ داؤد اور کرزئی کو بھول جائے گی۔ مگر یہ نکاح نہ صرف اسکی زندگی برباد کردے گا بلکہ کل کو اسے پچھتانے پر بھی مجبور کردے گا۔"

تمہاری بات بجا ہے دلاور۔ مگر اپنی بیٹی کو اس تکلیف میں دوبارہ دیکھنے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔اگر داؤد اور کرزئی مان گۓ ہیں تو اس پر شکر ادا کرو۔انکا مان جانا کسی معجزے سے کم نہیں ہے۔

خان صفدر کے چہرے پر اطمینان تھا۔صد شکر تھا کہ وہ اپنی بیٹی کے سامنے سرخرو ہوئے تھے۔بعد کی تو بعد میں دیکھی جانی تھی۔جیسے اللہ نے ابھی داؤد اور کرزئی کے دل میں رحم ڈالا تھا وہ آگے بھی بہتر ہی کرنے والا تھا۔

چار دن بعد عیان کو اسپتال سے ڈسچارج کردیا گیا تھا۔وہ گھر آئی تو دلاور نے ہی اسے یہ خوشخبری سنائی۔

"ویسے عیان کوئی عام آدمی نہیں مل سکا تمہیں محبت کے لیے؟مانا کہ بابا نے اس معاملے میں کوئی سختی نہیں کی بلکہ ہم دونوں کو ہی پسند کرنے کا اختیار دیا

مگر اسکا مطلب یہ تو نہیں کہ تم سیدھا سی ایم صاحب پر تسلط جمانے کا سوچو۔
اور تم خود کو کیا پی ایم کی بیٹی سمجھتی ہو جو کسی سی ایم سے شادی کا کہو گی اور سب
کچھ آسانی سے ہو جائے گا۔"

میں بھلے ہی کسی پی ایم کی بیٹی نہیں ہوں مگر میں نے صدقِ دل سے محبت کی
اور اسے پانے کے لیے سچے دل سے ہی دعا بھی کی۔

عیان کے چہرے پر آسودہ سی مسکراہٹ تھی۔

"بہت غلط کیا عیان۔ جانتی ہو یہ شادی فقط کاغذوں تک محدود رہے گی۔ وہ
کبھی تمہیں اپنی بیوی نہیں بنائیں گے۔ اور نہ تم خود کو کبھی داؤد اور کرزئی کی
بیوی کہلوا سکو گی۔ اور یہ کیسی محبت ہے عیان جس نے تمہیں موت کے منہ
میں پہنچا دیا۔"

آئی ایم سوری لالہ پر میرے اختیار میں ہوتا تو میں کبھی بھی ان سے محبت نہ
کرتی۔ جن کے بارے میں میں جانتی ہوں کہ یہ شخص مجھے کبھی نہیں مل
سکتا۔ مگر جب اللہ نے میرے دل میں انکی محبت ڈالی تو اللہ نے ہی انہیں میری
زندگی میں لانے کا راستہ بنایا۔ اب اللہ ہی انکے دل میں میری محبت ڈالے گا۔

"اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو؟"

تو بھی میں اسی میں خوش ہوں کہ میرے نام سے انکا نام جڑے گا۔ دنیا میں نہ سہی مگر روزِ قیامت مجھے زوجہ داؤد اورکزئی سے پکارا جائے گا۔

اسکی بات پر دلاور نے عیان کے سر پر چپت رسید کی تھی۔

"شرم کرو سہیلی نہیں ہوں میں بھائی ہوں تمہارا۔ اور روزِ قیامت بیوی کو شوہر کے نام سے نہیں پکارا جائے گا۔"

بیشک۔۔۔

بے پروائی سے اس نے کندھے اچکائے۔ جبکہ وہ نفی میں سر ہلاتے اٹھ گیا تھا۔

۔

داؤد اورکزئی کے ساتھ نیاز اور چند قریبی دوست نکاح میں شامل ہوئے تھے۔ جبکہ خان صفدر نے بھی بہت قریبی اور اعتماد کے لوگوں کو ہی نکاح میں بلایا تھا۔ سفید پھولوں سے سجے لان میں وہ سفید ہی لباس پہنے ماحول کا حصہ لگ رہی تھی۔ داؤد اورکزئی نے سفید لباس پر براؤن شال لے رکھی تھی۔ ہمیشہ کی طرح وہ ماحول پر چھائے ہوئے لگ رہے تھے۔ ایجاب و قبول کے

بعد جب عیان کو انکے مقابل لا کر بٹھایا گیا تو عیان کو دل کی دھڑکنیں بے قابو ہوتی محسوس ہوئیں۔سب انہیں مبارکباد دے رہے تھے مگر وہ سر جھکائے خود کو سنبھالنے میں مصروف تھی۔نیاز مسرت سے لبریز انکی تصویریں بنانے میں مشغول تھا کہ نتاشا کے سخت آرڈر تھے کوئی بھی لمحہ مِس نہ ہو۔وہ داؤد اور کرزئی کی گھوریوں کے باوجود انکی مختلف زاویوں سے تصویریں کھینچنے میں مصروف تھا۔

وہ آکے پہلو میں ایسے بیٹھے
کہ شام رنگین ہو گئی

"سر آپ نے مبارکباد نہیں دی میڈم کو۔"

نیاز کے شوخی سے کہنے ہر وہ اسے گھور کر رہ گ ئے۔مگر لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے وہ عیان کی جانب متوجہ ہوئے۔

"نکاح مبارک ہو عیان اور کرزئی۔"

عیان کو تو دل پسلیوں سے نکلتا محسوس ہوا تھا۔انہوں نے اسکے نام کے ساتھ اپنا نام لگایا تھا۔

"آپکو بھی۔۔۔"

بمشکل ہی اسکی آواز وہ سن پائے تھے۔

"سر مٹھائی بھی تو کھلائیں نہ۔"

نیاز کی تو خیر نہیں تھی واپس جانے کے بعد۔ مگر یہاں وہ اسے کچھ بھی کہہ نہ سکتے تھے۔ تبھی مٹھائی کا ٹکڑا لے کر انہوں نے عیان کی جانب بڑھایا تھا۔

نیاز تو ہر ایک پل کو کیمرے میں قید کر رہا تھا۔عیان نے ذرا سا سر جھکاتے مٹھائی کھائی تھی۔ چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ نے الگ ہی روپ بخشا تھا۔ مگر وہ اسکے چہرے کی جانب متوجہ نہ تھے۔ وہ تو بس اسی فکر میں مبتلا تھے کہ میڈیا کو اسکی بھنک نہ پڑ جائے۔

فنکشن ختم ہوتے ہی وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ دلاور انہیں کہنا چاہتا تھا کہ وہ کچھ دیر عیان سے مل لیں مگر پھر اس نے اپنے لب سی لیے کہ اگر انہوں نے انکار کر دیا تو عیان کے چہرے کی مسکان ختم ہو جائے گی۔ اسے پھر سے عیان کے اس فیصلے پر افسوس ہوا تھا۔ مگر وہ تو اس سوچ سے ہی سرشار تھی کہ داؤد اور کزنئی اب اسکا ہے۔

-

"سر کیا میں آپکو تصویریں بھیجوں؟"

نیاز کے کہنے پر انہوں نے اسے گھورا تو وہ مسکراہٹ چھپاتے سر جھکا گیا۔

"تم مجھ سے پِٹ مت جانا نیاز۔"

مگر سر میں آج بہت خوش ہوں۔ویسے آپکو میڈم کو آج ہی رخصت کروالینا چاہیے تھا۔نتاشا میڈم کی بھی یہی خواہش تھی۔

"نیاز میں اس وقت سکون چاہتا ہوں۔"

کہتے ساتھ انہوں نے آنکھیں موندلی تھیں۔مگر زندگی کی اتنی بڑی تبدیلی سے نگاہیں چرانا آسان کام نہ تھا۔عیان کے چہرے نے انہیں زیادہ دیر آنکھیں موندنے نہ دی تھیں۔

"عیان اب کیا سوچا ہے تم نے؟"

ابھی تو اپنے ایگزامز کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔

اسکے لہجے کی شرارت نے دلاور کو غصہ دلایا تھا۔

"تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔ایک ہفتہ ہو گیا ہے تمہارے نکاح کو مگر سی ایم سر نے دوبارہ کوئی رابطہ ہی نہیں کیا جیسے وہ بالکل بھلا چکے ہیں تمہیں۔"

اوفوہ بھائی آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ابھی مجھ سے بڑے آپ ہیں تو کیا آپ سے پہلے رخصت ہوتی اچھی لگوں گی کیا میں۔

اسکی شوخی نے انکا دل جلایا تھا۔

"ایسے خواب مت دیکھو عیان جس کی کرچیاں تمہاری آنکھیں لہو لہو کر دیں۔"

لالہ خوابوں کی ایک بات اچھی ہوتی ہے کہ آپ انہیں اپنی مرضی کا رخ دے سکتے ہیں۔خوابوں میں آپ خود ہیرو ہوتے ہیں۔اپنی مرضی سے ہنستے روتے اور اپنی مرضی سے دنیا کو اپنے اشاروں پر چلاتے ہیں۔میں اپنے خوابوں کی دنیا کو بہت ہی خوبصورت بنانا چاہتی ہوں۔ایک چھت تلے نہیں ہیں ہم تو کیا ہوا۔ایک آسمان تلے تو ہیں نہ۔

"اگر تمہاری محبت میں اتنا ہی صبر تھا تو یہ ہمسفری کا جھنجھٹ کیوں پالا۔"

اس ہمسفری کے احساس نے ہی تو یہ صبر عطا کیا ہے۔میں اس احساس کے تحت ہی زندگی گزار رہی ہوں کہ عیان پر صرف داؤد اور کرزئی کا حق ہے اور کسی کا نہیں۔اور عیان صفدر خان داؤد اور کرزئی کے نکاح میں ہے کیا یہ اعزاز کم ہے میرے لیے۔میری وجہ سے انکا میریٹل اسٹیٹس بدل گیا ہے۔ کبھی

بھی کہیں بھی جب ان سے لائف پارٹنر کے حوالے سے سوال ہو گا تو انکی یاداشت میں عیان صفدر خان کا چہرہ ابھرے گا۔

اسکے چہرے کی مسکان اس قدر خوبصورت تھی کہ دلاور کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں اسے کسی کی نظر نہ لگ جائے۔وہ ہمیشہ سے ہی زندگی میں مثبت پہلو پر غور کرتی تھی اور اس وقت بھی وہ اس رشتے کے خوبصورت احساس کو ہی محسوس کر رہی تھی بغیر کسی وسوسے کے۔

--

سی ایم ہاؤس میں یہ صبح بہت عجیب اتری تھی۔داؤد اورکزئی کی طبیعت بگڑنے لگی تھی۔ مسلسل کام کرنے کی وجہ سے انکا سر کا درد بہت بڑھ گیا تھا۔ نہ صرف اتنا بلکہ انکی یاداشت سے تو وہ تاریخ بھی محو ہو چکی تھی جس نے انکی زندگی میں اتنی بڑی تبدیلی لائی تھی۔

نیاز فکر مند سا ڈاکٹر کو انہیں چیک کرتا دیکھ رہا تھا۔جو انکی کچھ میڈیسنز کو بدل کر انکی جگہ کوئی اور میڈیسنز لکھ رہے تھے۔

"ان کا تنہا رہنا اب اور بھی خطرناک ہو گیا ہے۔ یہ تنہائی اور مسلسل کام نے انکی صحت پر بہت برا اثر ڈالا ہے۔ انہیں اتنے کام سے دور رکھیں۔ ورنہ مجھے ڈر ہے کہ انکا علاج ناممکن ہو جائے گا۔ جس تیزی سے یہ اپنی یاداشت کھوتے جا رہے ہیں بہت جلدی یہ سب کچھ بھول جائیں گے۔"

مگر ڈاکٹر آپ جانتے تو ہیں الیکشنز ہونے والے ہیں اگلے سال انکی وجہ سے یہ کافی مصروف رہتے ہیں۔

"الیکشنز سے زیادہ ضروری انکی صحت ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ انہیں ویکیشنز پر لے جائیں کسی صحت افزا مقام پر تا کہ انکی صحت پر اچھا اثر پڑے۔ اپنی فیملی کے ساتھ وقت گزاریں تا کہ پرانی یادیں دہرا سکیں۔"

میں کوشش کرتا ہوں۔ ابھی کتنی دیر میں انہیں ہوش آئے گا۔

"ایک دو گھنٹوں میں ہوش آ جائے گا۔ مگر یہ خطرناک ہے۔ پہلے تو یہ کچھ دیر کے لیے اپنی یاداشت کھو دیتے تھے مگر اس بار یہ پورا ایک ہفتہ بھلا چکے ہیں۔"

تو کیا انہیں یاد نہیں آئے گا کہ اس ایک ہفتے میں کیا ہوا ہے؟

نیاز کے لہجے میں پریشانی تھی۔

"یاد تو آئے گا مگر آپ جانتے ہیں جتنا لمبا دورانیہ ہوتا جائے گا اتنا ہی یاد کرنا مشکل ہوتا جائے گا۔"

اور اگر سرجری کروالیں تو؟

اسکے سوال پر ڈاکٹر نے نفی میں سر ہلایا۔

"اب سرجری سے کچھ نہیں ہونے والا ہے۔ یہ طے ہے کہ انکی یاداشت عمر کے ساتھ مکمل طور پر ختم ہو جائے گی۔ اسی لیے یہ ضروری ہے کہ کوئی ایسا ہو جو انہیں پرانی باتوں کو یاد کروانے کے ساتھ نئ یادیں بھی دے سکے۔ اگر انکے بیوی بچے ہوتے تو امکان تھا کہ یہ اتنی جلدی سب بھولتے نہیں۔ مگر اکیلے رہنے کی وجہ سے انہوں نے اپنا پورا فوکس کام پر رکھا اور مسلسل تھکن نے انکے اعصاب پر گہرا اثر ڈالا۔ کوشش کریں انکی توجہ بٹ سکے۔"

ڈاکٹر کہہ کر جا چکے تھے۔ مگر نیاز کا ذہن اب تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس نے جرمنی کال ملائی تھی۔ نتاشا سے اجازت ملنے کے بعد اس نے سوچ لیا تھا کہ داؤد اور کرزئی کو اب ایک انسان ہی واپس زندگی کی طرف لا سکتا ہے اور اس کے لیے اسے اس انسان کو سی ایم ہاؤس لانا پڑے گا۔

عیان کے امتحانات شروع ہو چکے تھے ایسے میں نیاز نے بہتر نہیں سمجھا کہ وہ اسے داؤد اور کرزئی کے بارے میں بتا کر پریشان کرے۔ وہ اب عیان کے امتحانات ختم ہونے کے انتظار میں تھا۔

داؤد اور کرزئی اپنے لیپ ٹاپ میں ای میلز چیک کر رہے تھے۔ نیاز نے انکے سامنے قہوہ رکھا تو وہ اس سے مخاطب ہوئے۔

"عیان نے جاب چھوڑ دی کیا؟"

کونسی جاب؟

نیاز کو سمجھ نہیں آئی تھی انکی بات۔ اتنے دن بعد اچانک سے ایسا عجیب سوال اسے سمجھ نہیں آیا تھا۔

"تمہارا دھیان آجکل پتا نہیں کدھر رہتا ہے نیاز۔ میں کالمز کی بات کر رہا ہوں۔ کتنے دن ہو گئے ہیں انہیں کوئی آرٹیکل میل کیے ہوئے۔"

نیاز نے تاسف سے انہیں دیکھا۔ اس انسان کو کام کے علاوہ کچھ سوجھتا نہ تھا۔

"سر وہ دراصل میڈم کے پیپرز ہو رہے ہیں اسی وجہ سے انہوں نے لیو لی ہیں۔"

ہمم ٹھیک ہے۔ کب تک ختم ہوں گے پیپرز؟

سر ابھی کچھ ٹائم لگے گا۔

" صحیح جب انکے پیپرز ختم ہو جائیں تو انہیں انفارم کر دینا کہ بہت سے کام پینڈنگ ہیں وہ انہیں مکمل کرنے ہیں۔"

پینڈنگ تو ہیں سر اور انہیں ہر صورت مکمل کرنا ہے۔

وہ کہہ کر جا چکے تھے جبکہ نیاز سوچوں میں گم کچھ طے کر چکا تھا۔

عیان کا آج آخری پیپر تھا جب سے امتحانات شروع ہوئے تھے وہ ہر چیز ہی فراموش کر چکی تھی مگر آج فارغ ہوتے ہی اسکا دل چاہا تھا داؤد اور کرنزئی کو دیکھنے کا۔ تبھی خان صفدر کو مطلع کرتے اس نے سی ایم ہاؤس جانے کا ارادہ کیا۔ مگر جیسے ہی وہ گیٹ سے باہر نکلی سامنے نیاز کو کھڑا پایا جو اسکے انتظار میں وہاں موجود تھا۔

عیان کے لبوں پر پیاری سی مسکان چھائی تھی۔اس کے جانے سے پہلے ہی داؤد اور کرزئی نے گاڑی بھیج دی تھی۔مطلب دل سے دل کو راہ ہونے لگی تھی۔

"السلام علیکم میڈم۔"

وعلیکم السلام۔آپ یہاں؟

اپنی خوشی کو چھپاتے اس نے حیرانی سے سوال کیا۔

"جی آپ سے کچھ کام تھا۔"

نیاز کی بات پر عیان کا چہرہ اترا تھا۔مگر پھر سر ہلاتے وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

نیاز اسے لیے ایک کیفے آیا تھا۔اور کافی پیتے اس نے داؤد اور کرزئی کی زندگی کا ہر پہلو اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا۔عیان تو سب سن کر حیرت سے گنگ کچھ بول ہی نہ سکی تھی۔

"یہی وجہ ہے کہ سر نے آج تک شادی نہیں کی۔اور جب ایسا ہو گیا تو بھی آپ سے فاصلہ کم کرنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ابھی وہ کچھ دیر کے لیے آپ کو بھول جاتے ہیں مگر آپ کو اپنے قریب کرنے کے

بعد جب وہ مکمل طور پر آپ کو بھول جائیں گے تو آپ بہت اذیت سے گزریں گی۔"

یہ سب میڈیا میں کہیں نہیں ہے۔

بھرایا لہجہ نیاز پر یقین نہ کرنے کی دہائی دے رہا تھا۔ نیاز نے دکھ سے اپنے آئیڈیئل کی بیوی کو دیکھا۔

"اس حادثے کی خبر پہلے تو سر کی سیفٹی کی وجہ سے مخفی رکھی گئی تھی مگر اس کے بعد سر نے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ کبھی بھی اپنی زندگی سے متعلق کسی بات کی بھی میڈیا کو بھنک نہیں پڑنے دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ سر سے متعلق بہت کم خبریں میڈیا کی زینت بنتی ہیں۔"

اس نے کچھ لمحوں کا توقف کیا تھا۔ گہری سانس بھرتے وہ اپنے دل کا سوال لبوں پر لایا تھا۔

"کیا اس سب کے بعد بھی آپ کے دل میں سر کے لیے وہی محبت ہے؟ کیا آپ انہیں زندگی کے اس موڑ پر سنبھال سکیں گی جب وہ آپ کو بھی پہچاننے سے انکاری ہو جائیں گے؟"

عیان نے یہ سب کس ضبط سے سنا تھا یہ تو بس وہی جانتی تھی۔

"کیا اسکا کوئی علاج نہیں ہے؟"

انکا علاج صرف فیملی اور پر سکون زندگی ہے۔ اس طرح وہ شاید کم کم باتیں ہی بھول سکیں۔ کیونکہ وہ تھکن اور غصے میں ہی سب سے زیادہ باتیں بھول جاتے ہیں۔ اور انکے سر کا درد بھی تبھی بڑھتا ہے۔

نیاز کی باتیں سن کر عیان نے سر ہلایا تھا۔ وہ اپنے ساتھ کی یقین دہانی کرا چکی تھی۔

"تھینک یو سو مچ میڈم۔ یہ آپکا آئی ڈی تاکہ آپ بغیر روک ٹوک کے سی ایم ہاؤس میں آجا سکیں۔"

نیاز نے ایک ورکنگ آئی ڈی اسکے حوالے کیا تھا۔ جسے مٹھی میں دبوچتے وہ وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

ساری رات وہ داؤد اور کرزئی کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ اس انسان نے اپنی زندگی میں کیا کچھ برداشت کیا تھا۔

داؤد اور کرزئی کے والد وزیرِ قانون تھے۔ وہ ایک ایماندار اور اصول پرست انسان تھے جسکی وجہ سے وہ مخالفین کی نظروں میں کھٹکنے لگے تھے۔ یہی وجہ

تھی کہ ان لوگوں نے انہیں موت کی نیند سلا دیا تھا اور اتنی صفائی سے کہ داؤد کچھ بھی نہ کر سکا تھا۔ وہ اس وقت خود بھی اپنی تعلیم مکمل کر رہا تھا۔ اسد اللہ اور کرزئی کی پارٹی نے اسے از راہ ہمدردی پارٹی ٹکٹ دیا تھا۔ وہ یہی سمجھے تھے کہ بیرون ملک رہنے والا یہ کل کا بچہ ان کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی بن جائے گا۔ مگر داؤد اور کرزئی تو جلد ہی انکے گلے کا کانٹا بن گیا تھا۔ جوانی کا جوش اور ملک سے محبت کا ولولہ لیے وہ انقلاب لانے کی خواہش رکھتا تھا۔ اسکی تقاریر ایسی ہوتیں کہ مجمع کو سانپ سونگھ جاتا۔ وہ کم عرصے میں ہی لاکھوں دلوں پر راج کرنے لگا تھا۔ اپنے باپ سے بڑھ کر وہ مخالفین کی نظروں میں کھٹکنے لگا تھا۔ تبھی انہوں نے اسے بھی راستے سے ہٹانے کا سوچا۔ اور ایک دن جلسہ کے بعد جب وہ گھر جا رہا تھا تو بڑی صفائی سے اسکی کار کی بریکس فیل کر دی گئیں۔ گاڑی پر سے کنٹرول کھوتے وہ گاڑی سمیت کھائی میں جا گرا تھا۔ مگر اسکی زندگی تھی سو وہ گاڑی تباہ ہونے سے پہلے ہی اس سے نیچے گر چکا تھا۔ وہاں کی مقامی آبادی کے لوگ ہی اسے وہاں سے لے گئے تھے۔ بعد ازاں نتاشا نے ہی ہمت کی تھی۔ اور اپنے باپ کے پرسنل گارڈ کے بیٹے نیاز کی مدد سے داؤد اور کرزئی کو ڈھونڈ نکالا تھا۔ مگر اسکی جان بچانے کی غرض سے انہوں نے

اس معاملے کو بالکل پسِ پشت ڈال دیا۔ آٹھ ماہ تک داؤداور کزنی کومہ میں رہا تھا۔ کومہ سے نکلنے کے بعد جہاں داؤداور کزنی ڈرائیونگ سے خوفزدہ ہوگیا تھاوہیں وہ ریٹرو گریڈ ایمنیشیا کا بھی شکار ہوا تھا۔ جس کا اچھااور مہنگا علاج ہونے کی وجہ سے آثار یک دم تو سامنے نہ آئے تھے مگر عمر ڈھلنے اور مسلسل کام کے باعث یہ بیماری ظاہر ہونا شروع ہوگئی تھی۔ وہ تیس کے دور میں ہی اپنی یاداشت تیزی سے کھونے لگا تھا۔

"بابامیں سی ایم ہاؤس جارہی ہوں۔"

کیوں خود ہی رخصت ہونے کا سوچ لیا ہے کیا؟

دلاور کے کہنے پر وہ جھجھکی تھی۔

"نہیں لالہ پیپرز ختم ہوگئے ہیں تو سوچ رہی ہوں کہ بجائے کہیں اور جاب کرنے کے اپنے شوہر کے آفس میں ہی جاب کرلوں۔"

مزے سے کہتے اس نے نوالہ منہ میں رکھا۔

"بابا یہ لاڈپیار کا ناجائز فائدہ اٹھانے لگی ہے۔"

دلاور نے خان صفدر کو غصہ دلانا چاہا تو عیان نے معصوم سامنہ بنا کر ماں کی جانب دیکھا۔

"مورے نوکری تو مجھے کرنی ہی ہے تو کیا آپ بھی چاہتی ہیں کہ میں باہر غیر مردوں کے ساتھ کام کروں یا پھر اپنے شوہر کی حفاظت میں کام کروں۔"

ہاں ہاں دلاور عیان بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔سی ایم صاحب جب خود وہاں موجود ہوں گے تو عیان کو کوئی مشکل نہیں ہو گی۔اور ایسے ہی انکا رشتہ بھی مضبوط ہو گا۔

زخرف خاتون کے کہنے پر اب بھلا کس کی مجال تھی کہ اعتراض اٹھاتا۔جبکہ دلاور نے نفی میں سر ہلایا۔بہن کے ان ڈراموں سے واقف جو تھا۔جبکہ خان صفدر لمبے عرصے کے بعد اپنے گھر میں ایسی پر سکون صبح دیکھ کر مسرور تھے۔

عیان سی ایم ہاؤس آگئی تھی۔بڑے ناز سے اس نے اپنا کارڈ دکھایا تھا۔گارڈز نے کارڈ دیکھتے ہی اسے اندر جانے دیا تھا۔عیان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

"ابھی جب تم لوگوں کو سچ پتہ چل جائے نہ تو تمہیں اس کارڈ کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی میری شکل دیکھتے ہی تم لوگ گیٹ کھول دیا کرو گے۔"

خیالوں میں مسکراتی وہ اندر داخل ہوئی۔داؤد اور کزئی کے خوفناک کتوں کو چڑا کر اندر بھاگ گئی تھی۔جبکہ وہ وہاں غراتے اسے خوفزدہ کرنے کے چکر میں تھے۔

عیان اندر داخل ہوئی تو پہلا سامنا نیاز سے ہوا۔

"گڈ مارننگ میڈم۔سر ابھی تک جاگے نہیں ہیں۔"

ابھی تک نہیں جاگے۔کیا وہ جاگنگ نہیں کرتے ہیں۔

"پہلے کرتے تھے مگر کچھ عرصے سے وہ صحت کے معاملے میں بالکل لاپرواہ ہو گئے ہیں۔آپ جا کر اٹھا سکتی ہیں۔"

عیان کو جھجھکتے دیکھ کر اس نے کھلے دل سے آفر کی مگر وہ سر نفی میں ہلا گئی۔

"نہیں آپ خود ہی جگا دیں۔میں یہیں انتظار کر لوں گی۔"

وہ فوراً صوفے پر بیٹھی مبادا وہ اسے داؤد اور کزئی کے کمرے میں ہی نہ بھیج دے۔نیاز مسکراہٹ چھپاتا داؤد اور کزئی کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

آج کا شیڈول ریڈی ہے؟

جی سر سب ریڈی ہے اور آپکا ناشتہ لگوا دیا ہے۔

ہممم ٹھیک ہے۔

نیاز نے انہیں کوٹ پہنانے میں مدد دی۔

"کیا بات ہے کافی چہک رہے ہو؟"

نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔

بتیسی دکھاتے اس نے انکار کیا۔ داؤد اور کرزئی بھی کندھے اچکاتے تیار ہونے لگے۔ کمرے سے نکل کر وہ ڈائننگ ٹیبل کی جانب بڑھ رہے تھے کہ انکی نظر عیان پر پڑی۔ آنکھیں چھوٹی کیے اسے دیکھتے وہ نیاز کی جانب پلٹے۔ انکے ایک دم اپنی جانب متوجہ ہونے پر نیاز سٹپٹا گیا مگر عیان فوراََ سے اپنی جگہ سے کھڑی ہوتی آگے آئی۔

"السلام علیکم سی ایم سر۔"

وعلیکم السلام۔ آپ یہاں خیریت تھی؟

"جی میری جاب ہو گئی ہے نہ تو اسی لیے۔"

اوہ بہت مبارک ہو۔ کہاں ہوئی ہے جاب؟

انداز کافی رسمی تھا۔

"یہاں ہوئی ہے جاب۔"

انکے انداز پر دانت پیستے بظاہر مسکرا کر بولی۔ جبکہ اسکی بات پر تو وہ پورا نیاز کی جانب گھوم گۓ تھے۔

"سر میری اتھارٹی سے کہیں زیادہ اب میڈم کے پاس اتھارٹی ہے۔ میں اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتا ہوں۔"

اس نے فوراََ ہاتھ اٹھاۓ تو وہ اسے گھور کر رہ گۓ۔

"میرے ساتھ آئیں۔"

تکلفاََ مسکرا کر اسے ساتھ آنے کا کہا تو وہ دل میں دعائیں کرتی انکے پیچھے گئی۔

اسٹڈی روم میں پہنچ کر وہ بمشکل خود پر ضبط کر پاۓ تھے۔

"ہماری بات طے ہوئی تھی نہ کہ یہ معاملہ بس پیپرز تک محدود رہے گا۔ ذاتی زندگی میں اسکا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔"

مگر میں تو بس اپنی جاب کر رہی ہوں سر۔ یہ دیکھیں اپائنٹمنٹ لیٹر آپ ہی کی جانب سے ایشو ہوا تھا۔اور آپ نے کہا تھا کہ میں یونیورسٹی ختم ہوتے ہی آپ کے آفس کو جوائن کر لوں۔

اتنا معصوم چہرہ بنا رکھا تھا کہ داؤد اور کزنز کئی لمحوں تک کچھ بول ہی نہ سکے۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا عیان۔"

آپ نے کہا تو تھا جب آپ نے جاب آفر کی تھی۔

آنکھوں میں آنسو بھر کر معصومیت کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے تھے۔اسے روتا دیکھ وہ جیسے بے بس ہوئے تھے۔ سر پر ہاتھ پھیر کر خود کو جیسے پر سکون کیا تھا۔

"اچھا اب رونا مت شروع کر دینا۔یہاں گھر میں فیمیل اسٹاف نہیں ہے میں بس اسی لیے کہہ رہا ہوں۔"

تو میں آپ کے آفس میں آپ کو جوائن کر لوں گی نہ۔

آپ گھر سے کام کر لیں۔ سیلری پے کر تو رہا ہوں میں۔

"میں صرف آپ کی ایمپلائی نہیں ہوں خان جی۔"

ناچاہتے ہوئے بھی عیان کے لبوں پر شکوہ در آیا تھا۔ساتھ ہی اس بار حقیقتاََ دکھ کے آنسو اسکی آنکھ سے چھلکے تھے۔جنہیں بے دردی سے پونچھتے وہ ان سے گویا ہوئی۔

"ایم سوری سر۔ہر بار پتا نہیں کیوں میں یہاں ڈانٹ سننے آجاتی ہوں۔"

وہ باہر کی جانب بڑھی تھی مگر انہوں نے بے ساختہ ہی اسکی چادر کا کونہ پکڑا تھا۔

"اس طرح روتا چہرہ لے کر باہر مت جائیں۔"

انکے انداز میں منت تھی۔

"فکر مت کریں سر آپ کی شان پر بات نہیں آئے گی۔"

وہ بنا پلٹے بولی تھی۔دل پر گہری چوٹ لگی تھی۔وہ چلتے ہوئے اس کے سامنے آئے اور ہاتھ کی پشت سے اسکے آنسو پونچھے۔عیان یک ٹک بس انہیں ہی تکتی جارہی تھی۔

"آپکی شان پر بات آسکتی ہے اور مجھے یہ منظور نہیں ہے۔"

فکر نہ کریں میری وجہ سے کسی اسکینڈل میں نہیں پھنسیں گے آپ۔

لہجے میں بیویوں سی ناراضگی در آئی تھی۔داؤداور کرزئی کے چہرے پر مسکان پھیلی تھی۔

"بیوی کے ساتھ اسکینڈل میں نام آنا کچھ نیا ایڈونچر ہوگا۔"

انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تو عیان نے انہیں گھورا۔مگر پھر نظر جھکاتے چہرہ بھی نیچے کر لیا۔

"میں آپکی بیوی نہیں ہوں۔بس پیپرز کی حد تک آپکا نام جڑا ہے میرے نام کے ساتھ۔"

بولتے ہوئے آنسو گلے میں اٹکے تھے۔بات ہی اس قدر تکلیف دہ تھی۔

"بیوی تو بیوی ہوتی ہے۔یہ پیپرز کی حد تک بیوی ہونا کیا ہوتا ہے مسز عیان اور کرزئی۔"

انہیں خود بھی اندازہ نہ ہو سکا تھا کہ عیان کو بہلاتے بہلاتے وہ اس رشتے کی خوبصورتی کو بھی خود پر طاری کرتے جا رہے تھے۔جبکہ عیان تو اس طرزِ تخاطب پر ہی گل و گلزار ہوئی تھی۔اسکے چہرے پر چھائے دھنک رنگوں کو انہوں نے دلچسپی سے دیکھا تھا۔بارش کے بعد اس قوس وقزح کے منظر نے ان پر کافی خوشگوار تاثر چھوڑا تھا۔

"اگر آپ کی اجازت ہو تو کیا ناشتہ کر لوں میں۔ دراصل مجھے کہیں بہت ضروری کام سے پہنچنا ہے۔"

وہ جس انداز سے پوچھ رہے تھے عیان کو ٹوٹ کر ان پر پیار آیا۔اس قدر سحر انگیز شخصیت کا حامل مرد معصومیت سے اجازت لیتا کس قدر دلفریب لگ رہا تھا یہ کوئی عیان کے دل سے پوچھتا۔ مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔

"چلیں ناشتہ کر لیتے ہیں۔"

نرمی سے کہتے وہ باہر کی جانب بڑھے۔ عیان بھی انکی معیت میں پیچھے چل دی۔ جبکہ نیاز جو وہیں کھڑا پریشانی سے سوچوں میں مبتلا تھا انہیں بالکل نارمل دیکھ کر شکر کا سانس لیتے ناشتہ لگوانے لگا۔

"کیا میں آپ کے ساتھ آفس چلوں۔"

جاتے جاتے وہ حیرانی سے پلٹے تھے۔

"وہ سارا دن میں یہاں گھر میں کیا کروں گی۔اس سے بہتر ہے نہ کہ میں آپ کے آفس ہی چلتی ہوں۔"

انکے حیرانی سے دیکھنے پر وہ خود بھی نروس ہوئی تھی۔

"مگر آپ میرے آفس میں کیا کرنے جائیں گی؟"

انکے سوال پر وہ مسکراتی ہوئی فوراً دو قدم آگے آئی تھی۔

"میں آپکی سیکرٹری بن جاتی ہوں نہ۔"

اب کہ تو داؤد اور کرزئی کے ساتھ ساتھ نیاز کو بھی جھٹکا لگا تھا۔ وہ جو اس آفت کو داؤد اور کرزئی کے قریب کرنے کے لیے لایا تھا اب وہ اس سے ہی اسکا روزگار چھیننے پر تلی تھی۔ نفی میں سر ہلاتے وہ داؤد اور کرزئی کو دیکھ رہا تھا کہ آیا وہ کس کی چھٹی کرتے ہیں۔ داؤد اور کرزئی تو اسکی زبان کے جوہر دیکھ کر ہی دنگ تھے۔ کچھ لمحے میں وہ سر جھٹکتے اس سے گویا ہوئے۔

"آپ میری سیکرٹری نہیں بن سکتی ہیں۔ نیاز جو کام کرتا ہے میں اس سے مطمئن ہوں اور پھر اگر کوئی اور یہ کام کرے گا تو شاید مجھے بھی ایڈجسٹ کرنے میں وقت لگ جائے تو نیاز کی جگہ آپ کو نہیں رکھ سکتا ہوں۔"

داؤد اور کرزئی کے کہنے پر نیاز کی جان میں جان آئی۔

"ارے نہیں میں بھلا نیاز کی جگہ کیوں لوں گی۔ میں تو بس آپ سے متعلق کام کروں گی نہ۔"

دانتوں کی نمائش کرتے اس نے وضاحت دی تھی۔داؤداور کزئی نے نیاز کو رفو چکر ہونے کااشارہ کیا تھا۔اگلے ہی پل وہ بوتل کے جن کی طرح وہاں سے غائب ہوا تھا۔

"گھر پر رہیں عیان۔اپنی عورتوں کی نمائش کروانا پسند نہیں ہے مجھے۔چاہے یہ دنیا نہیں جانتی مگر میں تو جانتا ہوں نہ کہ آپ مجھ سے جڑی ہیں تو میں کیوں جان بوجھ کر آپ کو لوگوں کی نظروں میں لاؤں۔یہ ڈھکی چھپی بڑی سی چادر میں خود کو ڈھانپتی ہوئی عیان بہت خوبصورت ہے۔اسکی خوبصورتی کو دنیاوی چکاچوند سے ماند نہیں کرنا چاہتا ہوں میں۔"

وہ بہت خوبصورت بولتے تھے۔سننے والوں کو سحر زدہ کردیتے تھے۔آج عیان کو یقین ہو چلا تھا۔بے ساختہ ہی اسکے گال گلابی ہوئے تھے اور پلکیں بھاری ہوتی جھکنے لگی تھیں۔داؤداور کزئی نے فرصت سے اسکے چہرے کے دھنک رنگوں کو دیکھا تھا۔اسکے گال پر ہاتھ رکھتے وہ مسکراتے لہجے میں گویا ہوئے۔

"مجھے پتا نہیں تھا کہ بیوی سامنے ہو تو آفس جانا اتنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

عیان کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگی تھیں۔ تبھی انہوں نے اسکے ماتھے پر مہر محبت ثبت کی تھی۔

"مجھے پتا نہیں تھا کہ بیوی سامنے ہو تو آفس جانا اتنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

عیان کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگی تھیں۔ تبھی انہوں نے اسکے ماتھے پر مہر محبت ثبت کی تھی۔

"مجھے آج تک کوئی بھی اپنے کہے سے پیچھے نہیں ہٹا پایا ہے مگر آج آپ یہ جرأت بار بار کر رہی ہیں۔ اور دیکھیں میں یہ چاہ رہا ہوں کہ میں ہمیشہ آپ کے سامنے شکست کھاتا رہوں۔"

وہ جیسے بے بسی سے بولے تھے۔ عیان نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ انکے چہرے پر اب پہلی سی چمک نہیں تھی۔ اسکا گال تھپتھپاتے وہ باہر چلے گئے تھے۔ جبکہ عیان تو کتنی ہی دیر وہاں کھڑی اس جگہ کو دیکھتی رہی تھی جہاں کچھ دیر پہلے وہ کھڑے تھے۔ شاید یہ عمر کا فرق ہمیشہ ہی ایسی تلخی بکھیرتا رہے گا۔

دور کہیں سوچتی وہ اب تک اس جگہ کو ہی دیکھ رہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ اپنا بیگ اٹھاتی باہر نکل گئی تھی۔

داؤداور کرزئی آنکھیں موندے سیٹ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔نیاز نے ایک نظرانہیں دیکھا۔وہ کافی مختلف لگ رہے تھے۔

"سر۔۔۔"

"تمہیں عیان کو یہاں نہیں لاناچاہیے تھا۔تم جانتے ہو نیاز کہ میں یہ سب افورڈ نہیں کر سکتا ہوں۔اسکی ابھی زندگی شروع ہوئی ہے میں اپنی وجہ سے اسے زندگی سے دور نہیں کرنا چاہتا ہوں۔"

کیا آپ کو اس بات کا خوف ہے کہ میڈم کو آپ سے محبت ہو جائے گی؟

"نہیں مجھے اس بات کا خوف ہے کہ مجھے اس سے محبت ہو جائے گی۔"

شکست خوردہ انداز انکی بے بسی ظاہر کر رہا تھا۔نیاز انکی تکلیف سمجھ رہا تھا۔وہ اپنی زندگی کا بھیانک رخ عیان کو نہ دکھانا چاہتے تھے۔مگر وہ اب طے کر چکا تھا۔سو پیچھے ہٹنے کا ارادہ نہ تھا۔سی ایم سر کو دیکھتے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ عیان ان پر اثر انداز ہو رہی ہے۔جلد ہی وہ زندگی کی جانب لوٹ آئیں گے۔

دوسری جانب عیان افسردہ سی گھر واپس آگئی تھی۔زخرف خاتون نے اسے اداس دیکھا تو وہ اس سے پوچھنے لگیں مگر عیان تھکاوٹ کا بہانہ کرتی کمرے میں جا گھسی۔

"ایک ہی دن میں ہار مان کر واپس آگئی ہو؟"

خان دلاور گھر آیا تو بہن کے متعلق جان کر اسکے کمرے میں آیا تھا۔عیان گم صم سی بیڈ پر بیٹھی سوچوں میں مگن تھی۔

"ہار نہیں مانی لالہ،بس کچھ سوچ رہی ہوں۔"

پر سوچ لہجے میں کہتے تکیہ گود سے اٹھا کر بیڈ پر رکھا۔

اور کیا سوچ رہی ہو؟

خان دلاور اس سے ذرا فاصلے پر آبیٹھا،اسی کی جانب متوجہ تھا۔عیان پہلے دن ہی داؤ داور کرخئی ہی طبیعت کے بارے میں بھائی کو بتا چکی تھی۔

"مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے سی ایم سر میری طرف متوجہ ہونا چاہتے ہیں مگر شاید اپنی بیماری کی وجہ سے وہ مجھ سے ایسا رویہ رکھتے ہیں کہ میں انکے رویے سے دلبرداشتہ ہو کر ان سے دور رہوں۔"

یاسیت بھرا لہجہ اسکی چمک کو ماند کر رہا تھا۔

ہمم اور تم کیا کرنا چاہتی ہو؟

"پتا نہیں ابھی تک کچھ سوچا نہیں ہے۔"

سر جھکائے وہ انگلیاں چٹخا رہی تھی۔

بہن کو یوں دیکھ کر خان دلاور کے چہرے پر مسکراہٹ آئی تھی۔اسکا سر تھپکتے وہ اسے باہر لے گیا۔دونوں بہن بھائی اس وقت ایک مشہور چلپی کباب کی دکان پر بیٹھے چلپی کباب سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔سرد موسم میں بھاپ اڑاتے چلپی کبابوں کی خوشبو سارے ماحول میں پھیلی ہوئی تھی۔

"جانتی ہو محبت دنیا کا واحد اینٹی ڈوٹ ہے جس سے ہر بیماری ٹھیک ہو سکتی ہے۔"

اسے دیکھتے دلاور نے نرمی سے کہا۔عیان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"محبت بذاتِ خود ایک ہیلنگ پراسیس ہے۔اور کیا پتا عیان، داؤد اور کزنئی کی بیماری کا علاج عیان صفدر خان کو بنا کر بھیجا گیا ہو۔دیکھو نہ کیا کبھی تم سوچ سکتی تھی کہ ایک صوبے کا چیف منسٹر ایک متوسط گھرانے کی عیان سے شادی کرے گا۔سوچنے میں ہی کتنا افسانوی لگتا ہے۔پوری کہانی ذہن میں دہراؤ اگر تو دیکھو ایک لڑکی جس نے لارڈ کے خلاف لکھا لوگوں کو اس کے خلاف

مشتعل کیا مگر بدلے میں لارڈ نے اسے کچھ بھی نہیں کہا۔ بلکہ اسکی حفاظت کرتا رہا۔ اسکی پوزیشن کو کلئیر کیا۔ اسکی زندگی بچانے کی خاطر اس نے اسے اپنی زندگی میں شامل کر دیا۔ کیا کبھی تم نے سوچا ہے کہ ایسے روزانہ ہزاروں کیسسز ہوتے ہیں لوگ جب کسی لارڈ کے خلاف لکھتے یا بولتے ہیں تو اکثر لوگوں کا پھر نام نشان بھی نہیں ملتا۔ اور اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ ایسی چیزیں نظر انداز کر دی جاتی ہیں۔ مگر تمہارے ساتھ ان دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ نہ تم نظر انداز ہوئی اور نہ ہی قتل۔ بلکہ تم اس شخص کی زندگی میں داخل ہو گئی۔ یہ صرف اور صرف ڈیسٹنی کر سکتی ہے۔ تمہیں اللہ نے اس شخص کی زندگی میں لانا تھا تاکہ تم اسے ہِیل کر سکو۔ اسکا سہارا بن سکو تبھی تو تم سے اللہ نے اسے ملایا۔ تو اسے ہِیل کرنے کی کوشش کرو عیان۔"

دلاور پیچھے کو ہو کر بیٹھا۔ چہرے پر اطمینان تھا۔

"وہ اچھا انسان ہے عیان۔ باقی لوگوں سے بہت مختلف۔ اسکے گرد مخلص لوگ بہت کم ہیں مگر وہ خود بہت ہی پیور انسان ہے۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو گندگی میں رہ کر بھی خود کو اس گندگی سے دور رکھتے ہیں۔ اگر اس ملک نے اس سے وفا کی تو وہ ایک دن ضرور بدلاؤ لائے گا۔ مگر کنگ کے ساتھ کوئین

ہونی چاہیے جو اسکی ساتھی بن سکے۔ وہ کہیں بھی اکیلا نہ ہو۔اور تم وہ کوئین ہو عیان۔اور کوئین کبھی بھی کمزور نہیں ہوتی ہے وہ کنگ سے بھی بڑھ کر مضبوط اور معاملہ فہم ہوتی ہے۔"

آپ بہت عجیب باتیں کر رہے ہیں لالہ۔

ظاہر سی بات ہے ایسی بھاری بھر کم باتیں اسکے سر پر سے گزر گئ تھیں۔

"تم خود اتنی سمجھدار نہیں ہو اور نہ ہی تمہاری کوئی دوست ایسی سمجھدار ہو سکتی ہے جس پر بھروسہ کیا جائے اسی لیے میں تمہیں یہ سب بتا رہا ہوں۔ سب سے پہلے تم اپنے شوہر کو تحفظ کا احساس دلاؤ۔اسے یہ ماننے دو کہ تم اسکا کمفرٹ زون ہو۔اسے یقین دلاؤ کہ وہ جب تک تمہارے ساتھ رہے گا ٹھیک رہے گا۔جانتی ہو محبت میں عورت ماں کے جیسی بن جاتی ہے اور مرد چھوٹے بچے جیسا۔ محبت کو پہلے پالنا پڑتا ہے اس کے بعد محبت اپنا صلہ دیتی ہے۔ جو مطمئن اور پر سکون کر دیتا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں سمجھ گئ آپکی بات کہ مجھے ان پر اپنی محبت نہیں جتانی بلکہ یہ احساس دلانا ہے کہ دنیا میں انکا واحد کمفرٹ زون میں ہوں بس۔"

بالکل تمہیں ایسا ہی کرنا ہے۔

"مگر بھائی انکی بیماری؟اگر وہ کچھ ہی عرصے میں مجھے بھول گ ئے تو؟"

عیان کے انداز میں پریشانی تھی۔

"کسی بھی شخص کو بھولنے میں دماغ اکیس دن لیتا ہے۔یعنی صرف اکیس دن میں آپ کسی کے بھی دماغ سے نکل سکتے ہیں۔ مگر دل کے اصول الگ ہیں۔ دل کی یاداشت بہت مضبوط ہوتی ہے۔دماغ میں سمائے لوگ بھلائے جا سکتے ہیں مگر دل میں بسے لوگ نہیں بھولتے۔پھر چاہے اکیس دن ہوں یا اکیس سال دل کی یاداشت کبھی کمزور نہیں ہوتی۔تم اگر انہیں صرف محبت کا احساس دلاؤ گی تو انکے دماغ پر سوار رہو گی۔ لیکن تم انہیں فکر، مہربانی، احساس، عزت، سکون اور تحفظ کا احساس دلاؤ گی نہ تو تم ہمیشہ کے لیے انکے دل میں محفوظ ہو جاؤ گی۔وہ چاہ کر بھی تمہیں بھلا نہیں پائیں گے۔دماغ اگر انکی یاداشت سے تمہارا چہرہ مٹا دے گا نہ تو دل تب بھی تمہارا لمس یاد رکھے گا۔"

عیان کو لگا جیسے بہت بڑا بوجھ اسکے سر سے ہٹ گیا ہو۔وہ بالکل پر سکون ہو گئی تھی۔

"مگر بھائی اس کے لیے مجھے رخصتی کروانی چاہیے نہ۔"

عیان کے بے باک انداز پر دلاور نے اسے گھورا تھا۔

"تمہیں جتنا کہا ہے بس اتنا کرو رخصتی کا ایک دن وہ خود کہنے آئیں گے۔"

دلاور کے کہنے پر عیان اب کہ جھجھکی تھی۔ مگر اپنی خجالت چھپاتے وہ ابرو اچکا کر گویا ہوئی۔

"میرے شوہر کو میرے گھر کی دہلیز کا سوالی بنانا چاہتے ہیں۔"

دلاور اسکے سوال پر ہنس پڑا تھا۔

"تم واقعی بے وقوف ترین لڑکی ہو عیان۔ مجھے یہ یقین کر لینا چاہیے کہ اگر کبھی کہیں تم پھنس گئی تو تمہاری قسمت ہی تمہیں بچا سکتی ہے سمجھداری کے معاملے میں تم سے اس چیز کی امید نہیں کی جا سکتی ہے۔"

لالہ آپ بے عزتی کر رہے ہیں میری۔

وہ ناراض ہوئی تھی۔

"ہاں میں بے عزتی ہی کر رہا ہوں۔ تمہیں کوئین بننا ہے عیان اور کوئین کبھی بھی اپنے معیار سے نیچے نہیں آتی ہے۔ تم بس اتنا کرو جتنا تم سے کہا جائے۔ تمہارے پاس عقل نہیں ہے اسکا استعمال کرنے کی کوشش بے کار ہے۔"

لالہ۔۔۔

منہ پھلائے اس نے بھائی کو گھورا مگر وہ اثر نہ لیتے کندھے اچکائے کھانے میں مصروف ہو چکا تھا۔

نکھری نکھری صبح نے صوابی کے باشندوں پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ میٹھی سردی اور دھوپ کی تمازت موسم کو الگ ہی جلا بخش رہی تھی۔ ایسے میں اپنی سیاہ چادر کو سر پر اچھے سے جماتی عیان صفدر خان سی ایم ہاؤس میں داخل ہوئی تھی۔ وہ جو مسکراتی ہوئی اپنے ہی دھیان میں آگے بڑھ رہی تھی کتوں کے بھونکنے پر زور سے اچھلی تھی۔ اپنے دل پر ہاتھ رکھے اس نے کتوں کو گھورا تھا۔ داؤد اور کزئی جو ٹیرس پر کھڑے سارا منظر دیکھ رہے تھے عیان کی حرکت پر مسکرا کر رہ گئے۔

"شاید وہ کتوں پر بھی اپنے مالکانہ حقوق واضح کرنا چاہ رہی ہیں۔"

یہ وہ بے ساختہ سوچ تھی جو عیان کو دیکھتے انکے ذہن میں ابھری تھی۔ ٹھیک دس منٹ بعد نیاز نے ناشتہ لگنے کی اطلاع دی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ نیاز عیان کا ہی منتظر تھا۔ اب اسکے آنے کے بعد ہی وہ ناشتہ لگوا رہا تھا۔

سیاہ پینٹ کوٹ اور سیاہ ہی شرٹ پہنے وہ نک سک سے تیار سیڑھیوں سے نیچے اترے تھے۔انہیں سیاہ لباس میں دیکھ کر عیان کے دل میں عجب سا احساس ہوا تھا۔جبکہ نیاز نے مسکراہٹ دبائی تھی۔

"کیا آپ نے ڈیسائیڈ کیا تھا کہ دونوں آج ٹوئننگ کریں گے؟"

اسکی زبان میں کھجلی ہوئی تھی جسے داؤد اور کرزئی کی گھوری نے مٹایا تھا۔عیان جو یک ٹک ان پر نظر جمائے ہوئے تھے ان کے دیکھنے پر خجل سی ہوتی سر جھکا گئی۔

"یہ بس اتفاق ہے۔"

مختصر جواب دیتے وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ چکے تھے۔

"بڑا ہی پیارا اتفاق ہے۔"

عیان بے ساختہ ہی بڑبڑائی تھی۔وہ جو انہیں ناشتہ سرو کرتے بالکل قریب کھڑی تھی اسکی بڑبڑاہٹ انہیں واضح سنائی دی تھی۔مگر وہ چہرے پر بے پرواہی بھرے تاثرات سجاتے ناشتے میں مصروف ہو چکے تھے۔مگر دل ہی دل میں وہ مسکرا دیے تھے کہ یہ اتفاق یونہی تو نہیں تھا وہ جانتے تھے کہ عیان نے سیاہ لباس پہن رکھا ہے۔وہ جو عیان کو خود سے ،اپنی زندگی کے کڑوے

سچ سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ عیان کے نظروں کے سامنے آتے ہی سب بھول بھال جاتے تھے۔ جب تک عیان نظروں کے سامنے رہتی تھی داؤد اور کرزئ کے پورے وجود پر حاوی رہتی تھی۔ وہ اسکے علاوہ اور کچھ سوچتے ہی نہ تھے۔ مگر اس کے منظر سے ہٹتے ہی انہیں مستقبل کے اندیشے خوفزدہ کرنے لگتے تھے۔ وہ اپنے ہی دل کی کیفیات کو سمجھ نہ پا رہے تھے۔ دل تھا کہ عیان کی جانب ہمکنے لگا تھا مگر دماغ کی تاویلیں ختم ہی نہ ہوتی تھیں۔ مگر یہ تو طے تھا کہ جب تک عیان سامنے رہے گی تب تک دماغ پر دل حاوی رہے گا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ صبح صبح ٹیرس پر کھڑے اسکے آنے کے منتظر تھے۔ انہیں عیان کا اپنی زندگی پر حق جتانا اچھا لگنے لگا تھا۔ انہیں اپنی زندگی کی یہ تبدیلی بھانے لگی تھی۔ وہ جو ہمیشہ سے تنہا رہتے آئے تھے اب اس خوبصورت رشتے میں بندھ کر اسکے طلسم سے سحر زدہ ہونے لگے تھے۔

یہ رشتہ بہت ہی غیر محسوس طریقے سے ان میں تبدیلی لا رہا تھا جسے وہ فی الحال نوٹس نہ کر پائے تھے۔ مگر وہ جو انہی پر نظریں جمائے بیٹھی رہتی تھی بخوبی انہیں زندگی کی جانب پلٹتا دیکھ رہی تھی۔

یہ ایک سیاہ بادلوں سے گھرا سرد دن تھا۔ سرد ہوائیں پورے صوابی کو ٹھٹھرنے پر مجبور کر رہی تھیں۔

داؤد اور کرزئ کسی میٹنگ میں مصروف تھے کہ سی ایم ہاؤس سے آنے والی کال نے نیاز کو چونکایا۔

"ہیلو، جی چچا؟"

نیاز صاحب یہ بی بی جو روزادھر آتی ہیں کیا یہ ادھر ہی ہوا کریں گی اب؟

وہ خاصے ناراض معلوم ہوتے تھے۔ نیاز ذرا پریشان ہوا۔

"کیوں کیا ہوا سب خیریت ہے نہ؟"

"وہ کچن میں کھڑی صاحب کے لیے کھانا بنا رہی ہیں۔ لو بھلا بتاؤ میں ایسے کیسے کسی پر بھی اعتبار کر کے صاحب کے لیے کھانا بنانے دوں۔"

انکے انداز میں جھنجھلاہٹ تھی۔ جبکہ نیاز مسکرانے لگا۔

"انہیں بنانے دیں چچا۔ اور ہاں ذرا تہذیب سے پیش آیئے گا وہ بہت خاص ہیں۔"

نیاز کے لہجے میں احترام تھا۔

"کس کے لیے خاص ہیں؟"

وہ تفتیشی انداز میں گویا ہوئے۔

"سی ایم سر کے لیے۔"

نیاز نے بالآخر بتا ہی دیا۔ جبکہ چچا تو حیرت کا شکار ہوئے عیان کو مشکوک نظروں سے گھور رہے تھے۔ آخر خاص کیوں تھی وہ انکے صاحب کے لیے۔

عیان مسرور سی کابلی پلاؤ بنا رہی تھی۔ جب پہلی بار داؤد اور کزئ اسکے گھر آئے تھے تب انہیں اس کے ہاتھ کا پلاؤ بہت پسند آیا تھا۔ تبھی وہ آج پلاؤ بنانے میں مصروف تھی۔

"کچھ لوگ آپ کی زندگی کا انعام ہوتے ہیں۔"

دوسری جانب نیاز مسکراتے ہوئے بند دروازے کو دیکھتا سوچ رہا تھا۔ عیان کو سی ایم ہاؤس لانے کا فیصلہ بالکل صحیح تھا۔

داؤد اور کزئ میٹنگز بھگتا کر باہر نکلے۔ انکے انداز سے ہی تھکاوٹ ظاہر ہوتی تھی۔ سر سیٹ کی پشت پر گرائے انہوں نے آنکھیں موندرکھی تھیں۔

"اگلا شیڈول کیا ہے؟"

تھکاوٹ سے بھرپور لہجے میں انہوں نے سوال کیا۔جواباً نیاز آئی پیڈ کھول کر سر جھکا گیا۔

"سر آپ نے آج آفس کا چکر لگانا تھا۔"

اس کے علاوہ؟

وہ مختصر بات کرتے تھے۔

"بس اتنا ہی۔"

"صحیح۔"

کہتے ہوئے وہ باہر کی جانب دیکھنے لگے۔سڑکیں بارش سے بھیگنے لگی تھیں۔ ٹھٹھرتی ہواؤں نے صوابی کا موسم یخ بستہ کر دیا تھا۔نیاز نے ہاتھ بڑھا کر ہیٹر آن کیا تھا۔سیاہ چمچماتی گاڑیوں کا قافلہ او آر کے کمپنی کے باہر رکا تھا۔گارڈز تیزی سے باہر نکلتے مستعدی سے انکی گاڑی کے اطراف کھڑے ہوئے تھے۔ انکے بعد نیاز گاڑی سے نکلا اور سی ایم سر کے لیے دروازہ وا کیا۔اپنا کوٹ ٹھیک کرتے وہ باہر نکلے۔متوازن چال چلتے وہ دروازے سے اندر داخل ہوئے تھے۔انہیں صبح سے ہی آج کی ایک کام نپٹانے تھے۔آج کا شیڈول خاصا مصروف تھا۔بدلتے موسم نے صوابی میں اندھیرے کا راج کر دیا تھا۔تیز

چلتی ہواؤں کو دیکھتے نیاز کی پوری کوشش تھی کہ وہ وقت پر گھر پہنچ جائیں۔ مگر داؤد اور کرزئ کے کام زیادہ تھے۔ کچھ ہی دنوں میں فارن ڈیلیگیشن آنا تھا اس سے پہلے انہیں اپنے پراجیکٹ مکمل کرنے تھے۔ اپنے آفس میں بیٹھے کام کرتے وہ خاصے مصروف نظر آتے تھے۔ یہاں شیشے کی دیوار سے باہر جھانکو تو نیاز کے ہاتھوں میں موجود موبائل تھرتھرایا تھا۔

"لیڈی باس کالنگ۔"

نام جگمگاتا دیکھ نیاز نے وقت دیکھا۔ شام کے سات بج رہے تھے۔ گہری سانس بھرتے اس نے فون کان سے لگایا۔

"جی میڈم۔"

"وہ مجھے پوچھنا تھا کہ آپ لوگوں نے کب تک واپس آنا ہے۔"

وہ شاید کام سے فارغ ہو چکی تھی۔

"ابھی تو کچھ پتا نہیں ہے۔ سی ایم سر مصروف ہیں۔"

اسکے جواب پر وہ مایوسی کا شکار ہوئ تھی۔

"میں آپ کی بات کروا دیتا ہوں۔"

نیاز کو وہ اداس اچھی نہ لگی تھی۔ تبھی اگلے ہی پل دروازہ کھولتے وہ اندر کی جانب بڑھا۔

"سروہ میڈم کی کال ہے۔"

انکے سوالیہ انداز میں دیکھنے پر جواب دیتے فون انکی جانب بڑھایا۔ انہوں نے فون اس سے لیتے کان سے لگایا۔ حیرت بھی تھی۔ پہلے تو عیان کام کے دوران کال نہ کرتی تھی۔

"جی کہیں عیان۔"

وہ مکمل اسکی جانب متوجہ تھے۔ عیان سے ضروری اب کچھ بھی نہ رہا تھا۔ تبھی تو وہ اسکرین کی جانب سے کرسی بھی موڑ چکے تھے۔

"میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔"

اسکی نرم آواز انکی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ داؤد اور کرزئی کچھ لمحے خاموش ہوئے تھی۔ وہ انکا ٹانک تھی۔ جس کی آواز سے ہی وہ تھکاوٹ بھول گئے تھے۔ لبوں پر اب مدہم سی مسکان بکھری تھی۔

"مجھے تھوڑا وقت لگ جائے گا۔ آپ گھر چلی جائیں، موسم خراب ہو رہا ہے۔ میں ڈرائیور کو کہتا ہوں وہ آپ کو گھر چھوڑ دے گا۔"

کہتے ساتھ انہوں نے کال کاٹ دی تھی۔وہ ساحرہ تھی جو سحر زدہ کر دیتی تھی۔اوراس وقت داؤداور کزئ مسحور نہ ہونا چاہتے تھے۔انہیں ابھی بہت کام کرنا تھا۔

بیل بجاتے انہوں نے نیاز کو بلایا۔جو اگلے ہی لمحے بوتل کے جن کی طرح آن وارد ہوا تھا۔چہرے پر شرارتی سی مسکان تھی۔انہوں نے فون اسکی جانب بڑھایا۔

"ڈرائیور کو کہو عیان کو گھر چھوڑ دے۔"

نرمی سے حکم جاری کیا۔نیاز نے حیران نظروں سے انہیں دیکھا۔کیاانہوں نے عیان کوانکار کر دیا تھایا پھر وہ انجان تھے کہ عیان انکاانتظار کر رہی ہے۔

وہ کچھ کہے بغیر اثبات میں سر ہلاتا باہر کی جانب بڑھا۔

"کام کے دوران عیان کی کالز مجھ تک مت لایا کرو نیاز،انکی آواز مجھے ہر چیز سے غافل کر دیتی ہے۔یہ میرے لیےاور میرے کام کے لیے دونوں کے لیے ہی خطرناک ہے۔"

وہ بے بسی سے گویاہوئے۔نیاز سر ہلاتا باہر نکلا تھا۔

اسے عیان کے لیے برا لگا تھا۔ پلٹ کر اس نے داؤد اور کزئ کے چہرے کی جانب دیکھا۔ وہ دوبارہ کام میں مصروف ہو گئے تھے۔ کچھ سوچتے ہوئے وہ دوبارہ پلٹ کر انکی جانب آیا۔

دوسری جانب عیان انکے بغیر کچھ سنے فون رکھنے پر حد درجہ دلبرداشتہ ہوئی تھی۔ شام سے وہ کچن میں مصروف تھی مگر داؤد اور کزئ نے اسکی بات سننی بھی گوارا نہ کی تھی۔

"وہ مصروف ہوں گے عیان۔"

خود کو دلاسہ دیتے اس نے چادر ٹھیک کی۔ آنسو بے وجہ ہی گال پر لڑھکنے لگے تھے۔ جنہیں وہ بے دردی سے پونچھ رہی تھی۔ پھر انٹرکام اٹھاتے اس نے ڈرائیور کو اسے گھر چھوڑنے کا کہا تھا۔ وہ مصروف تھے گھر نہیں آسکتے تھے، انتظار بیکار تھا۔ ڈرائیور نے دروازے کے پاس آتے ہارن بجایا۔ عیان نے بے دلی سے سارا کھانا ڈھک کر رکھ دیا۔ چادر اچھی طرح سر پر جماتے وہ بیگ

لے کر باہر نکلی تھی۔ قدم شکستہ تھے، وہ جتنی بھی کوشش کر لیتی داؤد اور کرزئ کی مرضی کے بغیر انکی زندگی میں شامل نہ ہو سکتی تھی۔

گہری سانس بھرتے اس نے خود کو رونے سے باز رکھا۔ چادر نے اسکا آدھا چہرہ ڈھک رکھا تھا۔ گاڑی میں کھڑکی کے ساتھ لگ کر بیٹھی وہ مسلسل آنسو بہا رہی تھی۔ دل اس قدر دکھا تھا کہ آنسو رکنے کا نام نہ لے رہے تھے۔ باہر بارش زور و شور سے جاری تھی اور اندر عیان آنسو بہاتے اپنے گال بھگو رہی تھی۔ یکا یک گاڑی جھٹکے سے رکی تھی۔ وہ جو اپنا مکمل دھیان اپنی سوچوں میں لگائے ہوئے تھی گاڑی کے رکنے پر چونکی تھی۔ نظر اٹھا کر دیکھا تو سامنے کئ گاڑیاں ہیڈ لائٹس آن کیے راستہ روکے کھڑی تھیں۔ وہ حیران ہوئ تھی۔ جلدی سے اپنے آنسو پونچھتے وہ باہر دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اسکی طرف کا دروازہ کھلا۔ عیان بدک کر پیچھے ہوئ تھی۔ اسکے بالکل سامنے داؤد اور کرزئ آ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ جتنا حیران ہوتی کم تھا۔ بے یقینی کی کیفیت میں وہ باہر نکلی تھی۔ گارڈز گاڑیوں کے قریب رخ موڑے چوکس کھڑے تھے۔ وہ داؤد اور کرزئ کے گارڈز تھے، جان دے دیتے مگر داؤد اور کرزئ کی مرضی کے خلاف پلٹ کر نہ دیکھتے۔ بارش عیان کی چادر بھگونے لگی تھی۔

داؤداور کرزئ نے فوراً چھتری اسکے اوپر کی تھی۔اب وہ دونوں ایک ہی
چھتری تلے کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"آپ یہاں پر؟"
مسلسل رونے سے اسکی آواز بھاری ہو رہی تھی۔
"سردی میں بھیگیں گی تو بیمار پڑ جائیں گی۔"
اسکے سر پر ہاتھ جماتے وہ متفکر نظر آتے تھے۔عیان سرخ ہوتی سامنے دیکھنے لگی۔انکے سبھی گارڈز رخ موڑے کھڑے تھے۔عیان کو عجب سا احساس ہوا تھا۔

"آپ بھی تو بیمار ہو سکتے ہیں۔پھر اتنی بارش میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔
اور یہ راستہ تو سی ایم ہاؤس کے راستے میں نہیں آتا۔"
وہ یہاں وہاں دیکھتی بول رہی تھی۔انکی آنکھوں میں دیکھ کر بولنا مشکل تھا۔
انہوں نے اسکے گال پر ہاتھ رکھا تھا۔عیان ساکت ہوئ تھی۔اسکے لیے تو گردشِ دوراں تھم گئ تھی۔
اسکی روئ روئ آنکھیں دیکھتے انہوں نے خود پر ہزار بار ملامت کی تھی۔گہری سانس بھرتے وہ گویا ہوئے۔

"خود پر اتنا ظلم عیان؟"

وہ دکھ سے کہہ رہے تھے۔اسکے گال پر انگوٹھے کی حرکت صاف ظاہر کرتی تھی کہ وہ لاشعوری طور پر اسکے آنسو مٹادینا چاہتے تھے۔

عیان نے سر جھکالیا تھا۔انکا لمس اس سے زیادہ وہ سہہ نہیں سکتی تھی۔اسکے گال گلابی ہورہے تھے۔انہوں نے ایک لمحے کا توقف کیا تھا پھر اسکے جھکے سر پر چادر آگے کو کھینچی تھی۔عیان کے دل کی دھڑکن اسے کانوں میں سنائی دینے لگی تھی۔وہ اسے لیے اپنی گاڑی کی جانب بڑھے تھے۔نیاز نے انہیں آتا دیکھ فوراََ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا تھا۔عیان کو بٹھانے کے بعد وہ گھوم کر دوسری جانب آئے تھے۔چھتری نیاز کو تھماتے وہ اندر بیٹھے۔عیان نے چور نظروں سے انکی جانب تکا۔وہ جن کی گاڑی کا دروازہ تک کھولنے کے لیے گارڈز چاک وچوبند کھڑے رہتے تھے آج وہ برستی بارش میں اسکے لیے چھتری تھامے کھڑے تھے۔عیان کو ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے کسی سلطنت کا تاج اسکے سر پر رکھ دیا ہو۔نہیں بلکہ اتنی خوشی تو شاید اسے تب بھی محسوس نہ ہوتی جتنی داؤد اور کزئی کے پہلو میں بیٹھنے سے ہورہی تھی۔وہ سر جھکائے ہتھیلیاں مسل رہی تھی۔نیاز نے گاڑی ڈرائیور کو چلانے نہ دی تھی۔وہ خود

ڈرائیو کررہا تھا۔ جبکہ داؤد اور کرزئی اپنے سر درد کو نظرانداز کیے اسکے ہاتھوں کی حرکت دیکھ رہے تھے۔ تصور میں کچھ دیر پہلے کا منظر واضح ہوا تھا۔

"سر ہمیں چلنا چاہیے۔"

نیاز جاتے جاتے پلٹا تھا۔اس نے ڈرائیور کو کال نہ کی تھی۔ نیاز کے پلٹنے پر وہ حیران ہوئے تھے۔

"دوپہر میں جب آپ میٹنگ میں تھے تورشید چاچا نے مجھے کال کی تھی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ عیان میڈم کھانا بنارہی ہیں آپ کے لیے۔"

اسکی آنکھوں میں منت تھی۔ داؤد اور کرزئی کو اب اندازہ ہوا تھا کہ وہ عیان کو انجانے میں کتنا ہرٹ کر چکے ہیں۔ وہ فوراََ ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ نیاز عجلت میں انکی چیزیں سمیٹ رہا تھا۔

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا نیاز؟"

انکے لہجے میں فکر تھی۔ انکا بس نہ چل رہا تھا وہ اڑ کر گھر پہنچ جاتے۔ پتا نہیں یہ کیسا احساس تھا مگر وہ عیان کو ہرگز بھی ہرٹ نہ کرنا چاہتے تھے۔ سر میں

ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں مگر وہ نظر انداز کیے بس عیان کا اداس چہرہ تصور کر رہے تھے۔

وہ گاڑی میں بیٹھ کر نکلے ہی تھے کہ نیاز نے گھر کے فون پر کال ملائی۔

"ہیلو۔"

رشید چاچا کی آواز ابھری تھی۔

"ہیلو چاچا، عیان میڈم کہاں ہیں؟"

داؤد اور کزئی کی سماعتیں نیاز کی جانب ہی متوجہ تھیں۔

"وہ تو چلی گئیں ہیں۔"

چاچا کے بتانے پر نیاز کے چہرے پر مایوسی چھائی تھی۔ جبکہ داؤد اور کزئی کے سر میں مسلسل ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔ وہ انکے گھر سے ناراض ہو کر گئی تھی۔

وہ کیسے انسان تھے جو ہر بار اسے رلا دیتے تھے۔ نیاز نے ڈرائیور کو ہدایات دیں ساتھ ہی عیان کے ساتھ جانے والے ڈرائیور کو کال ملائی۔

کچھ ہی دیر میں انکی گاڑیاں عیان کی گاڑی کا راستہ روکے کھڑی تھیں۔ نیاز نے سکون کی سانس لی تھی۔ وہ عیان کے گھر پہنچنے سے پہلے پہنچ گئے

تھے۔ چھتری لے کر وہ باہر نکلا تھا۔گارڈز اطراف میں مستعدی سے پھیل گ ئے تھے۔

نیاز نے چھتری آگے کرتے داؤداور کرزئ کے لیے گاڑی کادروازہ کھولا۔ انہوں نے اسے منع کرتے چھتری لے لی تھی۔عیان کی گاڑی کی جانب بڑھتے انہوں نے پچھلادروازہ کھولا جہاں عیان حیرت ذدہ سی انہیں دیکھ رہی تھی۔

پورارستہ وہ کچھ بھی نہ بولے تھے۔نہ ہی عیان نے جھکا سر اٹھایا تھا۔اسکی چادر کچھ بھیگ گئ تھی۔جبکہ ہتھیلیاں سرخ ہورہی تھیں۔داؤداور کرزئ نے آج نوٹس کیا تھا۔اسکے ہاتھ بہت ہی نازک سے تھے۔گاڑی سی ایم ہاؤس میں داخل ہوئ تھی۔

داؤداور کرزئ فون کان سے لگائے ہوئے تھے۔

"ہیلو،میں داؤداور کرزئ بات کررہاہوں۔کیامیں عیان کوآج رات یہیں پر روک سکتاہوں؟"

وہ اجازت لے رہے تھے فون پر۔ عیان نے حیرت سے سر اٹھایا۔ وہ اسکی جانب متوجہ نہ تھے۔

"میں انکا پورا خیال رکھوں گا۔"

نرمی سے اسکے بابا سے اجازت لیتے وہ کس قدر دلفریب لگ رہے تھے۔ نیاز باہر ہی رک گیا تھا۔ وہ اندر نہ آیا تھا۔ اور اب جب عیان یہاں موجود تھی تو بھلا کس کی جرأت تھی کہ وہ گھر کے اندر داخل ہوتا۔

عیان مدھم سا مسکراتی ان کے ساتھ اندر داخل ہوئی تھی۔ فون بند کرتے انہوں نے پلٹ کر اسکی جانب دیکھا۔

"میرے ساتھ آئیں۔"

اسکا ہاتھ تھام کر وہ آگے بڑھے تھے۔ عیان تو آج جیسے ہواؤں میں تھی۔ وہ آگے نہ دیکھ رہی تھی۔ وہ تو بس انکے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیکھ رہی تھی۔ اسے لیے اپنے کمرے میں آئے تھے۔ عیان نے پہلی بار یہاں قدم رکھا تھا۔ وہ اندر ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئے تھے۔ جبکہ عیان چاروں اور نظر گھما رہی تھی۔ سیاہ، سفید اور گرے، یہی تین رنگ اس کمرے میں استعمال کیے گئے تھے۔ یہاں کی ہر چیز قیمتی اور اعلیٰ تھی۔ کمرہ انکی پرسنیلٹی کے عین

مطابق تھا۔انہی کی طرح نفیس اور شاندار۔آنکھوں کو تراوٹ بخشنے والا،انداز میں ٹھہراؤ لیے ہوئے۔

وہ ڈریسنگ روم سے باہر آئے تھے۔ہاتھ میں سیاہ شال تھی۔وہی جو عیان نے انہیں اپنی پہلی سیلری سے گفٹ کی تھی۔

"آپکی چادر بھیگ گئی ہے عیان،اسے بدل لیں۔"

وہ انکی مخصوص چادر تھی۔جو وہ اکثر اوڑھے رکھتے تھے مگر اس وقت وہ اسکی جانب بڑھائے ہوئے تھے۔عیان کے گال گلابی ہوئے تھے۔اس شخص کی نظروں سے کچھ بچ پانا ناممکن تھا۔عیان نے کپکپاتے ہاتھوں سے چادر تھامی تھی۔دل کی دھڑکن معمول سے بڑھی ہوئی تھی۔وہ انکی شال تھامے کھڑی تھی جسے وہ اس کو اوڑھنے کا کہہ رہے تھے۔پھر وہ واپس ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئے تھے۔عیان نے اپنی چادر اتارتے انکی چادر اوڑھی تھی۔

انکے پرفیوم کی خوشبو اسکے وجود کا احاطہ کرنے لگی تھی۔وہ آنکھیں بند کیے خود کو معطر کر رہی تھی۔کیا روئے زمین پر اس سے بھی خوش قسمت کوئی لڑکی ہو سکتی تھی بھلا۔وہ کتنی دیر سے وہاں کھڑی تھی اسے احساس تک نہ تھا۔انکے گلا کھنکھارنے پر وہ جیسے ہوش میں آئی تھی۔وہ اب کپڑے بدل چکے تھے۔

سیاہ قمیص شلوار میں ملبوس کف موڑے ہوئے وہ کتنے حسین لگ رہے تھے۔

کیا کوئی مرد بھی اتنا حسین لگ سکتا ہے کہ سامنے کھڑی عورت کے دل کی دھڑکنیں روک دے۔ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔اسکے سامنے کھڑا مرد اس بات کو سچ ثابت کر رہا تھا۔

کیا کوئی مرد بھی اتنا حسین لگ سکتا ہے کہ سامنے کھڑی عورت کے دل کی دھڑکنیں روک دے۔ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔اسکے سامنے کھڑا مرد اس بات کو سچ ثابت کر رہا تھا۔انہوں نے ہاتھ آگے بڑھایا۔عیان متذبذب کا شکار ہوئی تھی۔

"آپکی شال دے دیں، میں ہینگ کر دیتا ہوں۔"

بھاری گھمبیر، سحر انگیز لہجہ، عیان سو بار قربان نہ ہوتی تو کیا کرتی۔اس نے چادر مٹھی میں دبوچی۔

"مم مجھے بتادیں میں ہینگ کر دیتی ہوں۔"

میں خود کرنا چاہتا ہوں۔

انہوں نے جیسے اس کی سانسیں اپنی مٹھی میں بند کردی تھیں۔کانپتے ہاتھوں سے اس نے چادر انکی جانب بڑھائ۔اتنی نروس تو وہ ساری زندگی میں نہ ہوئ تھی۔وہ داؤد اور کزئ کے سحر سے مسحور ہورہی تھی۔

وہ ذرا سے اسکی جانب جھکے۔

"اتنی خوبصورت لگیں گی تو میرے لیے بہت مشکل ہو جائے گی عیان۔"

اسکے گال پر نرمی سے ہاتھ رکھے وہ سحر پھونک رہے تھے۔عیان نے سر نہ اٹھایا تھا۔گال مزید دہکنے لگے تھے۔داؤد اور کزئ کو اسکے چہرے سے نظر ہٹانا مشکل لگا تھا۔مگر پھر خود پر ضبط کرتے انہوں نے عادتاً عیان کا سر تھپکا۔

"میں نے سنا آج آپ نے میرے لیے کھانا بنایا ہے؟"

عیان نے ذرا سا سر ہلایا تھا۔وہ اسکی حرکت پر مسکرائے تھے۔

"سخت بھوک لگ رہی ہے۔"

ہلکے پھلکے لہجے میں انہوں نے کہا۔عیان فوراً سنجیدہ ہوتی سر اٹھا گئ۔

"آپ چلیں نہ میں کھانا لگاتی ہوں۔"

اسکے چہرے پر فکر دیکھتے داؤد اور کزئ کو جی بھر کر اس پر پیار آیا تھا۔

"آپ کھانا لگائیں میں آتا ہوں۔"

اسے کہتے وہ واپس ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گ ئے تھے۔ جبکہ عیان تیزی سے نیچے جاتی کھانا گرم کرنے لگی تھی۔اسکے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔

جبکہ اپنے کمرے میں واپس آتے داؤد اور کزئ نے جلدی سے دراز کھول کر اپنی میڈیسنز نکالی تھیں۔ سر درد برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔گولیاں پھانکتے انکے تاثرات ذرا نارمل ہوئے تھے۔انکی آنکھوں میں کرب تھا۔چہرہ اذیت کے مارے کملانے لگا تھا۔

"میں آپ کو کچھ بھی نہیں دے سکتا ہوں عیان، یہ کہاں لے آئ ہیں آپ ہم دونوں کو۔"

دونوں ہاتھوں سے بیڈ شیٹ دبوچے وہ سر اوپر کو اٹھائے ہوئے تھے۔آنکھیں بند کیے وہ خود کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

عیان ٹیبل پر کھانا لگا رہی تھی۔ جس وقت وہ مسکراتے ہوئے نیچے آئے۔

منظر بہت دلفریب تھا مگر داؤد اور کزئ کے دل میں ٹیس سی اٹھی تھی۔وہ مضبوط قدم اٹھاتے ڈائننگ ٹیبل تک آئے۔

"کیا بنایا ہے؟"

کابلی پلاؤ۔

اسکے اشتیاق سے کہنے پر انکے چہرے پر ستائش پھیلی تھی۔

"میں نے پہلی بار کسی عورت کے ہاتھ کا کھانا کھایا تھا۔اور مجھے بے حد پسند بھی آیا تھا۔سوچا نہیں تھا کہ وہ ذائقہ مجھے دوبارہ کھانے کو ملے گا۔"

انکے کہنے پر وہ گل و گلزار ہوئی تھی۔

"اگر آپ چاہیں تو میں ہر روز آپ کے لیے کھانا بنا دیا کروں گی۔ویسے بھی یہاں تو مجھے کچھ خاص کام ہوتا نہیں ہے۔"

اس نے انکی پلیٹ میں چاول ڈالتے بچوں کی سی معصومیت سے کہا۔داؤد اور کرزئی اسکی بات پر مسکرا دیے تھے۔

"اگر ایسا روز ہوا تو مجھے پھر کسی اور کے ہاتھ کا کھانا پسند ہی نہیں آئے گا عیان۔"

انہوں نے اسکے سرخ و سفید ہاتھوں کی جانب دیکھتے کہا۔انکی چادر میں وہ مکمل ڈھکی ہوئی تھی۔اتنی بڑی چادر کو وہ خود پر لپیٹے ہوئے بھی مکمل اطمینان میں تھی۔داؤد اور کرزئی کو اسے دیکھتے خوشگوار احساس ہوا تھا۔ملکیت کا احساس اتنا دلفریب ہوتا ہے انہیں اس کا اندازہ آج ہوا تھا۔مرد چاہے کتنی بھی سلطنتیں اپنی ملکیت میں لے لے اسکے چہرے پر وہ خوشی نہیں آتی جتنی

خوشی کا احساس ایک عورت کی ملکیت سے ہوتا ہے۔اس سرشاری کا کوئی نعم البدل نہیں تھا۔وہ اب پانی کا گلاس انکے سامنے رکھ رہی تھی۔داؤد اور کزئ نے چمچ کی جانب ہاتھ بڑھانا چاہا مگر ہاتھوں کی کپکپاہٹ نے ایسا ہونے نہ دیا تھا۔وہ حد درجہ پریشان ہوئے تھے۔ایسا تو پہلے نہ ہوا تھا کہ انکے ہاتھ کسی چیز کو پکڑ نہ پا رہے ہوں۔عیان جو کھانا سرو کر کے بیٹھی ہی تھی انکے چہرے کے زاویے دیکھتی ٹھٹھکی تھی۔داؤد اور کزئ مٹھی بھینچے ہوئے تھے۔چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔ایک لمحے میں وہ انکی کیفیت کو جان گئ تھی۔اس نے انکی بند مٹھی پر ہاتھ رکھا۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو کیا میں آپ کو اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلا سکتی ہوں؟ پلیز میں ان لمحوں کو بہت خوبصورت بنانا چاہتی ہوں۔"

اسکے لہجے میں التجا تھی۔داؤد اور کزئ کے چہرے کے تاثرات کچھ نارمل ہوئے تھے۔انہوں نے اثبات میں سر ہلاتے اجازت دی۔عیان چہرے پر ڈھیروں خوشی لیے چمچ میں چاول بھرنے لگی تھی۔گو کہ دل ہتھیلیوں میں دھڑکنے لگا تھا مگر اس وقت اپنی غیر ہوتی حالت سے زیادہ ضروری داؤد اور کزئ تھے۔انہوں نے ایک نوالہ اسکے ہاتھ سے کھایا تھا۔آنکھیں

دھندلانے لگی تھیں۔بے اختیار ہی انہوں نے اسکا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگایا تھا۔عیان بالکل ساکت سانس تک روک گئ تھی۔یکلخت ہی انکی آنکھوں سے چھلکتے آنسو عیان کے ہاتھ کی پشت پر گرے تھے۔وہ تڑپ ہی تو گئ تھی۔ فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہوتی وہ انکے پاس آئ تھی۔

"آپ ٹھیک ہیں نہ۔"

وہ سر اپنی بند مٹھی میں دبے اسکے ہاتھ پر ٹکائے ہوئے تھے۔عیان کی تو جان پر بن آئ تھی۔وہ اتنے کمزور کیوں ہو گئے تھے بھلا؟

"خان جی۔۔۔"

اسکے لبوں نے انہیں پکارا تھا۔انہوں نے سر اٹھایا۔وہ خود کو سنبھال چکے تھے۔

"میرے کمرے کے ساتھ والا کمرہ آپ کا ہے،آرام کریں۔"

اپنی جگہ سے اٹھتے وہ اسکی جانب نہ دیکھ رہے تھے۔عیان نے بے ساختہ ہی انکے بازو سے قمیص کو کھینچا۔وہ اسکی جانب دیکھنے لگے جو بچوں کی طرح منہ پھلائے کھڑی تھی۔

"ابھی تو اتنی تعریف کر رہے تھے،ایک نوالہ کھاتے ہی اٹھ گ ئے۔کیا اتنا برا کھانا بنایا میں نے۔"

وہ جس انداز میں پوچھ رہی تھی داؤد اور کرزیٔ کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔وہ نفی میں سر ہلاتے واپس بیٹھ گ ئے تھے۔

"سوری عیان، میں بس ذرا جزباتی ہو گیا تھا۔اکیلا رہتا آیا ہوں نہ اب تک، پتا نہیں تھا بیوی اتنا ایمو شنل کر دیتی ہے۔"

ہلکے پھلکے لہجے میں کہتے انہوں نے اپنی کیفیت کا اثر زائل کرنا چاہا۔

"بیوی صرف آپکی چادر اوڑھتی نہیں ہے، بلکہ بیوی آپ کی چادر ہوتی ہے۔ آپ کو ہر غم سے خود میں ڈھک کر چھپا دیتی ہے۔اس چادر پر بھروسہ کر کے تو دیکھیں۔"

اسکے لہجے کی مضبوطی دیکھ کر کہیں سے بھی لگتا نہ تھا کہ وہ کوئی بیس بائیس سالہ لڑکی ہے۔یہ تو ممتا کی سی شفقت لیے دنیا جہاں کی جہاندیدہ عورت لگتی تھی۔داؤد اور کرزیٔ اس سے متاثر ہوئے تھے۔انہوں نے اسکے گال پر ہاتھ رکھا۔

"میں دو بار کسی لڑکی سے متاثر ہوا ہوں عیان۔اور دونوں بار وہ لڑکی آپ ہی تھیں۔"

انکے کہنے پر اسکے چہرے پر دلفریب مسکراہٹ چھائی تھی۔ مسکراتے ہوئے وہ نوالہ انکی جانب بڑھانے لگی۔ جسے اس بار انہوں نے مسکراتے ہوئے کھایا تھا۔

"شکر ہے آپ نے کسی اور لڑکی کا نام نہیں لیا۔ورنہ اسکی خیر نہیں تھی۔ سی ایم سر کو صرف میں ہی امپریس کر سکتی ہوں اور کوئی لڑکی نہیں۔"

اس نے انہیں وارننگ دینی چاہی۔اسکے انداز پر وہ کھل کر ہنسے تھے۔ سر کا درد کہیں پیچھے جا سویا تھا۔ہر خوف، ہر اندیشے کو عیان نے داؤد اور کزئ سے دور کر دیا تھا۔وہ صحیح کہہ رہی تھی۔وہ انکی چادر تھی جس میں اس نے انکو ہر غم سے چھپا لیا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ اسے اپنی اسٹڈی میں لے آئے تھے۔

"کیا آپ کام کرنے والے ہیں؟"

اس نے منہ بسورا۔ مگر وہ مسکراتے ہوئے اسے لیے کھڑکی کی جانب آئے تھے۔ جہاں ایک بڑے ٹیبل پر گٹار رکھا تھا۔عیان کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

"کیا آپ گٹار بجاتے ہیں؟"

اسکی آنکھوں میں اشتیاق تھا۔

"اپنے کالج کے دنوں میں بہت شوق سے بجایا کرتا تھا۔اس کے بعد تو کبھی نہیں بجایا مگر آج دل چاہ رہا ہے ان تاروں کو چھیڑنے کا۔"

انکے چہرے پر چمک تھی۔ عیان کو خود پر فخر ہو رہا تھا۔خدا نے کتنا شاندار شخص اسکی قسمت میں لکھا تھا۔

اسے اپنے سامنے اسٹول پر بٹھا کر وہ دوسری جانب بیٹھے۔گٹار یونہی ٹیبل پر لٹا کر رکھا ہوا تھا۔اسے انہوں نے اٹھایا نہ تھا بلکہ وہ یونہی ٹیبل پر اسکی دھنیں چھیڑنے لگے تھے۔ بارش اب ہلکی رم جھم میں بدل چکی تھی یوں جیسے وہ ان دھنوں پر محوِ رقص ہو۔ عیان مسحور سی انکی انگلیوں کو تاروں پر حرکت کرتے دیکھ رہی تھی۔اسے انکے ہاتھ بے حد پسند تھے۔ابھری ہوئی رگیں لیے سڈول ہاتھ اسے بہت بھاتے تھے۔صاف ستھرے نفاست سے تراشے گئے ناخنوں کو دیکھتی وہ مسکرا رہی تھی۔ داؤد اور کزنز گٹار کی جانب متوجہ تھے۔یونہی تاریں چھیڑتے انہوں نے دھن بدلی تھی۔ عیان نے ذہن پر

زور ڈالنے کی کوشش کی تھی کہ یہ کونسی دھن تھی۔اگلے ہی پل وہ اسکے دماغ میں گونجنے لگا تھا۔ مسکراتے ہوئے وہ مدہم آواز میں گنگنانے لگی تھی۔

"خوارہ خوارہ راکوری پہ نظر کی می انغاری

امید دزندکی دہ غورولی می جولی دہ

جانان جانان"

گٹار کی دھنیں اور مدہم گونجتی نسوانی آواز، صوابی میں بنے اس سی ایم ہاؤس کو معطر کر رہی تھیں۔ تبھی سامنے بیٹھے مرد کی سحر کرتی آواز سنائی دی تھی۔ وہ مدہم سرگوشیوں میں اسی دھن کو انگریزی میں دہرا رہا تھا۔

Looking at me so sweetly folding into her eyes

Yearning for life, i have spread my lap

sweet heart, sweet heart

داؤد اور کرزئی عیان کو دیکھتے دھیمی آواز میں گنگنا رہے تھے۔ عیان کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ پشتون دھن پر انگریزی مکالمے گنگناتے ہیں۔ وہ حیران چہرہ لیے بیٹھی انہیں تک رہی تھی اور وہ اسکے تاثرات انجوائے کرتے دہرا رہے

تھے۔ باہر ہوتی رم جھم مسکراتی ہوئی محبت کا یہ روپ دیکھ رہی تھی۔ مدہم روشنیوں میں جگمگاتا اسٹڈی روم اور ہلکی بوچھاڑ میں بھیگتا صوابی دونوں ہی اس محبت کے امر ہونے کے خواہش مند نظر آتے تھے۔

"آپ کی آواز سحر کرتی ہے۔"

وہ ختم کر کے خاموش ہوئے تو عیان جذب کے عالم میں بولی۔ آنکھیں بند کیے بیٹھی وہ مسحور نظر آتی تھی۔ داؤد اور کزئی نے مسکراتے ہوئے اس چہرے کو دیکھا۔

"آپ کی موجودگی کا احساس سحر کرتا ہے۔"

عیان نے پٹ سے آنکھیں کھولیں۔ داؤد اور کزئی اسکی جانب نہ دیکھ رہے تھے۔ اسے لگا شاید اسکی سماعت کو دھوکہ ہوا ہے۔ تبھی وہ کچھ بولی نہ تھی۔

دونوں کے درمیان معنی خیز خاموشی چھائی تھی۔ تبھی عیان کو کچھ یاد آیا تھا۔

"میں آپکے سر میں مساج کروں کیا؟"

وہ جتنا حیران ہوتے کم تھا۔ یہ لڑکی یک دم کیسے بدلتی تھی انہیں سمجھ ہی نہ آتا تھا۔ وہ نفی میں سر ہلانے لگے۔

"بالکل نہیں میں نے آج تک یہ سب نہیں کروایا، اور نہ ہی میں کروانے والا ہوں۔ آپ سے تو بالکل بھی نہیں۔"

انکے صاف انکار پر وہ مایوسی سے سر جھکا گئی۔

"بابا اکثر مجھ سے مساج کرواتے ہیں، انکا کہنا ہے کہ عیان کے ہاتھ شفا والے ہیں۔"

وہ تاسف سے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ داؤد اور کزئی نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ یہ لڑکی انہیں حد درجہ بے بس کرتی تھی۔ اسکے چہرے پر دکھ دیکھنا انہیں سب سے مشکل لگتا تھا۔ تبھی وہ قدم قدم چلتے اسکے قریب آ کھڑے ہوئے۔

"مجھے اپنے لمس کا عادی مت بنائیں عیان، میں جنونی انسان ہوں اگر میں اس کا عادی ہو گیا تو میں اس لمس کو محسوس کرنے کے لیے کسی بھی حد سے گزر جاؤں گا۔ میں نے اپنا جنون اپنے ملک کے لیے وقف کر رکھا ہے، آپ اس جنون کا مرکز مت بنیں ورنہ آپ سہہ نہیں پائیں گی۔"

وہ بہت نرم لہجے میں اسے سمجھا رہے تھے۔ عیان نے اپنا سر اٹھایا، اسکی آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی۔ داؤد اور کزئی کو لگ رہا تھا کہ اگر یہ آنکھیں

چھلک پڑیں تو وہ خود کو کبھی معاف نہ کر سکیں گے۔اسکے سر پر ہاتھ رکھتے وہ بے بسی سے گویا ہوئے۔

"میں نے اتنا ضدی انسان آج تک نہیں دیکھا عیان۔آئیں میرے ساتھ۔"

اسے کہتے وہ باہر نکل گئے تھے۔جبکہ عیان مسکراہٹ دباتی انکے پیچھے چل دی تھی۔وہ اسکے لمس کا عادی نہ ہونا چاہتے تھے، مگر عیان تو ایسا ہی کرنا چاہتی تھی۔وہ انکی یاداشت میں نہیں انکے وجود میں رہنا چاہتی تھی۔تاکہ وہ اسے بھول کر بھی بھلا نہ سکیں۔یہ عیان کے علاج کا طریقہ تھا۔اور پھر اس نے خود ہی تو بتایا تھا کہ خان صفدر اسکے ہاتھوں کو شفا والے ہاتھ کہتے تھے۔

کچھ ہی دیر بعد اگر داؤد اور کرزئ کے کمرے میں جھانکو تو وہ بیڈ کے ساتھ نیچے کشن پر بیٹھے عیان کے انتظار میں تھے۔وہ شاید تیل کو ہلکا سا گرم کر رہی تھی۔تھوڑی ہی دیر میں وہ کمرے میں واپس آئی اور تیل کو سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔وہ بیڈ پر بیٹھنے سے جھجک رہی تھی۔ایسا کیسے ممکن تھا کہ داؤد اور کرزئ نیچے بیٹھتے اور وہ بیڈ پر۔

"کیا ہوا عیان؟"

انہوں نے اسے یونہی کھڑا دیکھ پوچھا۔

"کچھ نہیں۔"

نفی میں سر ہلاتے وہ سر جھکائے ہتھیلیاں مسلنے لگی۔ داؤد اور کزیٔ نے اسکا ہاتھ تھام کر بیڈ کی جانب اسے آنے کا کہا۔ وہ خود کو پر سکون کرتی بیڈ پر آ بیٹھی۔ اور وہ کسی بچے کی طرح نیچے اس کے بالکل پاس بیٹھے تھے۔ عیان کے احساسات عجیب ہو رہے تھے۔ مگر پھر خود کو ڈپٹتے اس نے تیل ہاتھوں میں لیا۔ داؤد اور کزیٔ سر جھکائے فون میں کچھ دیکھ رہے تھے۔ عیان نرم ہاتھوں سے انکے بالوں میں ہاتھ چلانے لگی۔ بس دو تین منٹ لگے تھے داؤد اور کزیٔ کو پر سکون ہونے میں۔ فون انہوں نے ایک طرف رکھ دیا تھا۔ وہ مکمل طور پر لطف لینے لگے تھے۔ آنکھیں بند کیے وہ عیان کے چلتے ہاتھوں کو محسوس کر رہے تھے۔

"عیان آپکے بابا بالکل ٹھیک کہتے ہیں، آپ کے ہاتھ واقعی شفا والے ہیں۔"

وہ اب بھی آنکھیں موندے ہوئے تھے۔ اپنی تعریف پر اسکے چہرے پر قوس وقزح کے رنگ بکھرے تھے۔ وہ اب ان سے اپنے بچپن کے قصے بیان کر

رہی تھی۔ جسے وہ مسکراتے ہوئے سن رہے تھے۔ انکے درمیان چھائی جھجھک کی دھند چھٹنے لگی تھی۔ دونوں کو ہی احساس نہ ہوا تھا کہ وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے انکے سر کا مساج کر رہی تھی۔ داؤد اور کزئی کو سر سے کوئی بوجھ ہٹتا محسوس ہوا تھا۔ یہ مساج کی وجہ سے تھا یا عیان کی موجودگی کی وجہ سے وہ فیصلہ نہ کر پائے تھے۔ مگر یہ تو طے تھا کہ عیان انکی ذات پر حاوی ہونے لگی تھی۔

صبح عیان اٹھی تو آٹھ بج رہے تھے۔ وہ حیران ہوئی تھی اتنی دیر کیا وہ سوتی رہی تھی۔ ساتھ ہی اسے سبکی بھی محسوس ہوئی۔

"کیا سوچیں گے سی ایم سر کہ میں اتنی دیر تک سوتی ہوں۔"

جلدی جلدی فریش ہوتے وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی۔ ساتھ والا کمرہ بند تھا۔ وہ اندازہ نہ کر سکی کہ آیا وہ کمرے میں موجود ہیں یا نہیں۔

سیڑھیوں سے اترتے وہ چونکی۔ سامنے ہی داؤد اور کزئی کچن میں ایپرن پہنے کھڑے دکھائی دیے۔ فریش فریش سے وہ بالکل تیار نظر آتے تھے۔ صوفے

پر ٹائی اور کوٹ پڑا تھا۔ شرٹ کے بازو موڑے وہ مہارت سے فرائنگ پین میں موجود آملیٹ ہوا میں اچھالتے پلٹ چکے تھے۔ حیران نظروں سے انہیں دیکھتی وہ کچن میں آئی۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"گڈ مارننگ۔"

ہلکا پھلکا انداز انکے اچھے موڈ کا گواہ تھا۔

"گڈ مارننگ۔"

وہ اب تک حیران تھی۔ اسے دیکھتے وہ ہنس دیے تھے۔

"میں نے سوچا کل آپ نے میرے لیے اتنا سب کیا، تو آج مجھے بھی کچھ اسپیشل کرنا چاہیے نہ۔ میری بیوی پہلی بار ہمارے گھر میں رکی ہیں تو کیوں نہ انہیں تھوڑا سا پروٹوکول دیا جائے۔"

اسکی جانب تکتے وہ شرارت سے بولے۔ عیان کا چہرہ گلابی ہوا تھا۔ مگر پھر وہ بھی ہنس دی تھی۔ یہ پروٹوکول لفظ تو انکی زندگی میں بہت ہی مستحکم حیثیت بنا چکا تھا۔ صوابی کی خوبصورت، پرنور صبح بھی یہ منظر دیکھتے مسکرائی تھی۔ اونچے سرو قد پیڑوں سے لپٹتی ہوا نے ماحول دلکش بنا رکھا تھا۔

داؤد اور کرزئ نے اسکے لیے فریٹاتا بنایا تھا۔اسکے سامنے رکھتے وہ اب اسے دیکھ رہے تھے۔عیان نے چھری کانٹے کی مدد سے ایک چھوٹا سا پیس کاٹ کر منہ میں رکھا۔چہرے پر ستائش بکھری تھی۔

"یہ تو بہت ہی مزیدار ہے، یہ ہے کیا؟"

اسکے چہرے سے دِکھتا تھا کہ اسے کس قدر پسند آیا تھا۔داؤد اور کرزئ کو لگتا تھا کہ کائنات کے سارے رنگ بس اس چہرے میں سمٹ آئے ہیں۔

"یہ اٹالین ڈش ہے فریٹاتا۔"

اپرن کھولتے انہوں نے بتایا۔وہ پر شوق سی ناشتہ کر رہی تھی۔اگر یہ پروٹوکول تھا تو بہت خوبصورت تھا،اور اگر یہ محبت تھی تو سحر انگیز تھی۔

"وہ لڑکی کون ہے نیاز، آخر وہ سی ایم صاحب کے اتنے نزدیک کیوں ہے؟اور وہ رات میں بھی یہاں رکی ہے؟"

نیاز باہر کسی کام میں مصروف تھا کہ رشید چاچا اسے ایک طرف لے جاتے استفسار کرنے لگے۔

"آپ نے کہا تھا کہ وہ خاص ہے۔"

انکے انداز میں بے چینی تھی۔نیاز نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں؟سی ایم سر کی زندگی میں ہم یا آپ دخل دینے والے کون ہوتے ہیں۔"

اس نے صاف اپنا دامن بچانا چاہا۔

"بات دخل کی نہیں ہے نیاز،اگر یہ سب ہمیشہ سے ہوتا تو مان لیتا میں۔مگر پہلی بار انکی زندگی میں کوئ لڑکی آئ ہے۔وہ اپنی مرضی سے انکی زندگی میں دخل دیتی ہے۔انکے لیے کھانا بناتی ہے۔انکے گھر میں رات گزارتی ہے۔اور صبح سی ایم صاحب اسکے لیے ناشتہ بھی بناتے ہیں۔اتنا سب تو آج تک سی ایم صاحب نے خود کے لیے بھی نہیں کیا۔"

وہ بے چینی سے بول رہے تھے جبکہ نیاز تو ناشتے والی بات پر ہی اٹک گیا تھا۔ سی ایم سر نے ناشتہ بنایا تھا۔مطلب انہوں نے خود عیان کے لیے ناشتہ بنایا تھا۔

"تو میرا فیصلہ صحیح تھا۔"

اسکے چہرے پر چمک تھی۔

"آپ انکی فکر کرنا چھوڑ دیں چاچا، بس اتنا یاد رکھیے گا کہ وہ سی ایم سر کے لیے
بہت خاص ہیں، بہت ہی خاص۔"
انہیں تسلی دیتے وہ چلا گیا تھا۔ جبکہ پیچھے وہ سر جھٹک کر رہ گئے تھے۔

"سی ایم صاحب نے خود اس عورت کے لیے ناشتہ بنایا۔ ہم جتنا سوچ رہے
تھے وہ عورت اس سے کہیں زیادہ تیز نکلی ہے۔"
ایک کمرے کے اندھیرے حصے میں ایک شخص کھڑا فون پر محوِ گفتگو تھا۔
"ہاں میں سمجھ گیا، جتنا زیادہ وقت گزرے گا چوٹ اتنی ہی گہری ہو گی۔"
فون رکھتے ہوئے اس شخص کے چہرے پر پراسرار سی مسکراہٹ تھی۔ صوابی
کی اس خوبصورت روشن صبح میں سازش کی بُو پھیلنے لگی تھی۔ جو داؤد اور کزئ
اور عیان کی زندگی میں بھونچال لانے والی تھی۔
دن یونہی سست روی سے گزر رہے تھے۔ عیان اور داؤد اور کزئ کی بے تکلفی
بڑھنے لگی تھی۔ وہ اکثر ان کے ساتھ بیٹھی باتیں بگھارتی رہتی۔ تو کبھی انکے
لیے چائے کافی بناتی۔ وہ اسکے مساج کے بھی عادی ہوتے جا رہے تھے۔ اور وہ
خوشی خوشی انکا ہر کام اپنے ہاتھوں سے کرنے لگی تھی۔ اتنا ہی نہیں وہ انکی

صحت کا بھی خوب خیال رکھ رہی تھی۔وہ روز صبح سویرے سی ایم ہاؤس آ دھمکتی اور زبردستی انہیں ایکسر سائز کا کہتی۔داؤد اور کرزئ کو اسکے دھونس بھرے انداز اچھے لگتے تھے۔وہ دلربا نہیں تھی جو دل بہلاتی،وہ ساحرہ تھی وہ ان پر سحر طاری کر رہی تھی۔

یہ ایک مہینے بعد کا منظر تھا۔صوابی کی یہ دوپہر بہت چمکیلی سی تھی۔ٹھنڈک کو ختم کرتی دوپہریں کافی پررونق تھیں۔ایسے میں عیان بھی اپنے گھر کے لان میں بیٹھی دھوپ سے لطف اندوز رہی تھی۔سی ایم سر شہر میں موجود نہ تھے تو وہ سی ایم ہاؤس جاکر کیا کرتی بھلا۔جامنی چادر سر پر لیے وہ مونگ پھلی چھیلنے میں مصروف تھی۔

"تو کیا پر گریس ہے پھر؟"

خان دلاور کالج سے ابھی آئے تھے۔گھر کے اندر جانے کے بجائے وہ وہیں اسکے پاس آبیٹھے تھے۔

"مونگ پھلی کھارہی ہوں۔لالہ آپ بازار گئے تو مالٹے بھی لے آنا۔"

دلاور نے تاسف سے عیان کو دیکھا۔

"میں تمہارے اور سی ایم سر کے رشتے کی بات کر رہا ہوں۔"

دلاور کی بات پر اسکے چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ بکھری تھی۔

"رشتہ بہت خوبصورت ہے بھائی۔"

وہ اتنے دنوں کے بعد بھی داؤد اور کزئ کے سحر سے نکل نہ پائی تھی۔ انکے ذکر پر ہمیشہ ہی اسکا چہرہ گلنار ہوتا تھا۔ دلاور نے اسکے ہاتھ سے چھلی ہوئی مونگ پھلی جھپٹی۔ وہ گھور کر دیکھنے لگی جواباً وہ کندھے اچکاتے لاپرواہی سے کھانے میں مصروف ہوگئے۔

"مجھے لگتا ہے سب ٹھیک ہو رہا ہے، اور میں چاہتی ہوں کہ سب کچھ ٹھیک ہی رہے۔"

کچھ ہی دیر میں وہ ناراضگی بھلائے پرجوش سی بتا رہی تھی۔ اسکا چہرہ پر اطمینان تھا۔ دلاور نے اسکی بات پر فوراً آمین کہا تھا۔

"ویسے لالہ مورے نے آپ کے لیے بھی لڑکی پسند کرلی ہے۔"

اسکے چہرے پر شرارت تھی۔ دلاور کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے مگر وہ عیان کے سامنے سنجیدگی لیے ہوئے تھے۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں، تم کچھ بتا رہی ہو۔"

"ہاں تو میں بتا رہی ہوں نہ، لڑکی تو بہت ہی پیاری ہے اور آپ کو پتا ہے وہ۔۔۔۔"

ابھی وہ مزید بھی کچھ کہتی کہ دلاور اسکے سر پر چپت لگاتے اندر کی جانب بڑھ گیا۔ بھر اپر امر د ہونے کے باوجود اپنی شادی کے ذکر پر اسکا چہرہ سرخیاں چھلکانے لگا تھا۔ جو وہ عیان کو تو بالکل بھی دکھانا نہ چاہتا تھا۔

زندگی یک دم ہی خوبصورت ہو گئی تھی۔ عیان داؤد اور کزئ کو یاد کرتے مسکرا رہی تھی۔ جانے وہ واپس کب آئیں گے۔ عیان کا تو ابھی سے ہی دل نہ لگ رہا تھا۔

داؤد اور کزئ بزنس ڈیل کی وجہ سے فرانس آئے ہوئے تھے۔ انہیں یہاں آئے دوسرا دن تھا مگر انکا دل واپس جانے کو ہمک رہا تھا۔ ان دو دنوں میں انہوں نے عیان سے بالکل بھی رابطہ نہ کیا تھا۔ وہ خود پر پہرے بٹھا رہے تھے کیونکہ بخوبی جانتے تھے عیان سے ایک بار بات کر لینا فرانس میں انکے دن مزید کٹھن کر دے گا۔

"اگر یہی سب چلتا رہا عیان تو پھر بہت مشکل ہو جائے گا میرے لیے سیاست اور بزنس کو سنبھالنا۔ہک ہا داؤد اور کزئ عشق نے تمہیں نکما کر دیا ہے۔"

ہوٹل کے کمرے کی کھڑکی میں کھڑے وہ پیرس کی رنگینیاں دیکھ رہے تھے۔ پھر فون اٹھا کر وقت دیکھا۔یہ عیان کے گھر جانے کا وقت ہوا کرتا تھا۔داؤد اور کزئ اپنے سارے کام اسکے جانے سے پہلے ہی نپٹا کر آجاتے تھے۔عیان کے ساتھ وقت گزارنے کے لیے انکا شیڈول ٹف ہو گیا تھا۔وہ دن بھر میں ایک ذرا بھی آرام نہ کرتے تھے۔انہیں یہ مشقت بھی منظور تھی کہ دن بھر کی تھکان تو عیان کا چہرہ دیکھتے ہی اتر جایا کرتی تھی۔انہوں نے اپنے فون کی گیلری کھولی جہاں عیان کی ڈھیروں تصویریں تھی۔اور سبھی تصاویر اسکی بے خبری میں لی گئ تھیں۔نکاح کی تصویریں بھی انکی گیلری میں موجود تھی۔ایک تصویر کھولتے وہ کتنے ہی لمحے اسکے چہرے کو دیکھتے رہے تھے، جہاں وہ کھلکھلا رہی تھی۔انکی انگلیاں اسکے چہرے پر حرکت کر رہی تھیں۔

داؤد اور کزئ نے پیرس سے عیان کے لیے ڈھیروں شاپنگ کی تھی۔وہ جہاں بھی جاتے وہاں سے عیان کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور خریدتے۔نیاز انکا یہ بدلاؤ بخوبی نوٹ کر رہا تھا۔ہر روز انہیں مال جاتے اور پھر لیڈیز کلیکشن کی

جانب جاتا دیکھ وہ مسکراہٹ ضبط کرتا انکے پیچھے بڑھ جاتا۔ وہ روز اسے یہی کہتے کہ انہیں خود کے لیے کچھ خریدنا ہے مگر وہ ہر بار ہی عیان کے لیے خریداری کرتے تھے۔ انہیں لیڈیز شاپنگ کا کچھ اندازہ نہیں تھا وہ کتنی بار نیاز سے پوچھتے، اسکے جواب سے مطمئن نہ ہوتے تو سیلز گرلز سے رائے لیتے اور پھر وہاں سے گزرتے لوگوں سے بھی رائے لیتے۔ وہ عیان کے لیے سب سے بہترین چیزیں لینا چاہتے تھے۔ بھلے ہی عیان ان سے پہلے محبت میں مبتلا ہوئی تھی مگر محبت داؤد اور کزئی پر زیادہ اثرانداز ہوئی تھی۔ کوئی انہیں دیکھ کر یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ یہ شخص ملک کے ایک اہم عہدے پر براجمان جانی مانی شخصیت ہے۔ اس وقت تو وہ ایک ایسے شخص معلوم ہوتے تھے جو اپنی بیوی کے عشق میں پُور پُور ڈوبا ہوا تھا۔

عیان پر یاسیت چھائی تھی۔ اتنے دن ہو گئے تھے داؤد اور کزئی کو گئے ہوئے مگر وہ اب تک نہ لوٹے تھے۔ اس نے نیوز پر بھی ان سے متعلق جاننے کی کوشش کی تھی مگر فی الحال انکی واپسی سے متعلق کوئی خبر نہ نشر کی گئی تھی۔

بے دلی سی بے دلی تھی جو اسکی ذات کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئی تھی۔

"عیان دھیان کدھر ہے تمہارا؟ کب سے فون بج رہا ہے۔"

دلاور نے اسکا دھیان بجتے فون کی جانب دلایا۔ جو کب سے بجتا اسکی توجہ کا خواہاں اب بند ہو چکا تھا۔

"آٹھ مسڈ کالز۔"

وہ یک دم چونک کر سیدھی ہوتی فون کو گھورنے لگی۔ داؤد اور کزئی کی آٹھ کالز وہ اگنور کر چکی تھی۔ اتنے دنوں بعد انکی کال اسے آئی تھی اور وہ بے وقوف جانے کس جہاں کی سیر کو نکلی ہوئی تھی۔

دوبارہ کال کرنے پر انکا نمبر مصروف مل رہا تھا۔ عیان کو رونا آنے لگا۔ وہ اتنی بے دھیان کیسے ہو سکتی تھی بھلا۔ آنکھیں یک دم ہی بھیگنے لگی تھیں۔ وہ یونہی دھندلی ہوتی نظروں سے فون کی اسکرین کو تکتی گیٹ کی جانب دھیان ہی نہ دے پائی۔ جہاں کھڑے داؤد اور کزئی دلاور سے مل رہے تھے۔

"آپ نے بتایا ہی نہیں کہ آپ یہاں آنے والے ہیں۔"

دلاور ان سے ملتا حیرت کا شکار تھا۔ کیا وہ عیان کو سرپرائز دینے کی خاطر یہاں آئے تھے۔

"سوری میں بس ابھی ہی صوابی پہنچا ہوں، گھر جانے سے پہلے سوچا عیان سے مل لوں۔"

انکے لہجے کی بے قراری محسوس کرتے دلاور کے چہرے پر مسکراہٹ چھائی تھی۔

"آئیں نہ پلیز اندر آئیں۔"

انہیں لیے وہ اندر کی جانب بڑھا مگر تبھی داؤد اور کرزئی کی نظریں لان کی جانب اٹھیں جہاں وہ ارد گرد سے بے خبر فون کی تاریک اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بے ساختہ ہی اس جانب بڑھے۔

"آپ اندر چلیں میں آتا ہوں۔"

نیاز کو دلاور کے ساتھ بھیج کر وہ دبے قدموں اسکی جانب بڑھے۔

"عیان۔"

وہ جو آنکھوں میں نمی بھرے رو دینے کو تھی، مہربان آواز پر فوراً سر اٹھایا۔ چہرے پر بے یقینی چھائی تھی۔ وہ اسکے بالکل سامنے کھڑے مسکرا رہے تھے۔

"خان جی۔"

آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے تھے۔وہ اٹھنے کے بجائے سر جھکا کر رونے لگی تھی۔وہ جو اسے سرپرائز دینا چاہتے تھے اسکے یوں رونے پر بوکھلا گئے تھے۔

"عیان کیا ہوا،آپ رو کیوں رہی ہیں؟"

اسکے سامنے قدموں میں بیٹھتے وہ تشویش میں مبتلا ہوئے تھے۔جواباً اُس نے یونہی روتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔داؤد اور کزئ نے اسکے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

"آپ پلیز اس طرح روئیں مت۔"

انہوں نے گویا اسکی منت کی۔عیان کو بھی اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا۔

"آپ پلیز نیچے مت بیٹھیں،میں بس ایموشنل ہو گئی تھی۔"

سر جھکائے اس نے ندامت سے جواب دیا۔داؤد اور کزئ اسکی حالت سمجھتے ذرا پر سکون ہوئے۔

"میں تو ڈر ہی گیا تھا،مجھے لگا شاید میری یہاں موجودگی کی وجہ سے آپ رو رہی ہیں۔"

عیان نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔"

ہاتھ انکے ہاتھوں میں قید تھے۔ تبھی گالوں پر اب تک آنسو چمک رہے تھے۔ اس نے نم آنکھوں سے انکی جانب دیکھا۔سیاہ شرٹ کے اوپری بٹن کھولے، کف موڑے وہ خاصے ہینڈ سم لگ رہے تھے۔ عیان نے یکلخت ہی ان سے نظر چرائی کہ انہیں اسکی ہی نظر لگنے کا گمان ہوا تھا۔انہوں نے یونہی بیٹھے ایک ہاتھ سے اسکے آنسو پونچھے۔

"آپ کو جانے یہ آنسو اتنے محبوب کیوں ہیں عیان۔ خوشی ہو یا غم یہ آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔"

ہاتھ کی پشت سے اسکے گال صاف کرتے انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔ عیان نے شرمندگی سے سر جھکایا۔

"سوری۔"

سوں سوں کرتا لہجہ داؤد اور کزئ کی اتنے دنوں کی یاسیت مٹا گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھے تو عیان بھی انکا ہاتھ تھامے کھڑی ہوئ۔ جامنی چادر اوڑھے وہ انکے کندھوں کے برابر آتی لڑکی داؤد اور کزئ کی سب سے محبوب ہستی تھی۔انہوں نے بے ساختہ ہی اسے خود سے لگایا۔

"میں نے آپ کو بہت مِس کیا عیان۔ سوچا نہیں تھا کہ آپ سے دور رہنا اتنا مشکل ہو گا کہ وقت ہی نہیں گزرے گا۔"

اسے خود سے لگائے وہ اپنے دل کو تراوٹ بخش رہے تھے۔ جبکہ عیان کی تو دھڑکنیں ساکت ہو چکی تھیں۔ کتنی ہی دیر وہ یونہی انکے ساتھ لگی کھڑی رہی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے تپتی دھوپ سے ٹھنڈی چھاؤں میں آ گئی ہو۔ انکا لمس اس قدر پر سکون تھا کہ اسے اپنے ارد گرد بہار پھوٹتی محسوس ہوئی۔

داؤد اور کرنئ شام کو انکے گھر سے روانہ ہوئے تھے۔ عیان کے تو پیر زمین پر نہ ٹک رہے تھے۔ اسکے باپ بھائی سے باتوں میں مصروف وہ اپنے کتنے ہی کام آج پس پشت ڈالے ہوئے تھے۔

وہ تو یوں بھی اس پر طلسم طاری کیے ہوتے تھے مگر جب وہ عزت و احترام سے اسکے ماں باپ سے ملتے ان سے مؤدب لہجے میں بات کرتے تو عیان کو داؤد اور کرنئ سے معزز مرد دنیا میں کوئی نہ لگتا۔ اسے خود پر فخر ہوتا کہ اللہ نے اتنا شاندار شخص اسکی قسمت میں لکھا۔

واپس جاتے وہ سب انہیں باہر تک چھوڑنے آئے تھے۔ داؤد اور کزئ عیان کے ساتھ ان سے پیچھے تھے۔ جبکہ نیاز دلاور اور خان صفدر سے باتوں میں مصروف آگے نکل گیا تھا۔ زخرف خاتون بھی انکے ہمراہ تھیں۔ عیان کے نرم و نازک ہاتھ کو انہوں نے اپنی گرفت میں لیا تو عیان نے سٹپٹا کر آگے جاتے اپنے گھر والوں کو دیکھا۔ داؤد اور کزئ اسکے یوں سٹپٹانے پر مسکراہٹ دبا گئے۔

"میری بیوی ہیں آپ، کوئی بھی مجھے آپ کا ہاتھ تھامنے سے روک نہیں سکتا عیان داؤد اور کزئ۔"

انہوں نے دانستہ اپنا نام اسکے نام کے ساتھ جوڑا۔ عیان نے سرخ ہوتا چہرہ جھکایا۔ ہتھیلی بھیگنے لگی تھی۔ وہ یونہی آہستگی سے چلتے باہر کی جانب بڑھے۔ عیان نے یک دم ہی اپنا ہاتھ پیچھے کو کھینچا۔ وہ اسکے یوں عجلت دکھانے پر ہنس دیے تھے۔ مگر پھر اسکے گھر والوں سے الوداع کرتے ایک استحقاق بھری نظر اس پر ڈالتے روانہ ہو گئے۔ جبکہ عیان تو اب تک اپنے اس ہاتھ میں حدت محسوس کر رہی تھی جو انکی گرفت میں تھا۔

"اندر آجاؤ عیان ٹھنڈ لگ جائے گی۔"

دلاور کے کہنے پر وہ ہونٹ کاٹتی اندر بڑھ گئ۔دل یک دم اداس ہونے لگا تھا۔ اتنی سی دیر انکے ساتھ رہنے سے بھلا اسکا دل کیسے بھرتا۔اسکی تو ابھی آنکھیں بھی انہیں دیکھتے سیر اب نہ ہو سکی تھیں۔اندر آکر وہ سارا سامان کھول کر دیکھنے لگی جو وہ اسکے اور اسکے گھر والوں کے لیے لائے تھے۔اپنے لیے اتنا سارا سامان دیکھ کر وہ عجب احساسات کا شکار ہوئ تھی۔یہ سارے تحفے اس بات کے گواہ تھے کہ عیان داؤد اور کزئ کے حواسوں پر کس قدر چھائ رہی تھی۔ اور وہ اسے کتنا یاد کرتے رہے تھے۔

اپنے سبھی تحفے اپنے کمرے میں اچھی طرح سیٹ کر کے وہ اب سکن پراڈکٹس دیکھ رہی تھی۔ایک ایک چیز برینڈڈ اور قیمتی تھی۔اس نے ایک لوشن اٹھاتے اپنے ہاتھوں پر لگایا۔ بھینی بھینی خوشبو محسوس کرتے وہ ہلکے ہاتھوں سے مساج کر رہی تھی۔چہرے پر الوہی سی مسکراہٹ چمک رہی تھی۔ہاتھ یک دم ہی ملائم ہو گۓ تھے۔اس نے مسکراتے ہوۓ اپنے ہاتھوں کو دیکھا جن میں گلابی پن چھلکنے لگا تھا۔ تبھی اسکی آنکھوں میں وہ منظر آسمایا جس وقت داؤد اور کزئ نے اسکا ہاتھ تھاما تھا۔عیان کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہاتھ ابھی

بھی ان کے ہاتھ میں قید ہو۔وہ اپنے خیالوں میں اتنی گم تھی کہ بجتے فون کی جانب توجہ ہی نہ دے پائی۔

فون ایک بار پھر بجنے لگا۔حواسوں میں لوٹتے وہ چونکی۔رخ پھیر کر بیڈ پر پڑے فون کو دیکھتے ہڑ بڑا کر اٹھی۔

توقع کے عین مطابق وہ ایک بار پھر داؤد اور کزئ کی کالز مس کر چکی تھی۔

کال دوبارہ آرہی تھی اس بار اس نے فوراََ ہی ریسیو کی۔

"السلام علیکم۔"

اسکی پر سکون آواز نے داؤد اور کزئ کو جیسے سکون کی دنیا میں لا دھکیلا تھا۔

"وعلیکم السلام۔"

بھاری گھمبیر آواز میں جواب دیتے وہ شاید فرصت سے بیٹھے تھے۔

"سوری مجھے پتا نہیں چلا آپکی کالز کا۔"

اس نے فوراََ معزرت کی۔کچھ آج ان کے ساتھ گزرے حسین پل کا بھی اثر تھا کہ عیان کی آواز مدھم ہو گئ تھی۔مگر دوسری جانب وہ اتنی خاموشی سے اسکی آواز سن رہے تھے کہ اگر وہ سرگوشی بھی کرتی تو انہیں سنائ دے

جاتی۔اسکی بات پر ان کے لب مسکرائے تھے۔بیڈ سے ٹیک لگاتے وہ ریلیکس ہو کر بیٹھے۔

"کوئی بات نہیں، مجھے پتا ہے آپ پہلی کال پر کبھی جواب نہیں دیتی ہیں تبھی تو لگاتار کال کرتا ہوں آپ کو۔"

وہ جیسے اسکی حالت سے محظوظ ہوئے تھے۔جبکہ عیان نے لب دانتوں تلے دبائے۔سچ ہی تو کہہ رہے تھے کیا مجال کہ اس نے کبھی انکی پہلی کال پر ہی رسپونس دیا ہو۔

"پتا نہیں عیان تم اتنی بے وقوف کیوں ہو؟"

اس نے خود کو سرزنش کی۔

"عیان۔۔۔"

انکی گھمبیر آواز پر عیان کی دھڑکنیں بڑھی تھیں۔

"جی۔"

سر جھکائے وہ یوں انکی بات سن رہی تھی جیسے وہ فون پر نہیں بلکہ اس کے سامنے ہوں۔

"I wanna see you"

آنکھیں موندے انہوں نے جیسے بے بسی سے کہا تھا۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے تو وہ اس سے مل کر آئے تھے۔ مگر طلب تھی کہ مٹ نہ رہی تھی۔ جبکہ عیان تو اپنی دھڑکنوں کو سنبھالتی گلابی پڑ رہی تھی۔ اتنی بے اختیاری تو داؤد اور کزنز کی جانب سے کبھی دیکھنے کو نہ ملی تھی۔ یا پھر یہ اتنے دنوں کی دوری کے بعد ملنے کا اعجاز تھا کہ وہ بے اختیار ہو گئے تھے۔

"پتا نہیں میں پہلے دن سے آپ کے معاملے میں خود کو اتنا بے بس کیوں محسوس کرتا ہوں۔"

اسکی خاموشی پر وہ گہری سانس بھرتے کہہ رہے تھے۔ عیان کو تو سمجھ ہی نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا بات کرے۔

"آپ مجھے سن رہی ہیں نہ عیان؟"

اسکی خاموشی محسوس کرتے وہ بے چین ہوئے تھے۔

"آپ ہی کو تو سن رہی ہوں خان جی۔"

سر جھکائے اس نے اقرار کیا تھا۔ جواباً وہ کچھ نہ بولے تھے۔ شاید وہ اسے سننے سے بھی زیادہ اس وقت محسوس کرنا چاہتے تھے۔

"Ayaan May I..."

کیا آپ کو لگتا ہے خان جی کہ آپ عیان کو کچھ کہیں گے اور وہ انکار کرے گی؟

معصوم لہجے میں سوال کرتی اس لڑکی پر داؤد اور کزئ کو ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔ لبوں پر دلفریب مسکراہٹ چھائ تھی۔ اگلے ہی پل ان کی ویڈیو کال آنے لگی تھی۔ عیان نے فوراََ اپنے گال تھپتھپاتے خود کو پر اعتماد ظاہر کیا۔ فون سامنے رکھے وہ اب سر جھکائے بیٹھی انگلیاں چٹخا رہی تھی۔ داؤد اور کزئ کتنے ہی لمحے اس خاموشی سے تکتے رہے تھے۔ دونوں کے درمیان معنی خیز خاموشی چھائ تھی۔ عیان نے ایک بار بھی سر نہ اٹھایا تھا۔ اور داؤد اور کزئ نے ایک پل کے لیے بھی اس پر سے نظریں نہ ہٹائ تھیں۔

"عیان۔۔۔"

ان کی بوجھل آواز ابھری تو عیان نے جیسے سانسیں بھی روک لیں۔ ہاتھوں کی حرکت ساکت ہوئ تھی۔

"انگلیاں مت چٹخایا کریں۔"

انہوں نے تاسف سے اسکی سرخ ہوتی انگلیوں کو دیکھا۔ اپنے مومل ہاتھوں پر کتنا ظلم کرتی تھی یہ لڑکی۔ اس نے نظر اٹھا کر انکی جانب دیکھا۔ گرے لباس

میں ملبوس کافی آرام دہ حلیے میں وہ اسی کی جانب متوجہ تھے۔ کف کہنیوں تک موڑ رکھے تھے جبکہ کلائی کی زینت بنتی گھڑی اس وقت موجود نہ تھی۔

عیان نے فوراً نظریں جھکا دیں۔ اتنے دنوں کی دوری کا اثر تھا کہ وہ پھر ان سے جھجھکنے لگی تھی۔ یا جزبات کا بہاؤ بڑھنے لگا تھا جو عیان کو پر اعتماد نہیں رہنے دے رہا تھا۔

"آپ کو گفٹس پسند آئے؟"

انہوں نے اسکے ساتھ ساتھ اپنا دھیان بھی بھٹکانا چاہا۔ عیان کے لبوں پر بہت خوبصورت مسکراہٹ بکھری تھی۔ پر جوش ہوتے اس نے فوراً سر اٹھایا۔

"سب گفٹس بہت اچھے ہیں۔ میں نے تو سب سیٹ بھی کر دیے ہیں۔ "

اس نے فوراً کیمرہ گھماتے انہیں انکے دیے سارے گفٹس دکھائے۔ وہ مکمل توجہ سے اسکی خوشی دیکھ رہے تھے۔

"آپ نے پرفیومز نہیں چیک کیے۔"

عیان نے سر پر ہاتھ مارتے فوراً کیمرہ گھمایا۔ اس شخص کی نظروں سے کچھ بچ پانا ناممکن تھا۔ وہ کیمرہ اپنی جانب کیے بیڈ پر آ بیٹھی تھی۔ فون تکیے سے

ٹیک لگا کر رکھے وہ پیچھے ہو کر بیٹھی تھی کہ داؤد اور کزئ کو وہ پوری نظر آ رہی تھی۔

"یہ وہ پرفیومز نہیں ہیں جو آپ لگاتے ہیں۔"

اس نے ایک نظر ڈریسنگ ٹیبل پر ڈالتے انہیں جواب دیا۔

"ہاں کیونکہ یہ لیڈیز پرفیومز ہیں۔"

مگر مجھے وہی خوشبو پسند ہے جو آپ کے ہونے سے محسوس ہوتی ہے۔

اسکا دھیان ڈریسنگ ٹیبل کی جانب تھا، تبھی احساس نہ ہوا کہ کیا بول گئ ہے۔

جبکہ داؤد اور کزئ اسکی بات پر مسکرانے لگے تھے۔وہ ان کے لیے ایسی ہی دیوانی تھی وہ جانتے تھے۔مگر ہر بار ایک نیا احساس ہوتا تھا اسکی محبت پر۔

"وہ میرا مطلب۔۔۔"

رہنے دیں، یہ سننے میں زیادہ اچھا لگ رہا ہے مطلب نہیں جاننا مجھے۔

سر تلے بازو رکھے وہ فرصت سے اسے تکنے میں مصروف تھے۔عیان نے سر جھکا لیا تھا۔

"آپ میری طرف کیوں نہیں دیکھ رہیں۔"

انہیں اچانک ہی خیال آیا تھا۔عیان نے نفی میں سر ہلایا۔دیکھا اب بھی نہ تھا انکی جانب۔

"عیان۔"

میرا چہرہ بہت گلابی ہو رہا ہے۔

اس نے جیسے اعتراف کیا تھا۔داؤد اور کرزئ اسکی بات پر حیران ہوتے اٹھ بیٹھے۔

"گلابی ہو رہا مطلب؟"

وہ جو اسکے چہرے کو ہی دیکھ رہے تھے ایک سیکنڈ میں اسکی بات کا مطلب سمجھتے ہنس دیے تھے۔

"عیان آپ اتنی کیوٹ کیوں ہیں؟"

وہ واقعی جاننا چاہتے تھے۔عیان نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر انکی جانب دیکھا۔وہ سر کو بازو کی مدد سے ذرا اونچا کیے ہوئے اسے دیکھنے میں مصروف تھے۔اتنی دیر سے انہوں نے ایک پل کے لیے بھی اس پر سے اپنی نظریں نہ اٹھائ تھیں۔

"آپ ایسے نہ دیکھیں مجھے۔"

اس نے دوبارہ سر جھکایا۔ چادر کو ماتھے تک کھینچ لیا۔ وہ خاموشی سے متبسم چہرہ لیے اسکی ہڑبڑاہٹ دیکھ رہے تھے۔

“I love you Ayaan.”

عیان کو لگا جیسے زمین کی گردش رک گئ ہو۔ چادر کو پکڑے اسکا ہاتھ ہوا میں ہی معلق ہو گیا تھا۔ بے یقینی سے اس نے نظر اٹھا کر انکی جانب دیکھا۔ جن کی آنکھوں میں جزبات کا سمندر موجزن تھا۔ عیان بنا پلکیں جھپکائے انہیں دیکھ رہی تھی۔ جبکہ داؤد اور کزئ نے بے خودی کی کیفیت میں ہاتھ فون کی جانب بڑھاتے جیسے اس کے چہرے کو چھونا چاہا تھا۔

"ذہ تا سرہ مینہ کوم عیان اور کزئ۔"

وہ برف ہوئ اس شہزادی کو زندگی بخش رہے تھے۔ جس نے اپنی آنکھوں ہی کیا دل کی حرکت کو بھی روک رکھا تھا۔

"داؤد اور کزئ کو آپ سے محبت ہو گئ ہے عیان داؤد اور کزئ۔"

وہ اسکے چہرے پر ماتھے سے ٹھوڑی تک اپنی انگلیاں چلا رہے تھے۔ جیسے اسکے چہرے کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے چھو رہے ہوں۔

"عیان۔۔۔"

یک دم انہیں احساس ہوا کہ جیسے وہ سانس لینا بھی بھول گئ ہے۔

"عیان۔۔۔"

فون ہاتھ میں پکڑے وہ اٹھ بیٹھے۔ عیان یک دم چونکی تھی۔ آنکھیں دھندلانے لگی تھیں۔ داؤد اور کزئ جو اسے حرکت کرتا دیکھ پر سکون ہوئے تھے۔ اسکی چھلکتی آنکھیں دیکھ کر تاسف زدہ رہ گ ئے تھے۔ آخر اتنا کیوں روتی تھی یہ لڑکی۔ عیان باقاعدہ اب سسکنے لگی تھی۔ داؤد اور کزئ اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے اسے سسکتا دیکھ خود کو ملامت کر رہے تھے۔

عیان جو بہت سارو چکنے کے بعد ذرا سنبھلی تو اسے داؤد اور کزئ کا خیال آیا۔ وہ ہونٹوں پر مٹھی رکھے بے بسی سے اسے روتا دیکھ رہے تھے۔

"خود پر اتنا ظلم عیان؟ "

اس نے بے ساختہ ہی نفی میں سر ہلایا۔ چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ داؤد اور کزئ اس دھوپ چھاؤں منظر کو دیکھ رہے تھے۔

"میں نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ میں آپ سے کبھی اپنے لیے یہ سن پاؤں گی۔"

اپنی آنکھیں رگڑتے وہ مسکرا رہی تھی۔

"محبت کے اظہار پر کون روتا ہے عیان۔"

بالوں میں ہاتھ پھیرتے انہوں نے خود کو پرسکون کرنا چاہا۔عیان نے خود کو ملامت کی۔وہ کیوں ہر بار انہیں پریشان کر دیتی تھی۔

"آئی ایم سوری۔"

سر جھکائے وہ اپنی انگلیاں مسل رہی تھی۔

"کیا میں آپ کو لینے آؤں؟"

انہوں نے جیسے خود سے ہار مان کر سوال کیا۔عیان نے بے ساختہ اپنی بھیگی پلکیں اٹھائیں۔ان کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ اسکے ایک بار کہنے پر ہی اسے لینے آ پہنچیں گے۔ تبھی اس نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"آپ سوچ رہے ہوں گے عیان کتنی بے وقوف ہے۔"

اسے نئی پریشانی نے آگھیرا۔داؤد اور کزئی نے گہری سانس بھرتے تاسف سے سر ہلایا۔

"آپ کے آنسوؤں سے کسی دن میری جان جائے گی۔"

اتنی پریشانی کا ہی اثر تھا کہ انکے سر میں ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔جبکہ انکی بات پر عیان نے تڑپ کر سر اٹھایا۔

"اللہ نہ کرے خان جی، ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں آپ؟"

وہ تڑپ ہی تو گئ تھی۔ دل سہم گیا تھا انکی بات پر۔

"میں نے آپ کو کہا تھا عیان میں جنونی شخص ہوں۔ میرے جنون کا محور

مت بنیں۔"

وہ چند لمحوں کی بے اختیاری جیسے ختم ہو گئ تھی۔ وہ ایک بار پھر جیسے اپنے

خول میں سمٹنے والے تھے۔ عیان کو حد درجہ تاسف نے آگھیرا۔ اس نے خود

کو ہزار بار ملامت کی تھی۔

"خان جی۔۔۔"

میں ہماری شادی اناؤنس کرنا چاہتا ہوں۔

عیان کتنے ہی لمحے بول ہی نہ سکی۔ وہ دوبارہ اسکی جانب متوجہ ہو چکے تھے۔

"میں ہمیشہ سے اکیلا رہتا آیا ہوں عیان، مگر اب لگتا ہے جیسے ایک ادھورا پن

سا زندگی میں آگیا ہے۔ یہ کیسا جادو کیا ہے آپ نے مجھ پر، کہ مجھے اب آپ

سے پیارا اور کوئ نہیں لگتا۔ میں آپ کے بغیر خود کو ادھورا تصور کرنے لگا

ہوں۔ میرا دل آپ کی خواہش کرنے لگا ہے عیان اور کزئ۔ کیا آپ میرے

عہد سے آزاد ہو کر مجھے مکمل کریں گی؟ میرے دل کی اس خواہش کو پورا کریں گی عیان؟"

عیان نے بے ساختہ اقرار میں سر ہلایا۔ گو کہ آنکھیں اب بھی بھیگنے کو بیتاب تھیں۔ مگر اس بار اسے پہلے والی بیوقوفی نہیں کرنی تھی۔ جھلمل کرتی آنکھیں اور مسکراتا چہرہ لیے بے وقوف سی عیان زور و شور سے اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔ داؤد اور کزئ اسکا معصوم انداز دیکھ کر مسکرا دیے تھے۔

"وعدہ؟"

حالانکہ وہ جانتے تھے کہ انہیں اس وعدے کی ضرورت نہ تھی۔ کہ عیان تو دل جان سے انہیں اپنانے کو تیار تھی۔ مگر اس لڑکی کو اپنے عہد میں باندھنا انہیں مسرور کر رہا تھا۔

عیان نے اپنا ہاتھ آگے کرتے فون پر رکھا۔ داؤد اور کزئ نے بھی دوسری جانب عیان کی طرح اپنا ہاتھ فون پر رکھے اس سے وعدہ لیا تھا۔ صوابی کا خوشگوار موسم اپنی مسرتیں ان دو نفوس پر نچھاور کر رہا تھا۔ محبت کا یہ منظر جیسے ہوا میں تازگی بکھیر گیا تھا۔ فون بند کرتے داؤد اور کزئ نے اپنی میڈیسنز لی تھیں۔ عیان کی خاطر وہ اپنا خیال رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

تکیے پر سر رکھتے انہیں ایک خیال آیا تھا۔

"کیا میں نے عیان کے ساتھ ذیادتی کر دی۔ مجھے اسے اس عہد میں نہیں باندھنا چاہیے تھا۔"

وہ بے چینی سے اٹھ کر بیٹھ گ ئے۔ انہیں اپنے اظہار پر افسوس ہو رہا تھا۔ انکی بگڑتی حالت بھلا عیان کیسے سہہ پائے گی۔ جو انکے اظہارِ محبت پر رونے لگی تھی وہ انکے بھول جانے پر کیسی قیامت سے گزرے گی۔ پریشانی ان کے لیے ناسور تھی۔ مگر وہ فکر میں مبتلا اپنے درد کو بڑھتا محسوس کرتے ہوئے بھی اسے ہی سوچے جا رہے تھے۔

صوابی پر نکھری نکھری سی صبح اتری تھی۔ یہ باہر کے موسم کا کمال تھا یا عیان کے دل کے موسم کا کہ اسے سب کچھ ہی اچھا لگ رہا تھا۔ گاڑی میں بیٹھی وہ سارا رستہ مسکراتی رہی تھی۔ سی ایم ہاؤس پہنچتے اس نے ایک بھرپور نظر اس خوبصورت گھر پر ڈالی تھی۔ یہ گھر اپنی آرائش کی بدولت نہیں بلکہ اس شخص کی بدولت خوبصورت تھا جس کی یہ ملکیت تھا۔ سرشاری اس کے رگ و پے

میں اتر گئ تھی۔ڈرائیور نے ہارن بجایا تو گارڈ دروازہ کھولنے کے بجائے گاڑی کی جانب چلا آیا۔

"گاڑی واپس موڑلو، آج اندر جانے کی اجازت نہیں۔"

کھڑکی پر جھکتے اس نے ڈرائیور سے کہا۔

"کیا بات ہے؟"

عیان انکے روکنے پر حیران ہوئ۔

"بی بی آج کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں۔"

گارڈ کے خوفناک لہجے پر وہ دنگ ہی تو رہ گئ تھی۔بے ساختہ وہ گاڑی سے اتری۔

"مگر میں تو ہر روز آتی جاتی ہوں۔یہ میرا ور کنگ آئ ڈی۔۔"

اس نے کندھے پر ڈالے بیگ میں سے آئ ڈی نکالا۔مگر گارڈ نے اسے دیکھے بغیر ہی سخت لہجے میں انکار کیا۔

"بی بی سی ایم سر نے خود کہا ہے کہ کسی کو آنے کی اجازت نہیں، آپ کو بھی نہیں۔"

عیان کو تو کتنے ہی لمحے یقین نہ آیا تھا کہ داؤد اور کزئ نے اسے یہاں آنے سے منع کیا ہے۔

"دیکھیں آپ کو کوئ غلط فہمی ہوئ ہے۔"

وہ بمشکل ہی جملہ ادا کر پائ تھی۔ آنسوؤں نے اسے مزید کچھ بولنے نہ دیا تھا۔

"دیکھو بی بی مجھے کوئ غلط فہمی نہیں ہوئ ہے۔ صاحب نے خود منع کیا ہے مجھے۔"

گارڈ کا انداز اتنا سخت تھا کہ عین ممکن تھا وہ اس پر اپنی رائفل تان لیتا۔

"جاؤ ادھر سے۔ سی ایم صاحب جب کہیں گے تب آنا۔"

اتنی ہتک پر اسکے آنسو چھلک پڑے تھے۔ وہ فوراً سے جانے کو پلٹی۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بجائے وہ پیدل ہی واپسی کے راستے کی جانب بڑھ گئ۔ چادر کو ماتھے تک کھینچتے وہ رو پڑی تھی۔

"ایسا کیسے کر سکتے ہیں وہ میرے ساتھ۔"

آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اس نے بے دردی سے رگڑا۔ چادر بار بار پھسل رہی تھی۔ عیان کو چادر سے بھی جھنجھلاہٹ ہونے لگی تھی۔ وہ سڑک کنارے

ایک بڑے پتھر پر بیٹھ کر بری طرح رونے لگی۔وہ اسکے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟

روتے ہوئے اس نے اپنا فون نکالا۔وہ ایک باران سے سننا چاہتی تھی۔کیا واقعی ہی انہوں نے اس پر یہ پابندی لگائی ہے؟

سامنے ہی اسکرین پر انکا میسج جگمگا رہا تھا۔آنسو صاف کرتے اس نے واٹس ایپ کھولا۔

"عیان میں آج مصروف ہوں،آپ آج مت آیئے گا۔بلکہ میں خود آپ کو بتاؤں گا تب آنا۔"

انکا میسج پڑھتے اس کے ہاتھ کپکپائے تھے۔یک دم کسی احساس کے تحت اس نے انکا نمبر ملایا۔مگر فون بند آرہا تھا۔پریشانی سے ہونٹ کاٹتے وہ اب نیاز کا نمبر ملا رہی تھی۔

"السلام علیکم میڈم۔"

نیاز کی مؤدب آواز پر اس نے خود کو بمشکل سنبھالتے سلام کا جواب دیا۔

"سی ایم سر کہاں ہیں؟"

بھرائے لہجے پر نیاز چونکا۔

"آپ کہاں ہیں؟"

"سی ایم ہاؤس کے باہر، گارڈ نے کہا کہ مجھے اندر جانے کی اجازت نہیں۔"

وہ ضبط کرتے ہوئے بھی رو دی تھی۔بے بسی کا احساس تھا یا اہانت کا جو اسے اتنا رلا رہا تھا۔

"میں آتا ہوں۔"

فون بند کرنے کے بعد بھی وہ وہیں بیٹھی رہی تھی۔کچھ ہی دیر میں اسے نیاز گیٹ سے باہر نکلتا دکھائی دیا۔اسکے چہرے سے پریشانی صاف ظاہر تھی۔ یہاں وہاں دیکھتے اسکی نظر کچھ ہی دور پتھر پر بیٹھی عیان پر پڑی،تو وہ تیزی سے چلتا اسکی جانب آیا۔

"آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟"

اسکے سوال پر وہ کچھ نہ بولی تھی۔بس سر جھکائے خود کو رونے سے باز رکھ رہی تھی۔نیاز نے ترحم سے اس کی جانب دیکھا۔

"سی ایم سر کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

اس نے پریشانی سے اسے اطلاع دی۔عیان کو مزید رونا آیا۔

"وہ آپ کو بتانا نہیں چاہتے۔"

وہ جیسے بے بسی کی انتہا پر تھا۔عیان اب بھی کچھ نہ بولی تھی۔کہ ساری ہمت تو انکی طبیعت کا سن کر ہی ختم ہو گئ تھی۔

"آپ چلیں میرے ساتھ۔"

کچھ لمحوں کے توقف سے اس نے اسے کہا۔عیان خاموشی سے اٹھ گئ تھی۔

وہ اسکے بائیں جانب دو قدم پیچھے چل رہا تھا۔

"آئندہ انہیں گیٹ پر مت روکنا،چاہے کچھ بھی ہو جائے۔"

گارڈز کو سخت لہجے میں وارننگ دیتے وہ اس کے ساتھ اندر کی جانب بڑھ گیا۔

عیان سر جھکائے چل رہی تھی۔انکے کمرے کے باہر پہنچتے وہ رک گئ۔نیاز بھی اسے رکتا دیکھ رک چکا تھا۔

"وہ سمجھتے ہیں کہ آپ انکی میڈیکل کنڈیشن سے ناواقف ہیں۔"

وہ اب تھوڑا پریشان دکھائی دے رہا تھا۔سی ایم سر نے اسے سختی سے منع کیا تھا کہ عیان کو انکی طبیعت خرابی کا پتا نہ چلے۔اب جب انہیں یہ پتا چلے گا کہ عیان بہت پہلے سے یہ سب جانتی ہے تو وہ جانے کیسے ری ایکٹ کریں گے۔

"کل رات وہ بالکل ٹھیک تھے۔"

متورم لہجے میں اس نے اسے بتایا۔

"فجر کے وقت انہوں نے مجھے کال کی تھی کہ انکی طبیعت بگڑ رہی ہے۔"

نیاز نے اس سے کچھ بھی چھپانا مناسب نہ سمجھا۔وہ داؤد اور کرزئ پر حق رکھی تھی۔انکی زندگی کا ہر پہلو جاننا اسکا حق تھا۔

"ڈاکٹر نے کیا کہا؟"

وہ بہت ناپ تول کر بول رہی تھی۔شاید اسے بولنے میں مشکل پیش آرہی تھی۔

"بہت وقت کے بعد انکی طبیعت اس قدر خراب ہوئ ہے۔شاید کسی بات کا اسٹریس لیا انہوں نے۔یا پھر تھکن کے باعث۔"

اسے جواب دیتے اس نے دروازہ وا کیا۔عیان نے خود کو پر سکون کرتے اندر قدم رکھا۔

"نیاز، کب سے انتظار کر رہا ہوں۔فون کدھر ہے میرا عیان کو۔۔۔"

بولتے بولتے وہ ٹھٹھکے تھے۔میرون چادر میں روئ روئ سی عیان انکے سامنے کھڑی تھی۔

"عیان۔۔"

وہ اسے یہاں دیکھ کر حیران ہوئے تھے۔ جبکہ وہ تو انہیں بستر پر دیکھ رونے کی تیاری میں تھی۔ نیاز اسکے ساتھ اندر نہ آیا تھا۔ داؤد اور کرزئ کو یقین نہ آیا تھا کہ عیان اور نیاز دونوں نے انکی بات کی نفی کی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے کچھ کہتے وہ بھاگتے ہوئے ان کے پاس آتے انکے سینے پر سر رکھ گئ تھی۔ داؤد اور کرزئ کے الفاظ لبوں میں ہی رہ گئے۔ وہ سسکتی ہوئ انکا سینہ بھگو رہی تھی۔ انہوں نے اپنے بازو اسکے گرد لپیٹتے اسے خاموش کروانا چاہا۔ مگر وہ تو سوں سوں کرتی بس روئے جا رہی تھی۔

"میں اسی لیے نہیں چاہتا تھا کہ آپ کو میری طبیعت خراب ہونے کا پتا چلے عیان۔ آخر اتنا کیوں روتی ہیں آپ؟"

وہ پریشانی سے اسے خاموش کروانے کی کوشش میں تھے۔ مگر وہ تو انکے سینے سے چہرہ رگڑتی نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"میں رو نہیں رہی۔"

اس نے فوراً انکار کیا، مگر سر بھی نہ اٹھایا۔ اب کیا روتا بسورتا چہرہ دکھاتی انکو۔ جبکہ داؤد اور کرزئ اسکے یوں معصومیت بھرے انداز پر مسکرا دیے

تھے۔اسکے گرد بندھا حصار کچھ مضبوط ہوا تھا۔عیان کو پہلے تو احساس ہی نہ ہوا تھا مگر اب تو سر اٹھانا بھی محال ہو گیا تھا۔

"تھکاوٹ سے بس طبیعت خراب ہو گئی تھی۔میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

انکے لہجے میں سکون تھا۔وہ انکا سکون ہی تو تھی۔اسکے ہوتے تو داؤد اور کرزئی خود کو بھی بھول جاتے تھے۔

"میں ایسے زیادہ پریشان ہو گئی تھی۔آپ کو پتا ہے گارڈ نے اتنا روڈلی مجھ سے کہا کہ میں سی ایم ہاؤس نہیں آسکتی۔"

وہ اگر یہ تکلیف دہ ذکر نہ کرنا چاہتے تھے تو عیان نے بھی کریدا نہ تھا۔بلکہ منہ پھُلا کر گارڈ کی شکایت لگاتے وہ ان سے بھی خفا ہوئی تھی۔جبھی بازو پر زور رکھتے ان سے الگ ہوئی۔اس کے اٹھنے پر داؤد اور کرزئی بھی اٹھ بیٹھے۔وہ اب نرمی سے اسکے آنسو پونچھ رہے تھے۔شاید وہ بہت دیر سے رو رہی تھی تبھی تو چہرہ اتنا لال اور آنکھیں سوجھی ہوئی لگ رہی تھیں۔داؤد اور کرزئی کو افسوس ہوا تھا۔

"آئندہ کوئی آپ کو آنے سے نہیں روکے گا عیان۔"

اسکا چہرہ پونچھتے انہوں نے اسے بہلایا۔

"ہاں کسی دن پھر آپ کہہ دیں گے کہ عیان کو اندر مت آنے دینا اور پھر وہ گارڈ۔۔۔"

لہجہ بھرا گیا تھا۔اہانت کا احساس پھر جاگنے لگا تھا۔داؤد اور کزئی نے اسے خود سے لگاتے اسکا سر سہلایا۔

"آئی ایم سوری، آئندہ میں کبھی اس طرح کا آرڈر جاری نہیں کروں گا۔"

انکے کندھے سے سر ٹکائے وہ رونا بند کر چکی تھی۔انکی طبیعت کا سن کر وہ سمجھ رہی تھی کہ اسے وہ کیوں نہیں آنے دینا چاہتے تھے۔مگر جانے کیوں ان سے ساری دنیا کی شکایتیں کرنے کا دل چاہتا تھا۔جیسے اسے یقین تھا کہ وہ اسکے لیے ساری دنیا سے بازپرس کریں گے۔

"آپ نے کچھ کھایا کیا؟میں ناشتہ بناؤں کیا آپ کے لیے؟"

اسے فوراََ ہی یاد آیا تھا۔جھٹکے سے سر اٹھاتے چادر سر سے پھسل گئی تھی۔ اس نے دوبارہ سر پر چادر جمانی چاہی۔

"میں ناشتہ کر چکا ہوں،بس آپ کے ہاتھ کی کافی پیوں گا۔آپ کا ایک ایئر رنگ کہیں گر گیا کیا؟"

عیان تو جیسے انکی بات پر ساکت رہ گئی تھی۔ وہ اسکی اتنی چھوٹی چھوٹی بات بھی نوٹ کرتے تھے کیا۔ چادر چھوڑتے بے اختیار ہی اسکا ہاتھ اپنے کان کی جانب گیا۔ ایک کان میں اسکا ننھا سا ائیر رنگ نہیں تھا۔ وہ اتنے چھوٹے موتی تھے کہ قریب سے دیکھنے پر ہی کانوں میں چمکتے محسوس ہوتے تھے۔

"شاید کہیں گر گیا۔"

اس نے چہرے پر آئی لٹ کو کان کے پیچھے اڑستے کہا۔ وہ انکی اتنی توجہ سے پگھلنے لگی تھی۔ جبکہ داؤد اور کزئی اب اسکے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے نظریں جھکائے ہوئے تھے۔ انکے انگوٹھے نرمی سے اسکے ہاتھوں کی پشت سہلا رہے تھے۔

"عیان۔۔۔"

وہ جیسے اس سے بات کرنے کو ہمت مجتمع کر رہے تھے۔

"کیا آپ مجھے وعدہ خلافی پر معاف کر سکتی ہیں؟"

انہوں نے بالآخر اسے کہہ دیا۔ عیان کا دل ساکت ہوا تھا۔ وہ کس وعدے کی بات کر رہے تھے وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ ابھی کل رات ہی کی تو بات تھی۔ انکی گرفت میں مقید اسکے ہاتھ لرزے تھے۔ داؤد اور کزئی کو انکی

لرزاہٹ بخوبی محسوس ہوئی تھی۔چند لمحوں بعد عیان نے سر اٹھایا۔داؤد اور کرزئی اسکے سر اٹھانے پر اسکی جانب متوجہ ہوئے۔

"میں ہر مشکل کا سامنا کرلوں گی خان جی۔عیان اتنی کمزور نہیں کہ آپ کو سنبھال نہ سکے۔ "

داؤداور کرزئی کی گرفت کمزور ہوئی تھی۔بے یقینی سے انہوں نے عیان کی جانب دیکھا۔مگر وہ پہلے کی نسبت کافی مضبوط دکھائی دے رہی تھی۔

"میں آپ کی زندگی کے ہر پہلو سے واقف ہوں خان جی۔"

داؤداور کرزئی نے اسکے ہاتھ چھوڑدیے تھے۔خود کو دنیا کے سامنے چٹان کی طرح مضبوط دکھانے والا بھلا کیسے برداشت کرسکتا تھا کہ اسکا اتنا کمزور پہلو عیاں ہو۔وہ بھی اس لڑکی کے سامنے جس کا وہ سائبان بننے کا عہد لے چکے تھے۔

"کب سے جانتی ہیں آپ؟"

اجنبی لہجہ،داؤداور کرزئی کو اپنی آواز کسی کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔وہ خود کو شکست خوردہ تصور کررہے تھے۔

"بہت وقت ہوگیا۔"

انکے برعکس وہ کافی پر سکون دکھائی دے رہی تھی۔داؤد اور کزئی نے اس سے پیچھے ہونا چاہا۔وہ یہ ماننا نہیں چاہتے تھے کہ جس راز کو وہ عیان سے اتنے عرصے سے چھپانے کی کوشش کر رہے تھے عیان اس سے اتنے وقت سے واقف تھی۔انکی انا یہ گوارا ہی نہ کر پا رہی تھی۔اس سے پہلے کہ وہ اسکے ہاتھ مکمل طور پر چھوڑ دیتے عیان نے فوراً ہی انکے ہاتھ تھام لیے۔

"کیا مجھے یہ جاننے کا حق نہیں خان جی، کہ آپ کب کس کیفیت سے گزر رہے ہیں؟ کیا مجھے کسی تکلیف میں مبتلا ہو کر یونہی آپ سے سب چھپا لینا چاہیے؟"

نرمی سے بولتے وہ دلفریب لگ رہی تھی۔داؤد اور کزئی خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔وہ اب خاموش ہو چکی تھی۔کتنے ہی لمحے ان میں سے کوئی بھی ایک لفظ نہ بولا تھا۔عیان نے خاموشی سے انکے ہاتھ چھوڑتے انکے سینے سے سر ٹکا لیا۔انکے ہاتھ کو گود سے اٹھاتے اپنے گرد حصار باندھا۔

"لالہ کہتے ہیں دماغ کی یاداشت دل سے کمزور ہوتی ہے۔دماغ جسے دنوں میں بھول جاتا ہے دل اسے سالوں میں بھی نہیں بھولتا۔آپ کا دماغ اگر کبھی مجھے بھلا بھی دے گا تو دل مجھے ہمیشہ پہچان لے گا۔اور اگر دل نے مجھے نہیں پہچانا

تو ہم شروع سے پھر محبت کریں گے۔ ہم شروع سے اپنی نئی یادیں بنائیں گے۔ ہم پھر شادی کریں گے اور پھر محبت بھری زندگی گزاریں گے۔"

انکے سینے پر سر رکھے وہ انکے دل کا بوجھ کم کر رہی تھی۔ داؤداور کزئ آنکھیں بند کیے اسے خاموشی سے سن رہے تھے۔ وہ انکے جتنے قریب تھی اس وقت ایسے تو وہ ساری زندگی بھی بیٹھ کر اسے سن سکتے تھے۔

"عیان داؤداور کزئ کو بھی آپ سے بہت محبت ہے خان جی۔"

ہمیشہ وہ اسے اس نام سے پکارتے تھے مگر آج عیان نے پہلی بار اپنے نام کے ساتھ انکا نام لگایا تھا، مکمل استحقاق سے۔ داؤداور کزئ نے اگلے ہی لمحے اسکے گرد بندھے حصار پر گرفت مضبوط کی۔

"آپ اتنی مہربان کیوں ہیں عیان ؟ میرے سب سے بڑے خوف کو آپ ایسے پل میں کیسے ختم کر سکتی ہیں۔"

انکے اس طرح کہنے پر عیان کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری۔ اپنے بالوں پر داؤداور کزئ کے لبوں کا لمس اسے بخوبی محسوس ہوا۔ ایک تازگی سی اس کے رگ وپے میں سرایت کر گئ تھی۔

یہ رشتہ اتنا ہی خوبصورت ہوا کرتا ہے۔جب ایک فریق کمزور پڑتا ہے تو دوسرا بہادری سے اسے سمیٹ لیتا ہے۔پھر کیا فرق پڑتا ہے کہ آپ کس صنف سے تعلق رکھتے ہیں۔

"آپ کو کافی چاہیے تھی نہ۔"

اس نے لمحوں کا سحر توڑنے کی کوشش کی۔مگر داؤد اور کزئ نے مزید مضبوطی سے اسے خود میں بھینچا۔

"آپ کے سوا اور کچھ نہیں چاہیے۔"

وہ یونہی آنکھیں مونڈے پر سکون لہجے میں گویا ہوئے۔عیان نے لب دانتوں تلے دبائے۔زندگی کی الجھنیں ایک ایک کر کے سلجھنے لگی تھیں۔

عیان گھر پر بتا کر یہیں رک گئ تھی۔داؤد اور کزئ کو اسکی ضرورت تھی۔وہ بھلا انہیں اکیلا چھوڑ کر کیسے جا سکتی تھی۔اس وقت بھی وہ کچن میں ان کے لیے کھانا بنانے میں مصروف تھی۔جبکہ داؤد اور کزئ سامنے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھے اسے دیکھنے میں مصروف تھے۔

"آپ مجھے یونہی دیکھتے رہیں گے تو میں کام کیسے کروں گی؟"

انکی نظروں سے نروس ہوتے اس نے سوال کیا۔داؤداور کزئ کے چہرے پر دلفریب مسکراہٹ چھائ تھی۔

"میں دیکھ نہیں رہا بلکہ سوچ رہا ہوں۔"

"کیا سوچ رہے ہیں؟"

وہ مکمل انکی جانب متوجہ ہوئ۔

"یہی کہ آپ اتنی پیاری کیوں ہیں؟"

انکی بات پر اسکے گال گلابی ہوئے تھے۔لب اپنے آپ ہی مسکرانے لگے تھے۔اس نے فوراً رخ موڑ لیا۔داؤداور کزئ اپنی جگہ سے اٹھتے اسکے پاس آئے۔

" کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ آپ سے محبت کے بغیر میری زندگی کیسی تھی۔۔۔۔۔؟ مگر مجھے یاد نہیں آتا۔کیونکہ مجھے تو آپ اپنی پوری زندگی پر محیط نظر آتی ہیں۔"

عیان سے نظریں نہ اٹھائ گئ تھیں۔

"عیان۔۔"

مدھم لہجے میں انہوں نے اسے پکارا۔

"جی۔"

"میں چاہتا ہوں آپ مجھ سے کوئی خواہش کریں۔"

"کچھ بھی؟"

اس نے یقین دہانی چاہی۔

"کچھ بھی۔"

اس کے سر پر ہاتھ رکھے انہوں نے یقین دلایا۔

"تو پھر اپنا وعدہ پورا کریں۔"

انکا ہاتھ تھامے اس نے فرمائش کی۔ وہ پورے استحقاق کے ساتھ انکا خیال رکھنا چاہتی تھی۔ انکے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ داؤد اور کرزئی نے چند لمحوں کا توقف کیا۔ پھر مدھم سا مسکراتے ہلکا سا اسکی جانب جھکے۔

"میں آپ کی یہ خواہش دل و جان سے پوری کروں گا عیان اور کرزئی۔"

مسکراتے ہوئے وہ اتنی جلدی مان گئے۔ عیان کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا۔

"میں نے کبھی کسی کا چہرہ اتنا گلابی ہوتے نہیں دیکھا۔"

انہوں نے نرمی سے اسکا گال سہلاتے کہا۔ وہ سراپا شفا تھی۔ اسے چھونے پر داؤد اور کزئ کو خود میں زندگی دوڑتی محسوس ہونے لگتی تھی۔

"ہر وقت تو ایسا نہیں ہوتا۔"

کہتے ہوئے سر جھکایا۔ مگر وہ جانتی تھی اسکا چہرہ اس وقت دہک رہا تھا۔

"میں نے تو جب بھی دیکھا ایسا ہی دیکھا۔"

دونوں ہاتھ سلیب پر رکھے وہ مکمل طور پر اسکی جانب متوجہ تھے۔

"آپ یوں دیکھیں گے تو ایسے ہی ہو گا نہ۔"

اس نے سر جھکائے شکوہ کیا۔

"کیسے دیکھتا ہوں؟"

وہ اسے تنگ کرنے کے موڈ میں تھے۔ عیان کو جواب دینا مشکل ہو رہا تھا۔

"جیسے دیکھتے ہیں۔"

لہجے میں بیویوں والا مان در آیا۔

"وہی تو پوچھ رہا ہوں، کیسے دیکھتا ہوں؟"

وہ جو انکی محبت کی توجہ کی خواہاں رہتی تھی، اب اسکی حدت سہہ نہ پا رہی تھی۔

داؤد اور کزئ کا یہ روپ برف ہوئ شہزادی کو دہکانے لگا تھا۔

"کھانا جل جائے گا۔"

اس نے بات بدلنی چاہی۔داؤد اور کزئ نے ہاتھ بڑھاتے چولہا بند کر دیا۔

"اب نہیں جلے گا۔"

وہ جیسے بے بس ہوئ تھی۔

"خان جی۔۔"

وہ جیسے انہیں باز رکھنا چاہتی تھی۔

"محبت سے دیکھتا ہوں،رشک سے دیکھتا ہوں، معجزے کی طرح دیکھتا ہوں۔"

وہ خود اسے جواب دینے لگے تھے۔عیان کو لگا شاید وہ خود بھی اتنا دلفریب جواب نہ دے پاتی۔آنے والے وقت سے انجان وہ انہیں مسکراتے ہوئے تک رہی تھی۔اور داؤد اور کزئ کی تو نظریں ہمیشہ ہی اسکے معاملے میں بے خود تھیں۔

صوابی کی سرسراتی ہوائیں غموں کو ان سے باز رکھنے کی کوشش میں تھیں۔

مگر بھلا جھکڑوں کے سامنے یہ مدھم ہوائیں کیسے ٹک پاتیں۔

"اور کتنا انتظار کرنا ہو گا؟"

اندھیرے کمرے میں پُراسرار آواز گونجی تھی۔

"بس آج کی رات انہیں محبت کی پتنگیں اڑا لینے دیں۔"

فون کے پار جو بھی تھا انسانیت سے عاری تھا۔فون بند کرتے وہ باہر نکلا۔

"نیاز صاحب آپ ادھر کیا کر رہے ہیں؟"

لان سے باہر کی جانب جاتا نیاز رشید چاچا کی آواز پر پلٹا۔

"میں گھر جا رہا ہوں چاچا، کچھ ضروری کام ہے۔"

"لیکن سی ایم صاحب کی طبیعت۔۔۔"

وہ نیاز کی بے پرواہی پر حیران ہوئے۔کہاں تو وہ سی ایم صاحب کو ایک منٹ کے لیے اکیلا نہ چھوڑتا تھا۔اور کہاں اب انکی خراب طبیعت کے باوجود باہر کے کاموں میں مصروف تھا۔

"عیان میڈم آج ادھر ہی ہیں، آپ فکر مت کریں وہ انکا خیال رکھ لیں گی۔"

اس نے ایک نظر کچن سے لان کی جانب آتی روشنی پر ڈالتے نرمی سے کہا۔ مگر چاچا کے تیور تو اس لڑکی کی اب تک یہاں موجودگی سے ہی بگڑ گئے تھے۔ وہ تو سمجھ رہے تھے کہ وہ چلی گئی ہو گی۔

"یہ لڑکی کون ہے نیاز؟ سی ایم صاحب کے اتنے نزدیک کیوں ہے آخر؟"

اپنے چہرے کی کرختگی وہ چھپا نہ سکے تھے۔

"جلد ہی پتا چل جائے گا چاچا۔ میں چلتا ہوں دیر ہو رہی ہے۔"

انہیں جواب دیتے وہ گیٹ کی جانب بڑھ گیا۔ جبکہ چاچا نے کچن کی جانب دیکھتے نخوت سے سر جھٹکا۔ عیان ادھر تھی وہ اندر نہ جا سکتے تھے۔ تبھی اپنے کوارٹر کی جانب مڑ گئے۔

ٹھنڈک میں بسا صوابی آج بھیگی صبح لے کر روشن ہوا تھا۔ ہلکی پھلکی کن من نے فضا کو بج کر دیا تھا۔ عیان نیچے آئی تو سی ایم سر کہیں نہ تھے۔ وہ واپس اوپر انکے کمرے کی جانب بڑھی، اسٹڈی، جم پورا گھر سائیں سائیں کر رہا تھا۔

"اتنی صبح بغیر بتائے کہاں چلے گئے؟"

اپنے کمرے سے فون اٹھاتے اس نے واٹس ایپ کھولا۔

"گڈ مارننگ عیان داؤد اور کزئ، ایک ضروری کام سے شہر سے باہر جا رہا ہوں۔ آپ گھر چلی جائیں، میں واپس آ کر آپ سے ملوں گا۔"

میسیج دیکھتے اسکے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی تھی۔ وہ یونہی چمکتا چہرہ لیے کچن کی جانب بڑھی جہاں وہ اسکے لیے ناشتہ بنا کر رکھ گ ئے تھے۔ ناشتہ کرتے وہ ایک بار پھر ان کا لکھا میسیج پڑھنے لگی۔ ایک بار پھر اسے خوش کن احساس نے آگھیرا تھا۔ وہ آن لائن نہیں تھے، غالباً کوئ حساس معاملہ تھا جس کی وجہ سے وہ اس سے رابطے میں نہ تھے۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ گھر کے لیے نکلی۔

وہ ابھی آدھے راستے میں ہی پہنچی تھی کہ گاڑی ایک جھٹکے سے رکی۔ عیان نے حیرت سے سر اٹھاتے باہر دیکھا جہاں کئ ایک گاڑیاں اسکی گاڑی کو احاطے میں لیے ہوئے تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتی ایک شخص نے آ کر گاڑی کا دروازہ کھولا۔

"آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا بی بی۔"

سرکاری کارڈ دکھاتے اس نے عیان کو باہر نکلنے کا کہا۔

"مگر کہاں؟"

اچانک یہ سب دیکھ کر وہ سہم گئی تھی۔

"جلد آپ کو پتا چل جائے گا۔"

اسپاٹ لہجے میں وہ شخص گویا ہوا۔عیان نے فون اٹھاتے داؤد اور کزئی کو کال ملانی چاہی مگر اس شخص نے فون اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔

"آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہے، آپ اس وقت کسی سے رابطہ نہیں کر سکتیں۔"

وہ سی ایم کی گاڑی میں موجود تھی۔یہی وجہ تھی کہ اس شخص کے لہجے میں احترام تھا۔ورنہ وہ عیان سے کس لہجے میں پیش آتا یہ سوچنے کی ضرورت نہ تھی۔عیان دھڑکتے دل اور بھیگی آنکھوں سے گاڑی سے اتری۔چادر سر پر اچھی طرح جماتے وہ سامنے کھڑی گاڑی میں جا بیٹھی۔

مزاحمت کا کوئی فائدہ نہ تھا۔وہ اکیلی یہاں کچھ بھی نہ کر سکتی تھی۔اتنی پریشانی میں اسے یہ خیال بھی نہ آیا کہ ڈرائیور نے ایک بار بھی کچھ کہنے کی کوشش نہ کی تھی۔

گاڑی میں چھائی خاموشی اس پر ہیبت طاری کر رہی تھی۔اپنے ہاتھوں کو مسلتے وہ دعا کر رہی تھی کہ داؤد اور کزئی تک خبر پہنچ جائے۔جانے اس کے ساتھ کیا

ہونے والا تھا۔ یہ لوگ اسے کہاں لے جا رہے تھے وہ کچھ بھی تو نہ جانتی تھی۔

سی ایم ہاؤس سے دور خان صفدر کے گھر کی جانب جاؤ تو صبح ہی صبح دروازے کی اطلاعی گھنٹی بجی تھی۔ وہ سب ابھی ناشتے میں مصروف تھے۔

"میں دیکھتا ہوں۔"

دلاور کہتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھا۔

"جی کہیے؟"

دروازے پر تین چار لوگوں کو موجود دیکھ اس سے استفسار کیا۔

"خان صفدر کا گھر یہی ہے؟"

انہوں نے اسپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"جی یہی ہے، آپ کون ہیں؟"

انکے لہجے پر وہ چونکا۔ جواباً ایک شخص نے سرکاری کارڈ دکھاتے اسے ذرا سا پیچھے کو دھکیلا۔

"سرکاری آرڈرز ہیں، اس گھر کا کوئی بھی فرد نہ باہر جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی سے کوئی رابطہ کر سکتا ہے۔"

بدتمیزی سے کہتے وہ اندر بڑھنے لگے۔

"اس طرح آپ گھر میں نہیں داخل ہوسکتے ہیں۔"

خان دلاور کی اونچی آواز پر خان صفدر اور زخرف خاتون بھی ناشتہ چھوڑتے دروازے کی سمت آئے۔

"سرکاری آرڈر ہے خان صاحب، تعاون کریں۔"

ایک شخص نے اثر نہ لیتے دروازے کے جانب ہاتھ بڑھایا۔

"بھلے ہی سرکاری آرڈر ہو، عورتوں والے گھر میں یوں دندناتے ہوئے نہیں گھس سکتے آپ۔"

سرخ چہرہ لیے وہ غصے سے گویا ہوا۔

"کیا معاملہ ہے دلاور؟"

خان صفدر اس شخص کے اندر داخل ہونے سے پہلے ہی باہر آگئے۔

"سرکاری آرڈر ہے، اس گھر کے مکینوں کو نظر بند کیا جارہا ہے۔"

جیمر فٹ کرتے انہوں نے اسی بدتمیز انداز میں کہا تو وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

"نظر بند مگر کیوں؟"

اچانک ایسی افتاد پر وہ ساکت ہی تو رہ گئے تھے۔

"وہ ہمیں بتانے کی اجازت نہیں، پروفیسر صاحب تعاون کرنا ہی آپ کے حق میں بہتر ہے۔"

کچھ ہی دیر میں وہ لوگ ڈرائنگ روم میں انکے مقابل بیٹھے تھے۔ باہر کی دنیا سے انکا رابطہ کٹ چکا تھا۔ جانے کیا معاملہ تھا، یہ لوگ نہ تو انہیں کچھ بتا رہے تھے نہ ہی کہیں جانے دے رہے تھے۔

عیان کو پشاور لایا گیا تھا۔ وہ سارا رستہ دعا کرتی آئی تھی کہ داؤد اور کزئی کو اس واقعے کی خبر ہو جائے۔ آنسوؤں اسکا چہرہ بھگو رہے تھے۔ وہ سر جھکائے اپنی ہتھیلیوں کو مسلتی چپ چاپ آنسو بہا رہی تھی۔

پشاور اسمبلی ہال میں گاڑی داخل ہوئی تو عیان کے خوف میں مزید اضافہ ہوا۔ وہاں نہ صرف انقلاب پارٹی کے لوگ بلکہ میڈیا بھی موجود تھا۔ عیان کو اب اندازہ ہوا تھا کہ معاملہ کس قدر پیچیدہ تھا۔ اسکو یہاں لایا جانا داؤد اور کزئی پر قیامت لانے کے مترادف تھا۔ چادر سے اپنا چہرہ ڈھکتے وہ میڈیا کے سوالات سے بچتی ان افسران کی معیت میں اندر داخل ہوئی۔ جہاں بیٹھے اجنبی چہرے اسے خوف میں مبتلا کر رہے تھے۔

داؤداور کرزئی کسی میٹنگ میں مصروف تھے کہ نیاز تیزی سے اندر داخل ہوا۔

"سی ایم سر۔۔۔"

اسکے انداز پر وہ حیرت سے چونکے۔اس سے پہلے کبھی نیاز کا رویہ ایسا نہ ہوا تھا۔

"میں ابھی آتا ہوں۔"

ان لوگوں سے معزرت کرتے وہ نیاز کے ہمراہ باہر نکلے۔

"کیا ہوا نیاز، ضروری میٹنگ چل رہی ہے۔۔"

"سر آپ یہ دیکھیں۔"

اس نے فوراً آئی پیڈ انکی جانب بڑھایا۔جہاں پشاور اسمبلی ہال کا منظر واضح تھا۔گاڑی سے اترتی چادر میں لپٹی سہمی سی عیان کو دیکھتے انہیں خود پر پہاڑ ٹوٹتا محسوس ہوا۔

"سر یہ سب پلینڈ ہے، آپ کو شہر سے باہر بھیج کر ہی میڈم کو اٹھوایا گیا ہے۔"

"گورنر صاحب کو کال کرو۔"

انہیں اپنی آواز کسی کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔ نظریں اب تک اسکرین پر جمی تھیں۔ نیاز نے کال ملا کر فون انہیں پکڑایا۔

"جی کہیے سی ایم صاحب۔"

"یہ آپ نے اچھا نہیں کیا گورنر صاحب، آپ بہت پچھتائیں گے۔"

غصے سے سرخ ہوتا چہرہ انکے ضبط کی آخری حدوں کا گواہ تھا۔

"ارے سی ایم صاحب اس میں ہمارا کیا قصور، عوام آپ کو معصوم اور کھرا انسان سمجھتی تھی۔ عوام کے جزبات کا مزاق اڑایا ہے آپ نے تو۔"

داؤد اور کزئی کی بے ساختہ خواہش ہوئی کہ وہ اس انسان کا منہ توڑ دیں۔ یہ انکی پارٹی کے لوگوں کا بدلہ تھا ان سے۔ وہ جو اتنے عرصے سے اپنی بے عزتی پر خاموش بیٹھے تھے دراصل وہ موقع تاک میں تھے۔

"گاڑی نکالو۔"

انہوں نے واپس ان لوگوں سے جا کر معزرت کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔ تیزی سے وہ باہر کی جانب بڑھے۔ میٹنگ ختم ہونے سے پہلے ہی انکا اتنے شدید اشتعال میں باہر آنا وہاں ہڑبڑاہٹ کا سا ماحول طاری کر گیا تھا۔

"میں خود ڈرائیو کروں گا۔"

نیاز نے انہیں منع کرنا چاہا۔وہ اتنے عرصے سے ڈرائیونگ چھوڑ چکے تھے۔ مگر آج وہ کچھ بھی سوچنے سمجھنے کی حالت میں نہ تھے۔

"سر میں ڈرائیو کرتا ہوں۔"

"نہیں میں خود کر لوں گا۔"

چابی لیتے وہ اپنی گاڑی میں جا بیٹھے۔اگلے ہی پل انکی گاڑی دھول اڑاتی تیزی سے وہاں سے نکلی تھی۔وہ اتنی تیزی سے ڈرائیو کر رہے تھے کہ نیاز کو خوف آیا تھا۔سی ایم سر کی گاڑی کے پیچھے ہی انکی سیکیورٹی کی ساری گاڑیاں باہر نکلی تھیں۔سڑک پر افرا تفری کا سماں پیدا ہو گیا تھا۔

"ہیلو کنٹرول روم۔۔پشاور جانے والی مین روڈ کلئیر کروائیں۔سی ایم سر کی گاڑی کو کوئی رکاوٹ نہیں ملنی چاہیے۔"

نیاز نے فوراً فون نکالتے روڈ خالی کروانے کا کہا۔وہ جتنی تیزی سے وہاں سے نکلے تھے۔خدشہ تھا کہ کہیں وہ کوئی ایکسیڈنٹ ہی نہ کر دیں۔یہ تو طے تھا کہ آج سی ایم سر اپنے سامنے آنے والی کسی بھی گاڑی کو رعایت نہ دینے والے تھے۔

چادر سے چہرہ چھپائے وہ خوفزدہ نظر آرہی تھی۔پورا ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔بظاہر سوٹڈ بوٹڈ مہذب دکھنے والے لوگ در حقیقت درندگی کی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔

پورے ملک کے ٹی وی پر اس وقت نقاب میں لپٹی کھڑی وہ لڑکی ہی دکھائی دے رہی تھی۔جو اپنے ہی ملک کے ہاتھوں ذلت کی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔

"آپ کو اہم خبر سے آگاہ کرتے چلیں کہ عیان صفدر خان کو سی ایم ہاؤس سے پشاور اسمبلی ہال لایا گیا ہے۔اب تک داؤد اور کرزئی کا کردار ہمیشہ صاف ستھرا ہی رہا ہے مگر ملنے والی کچھ دنوں کی خبروں کے پیشِ نظر یہ جاننا ضروری ہو گیا ہے کہ ایک لڑکی کا چیف منسٹر ہاؤس میں روز کا آنا جانا کیوں ہے۔"

نیوز اینکرز گلا پھاڑ کر چلا رہے تھے۔داؤد اور کرزئی کا اسکینڈل سامنے آیا تھا یہ خبر ملکی تاریخ میں کسی جھٹکے سے کم نہ تھی۔علماو مولوی حضرات اس معاملے پر سخت فیصلہ لینے کا کہہ رہے تھے۔جبکہ عیان تو بے جان سی بس ان لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔اسکے بولنے کی سدھ بدھ بالکل ختم ہو چکی تھی۔داؤد اور کرزئی شہر سے باہر تھے۔جانے وہ اس تک پہنچ بھی سکیں گے یا نہیں۔

آنسو پلکوں کی باڑ توڑتے اسکی چادر میں جذب ہو رہے تھے۔

"ہاں تو بی بی اب ذرا سچ سچ بتائیں کہ کون ہیں آپ؟اور کیا رشتہ ہے آپ کا سی ایم صاحب سے۔"

ایک شخص کے کرخت لہجے میں استفسار پر عیان کو مزید رونا آیا۔وہ ان رویوں کی عادی نہ تھی جو یک دم سنبھل جاتی۔

"آپ سی ایم سر کو یہاں بلا لیں وہ خود آپ کو بتا دیں گے۔"

اسے یہی جواب مناسب لگا تھا۔وہ جانتی نہ تھی کہ سی ایم صاحب اس معاملے کو کس طرح سنبھالیں گے۔ مگر وہ خود سے کوئی بھی بیان دے کر ان کے لیے مشکلات نہ کھڑی کرنا چاہتی تھی۔

ان لوگوں نے ہر طرح سے اس سے اگلوانے کی کوشش کر لی مگر وہ سر جھکائے بیٹھی بس رونے میں مصروف تھی۔انکے کسی بھی سوال کا وہ جواب نہ دے رہی تھی۔ان لوگوں کی مجبوری تھی کہ وہ اس پر سختی نہ کر سکتے تھے۔ بھلے ہی وہ داؤد اور کزئی کی عزت کو بیچ چوراہے پر لے آئے تھے۔پورے ملک کو ان کے خلاف اکسانے پر کامیاب ہو گئے تھے مگر وہ داؤد اور کزئی کے قہر سے بھی واقف تھے۔وہ ہر دم پر سکون رہنے والا انسان جب بپھرتا تھا

توتباہی سمیٹنا مشکل ہو جاتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ وہ داؤد اور کزئ کو سی ایم کی سیٹ سے ہٹانے کی خاطر یہاں تک لے تو آئے تھے مگر وہ خوفزدہ بھی تھے۔ انکی یہی کوشش تھی کہ وہ داؤد اور کزئ کے یہاں آنے سے پہلے عیان سے کچھ ایسا اگلوالیں جس کی بناپر وہ داؤد اور کزئ کو نیچا دکھا سکیں۔

عیان سے تو انہیں کچھ نہ ملا مگر سوشل میڈیا پر وہ عوام کو بھڑکانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ عقل و شعور سے عاری اس عوام نے اس بار بھی حقیقت جاننے کے بجائے داؤد اور کزئ کی ذات کو اس قدر رگیدا تھا کہ الاماں۔

وہ جو کل تک انکی شخصیت کا دم بھرتے نہ تھکتے تھے آج انکا ساتھ دینے پر اظہارِ افسوس کرتے انہیں برا بھلا کہہ رہے تھے۔ پچھلی بار کا معاملہ مختلف تھا مگر اس بار تو وہ اسکینڈل کا شکار ہوئے تھے۔انکی عیان کے ساتھ تصاویر وائرل ہو رہی تھیں۔ کہیں وہ انکے ساتھ بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ تو کہیں کچن میں وہ بالکل قریب کھڑے تھے۔ کہیں داؤد اور کزئ نے عیان کا ہاتھ تھام رکھا تھا تو کہیں اس نے انکے سینے پر سر ٹکار کھا تھا۔یہ نہایت پرسنل تصاویر تھی جو سی ایم ہاؤس کے اندر لی گئی تھیں۔ دشمن کوئی بہت ہی قریبی انسان

تھا۔ مگراس بھی بڑھ کر فریبی یہ عوام تھی۔ جوان تصاویر پر بدمزہ ہوتی کچھ اور دیکھنے کی خواہاں تھی۔

ایسی واہیات پوسٹس اور کمنٹس کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ نیاز پریشانی سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ آخر کون تھا وہ جو داؤد اور کرزئ کے گریبان تک پہنچ گیا تھا۔

داؤد اور کرزئ کی گاڑی تیزی سے سڑک پر رواں دواں تھی۔ اسپیڈ اتنی تیز تھی کہ جہاں سے گاڑی گزرتی لوگوں کو ہول اٹھنے لگتے۔ ایک پل کے لیے ہی انکی نظر گاڑی پر پڑتی تھی اگلے ہی لمحے وہ گاڑی انکی نظروں سے کہیں دور پہنچ چکی ہوتی تھی۔

داؤد اور کرزئ اتنی اسپیڈ کے باوجود بھی گاڑی کو بس اڑا لینا چاہتے تھے۔ پریشانی میں انہیں خیال ہی نہ رہا کہ وہ چاپر کا استعمال کر لیتے۔ اس وقت انکے حواسوں پر صرف عیان سوار تھی۔ باقی ہر چیز پس پشت چلی گئی تھی۔

جس وقت وہ پشاور اسمبلی ہال میں داخل ہوئے اس وقت تک پورے ملک کا میڈیا وہاں اکٹھا ہو چکا تھا۔ اور ہر فرد بس انہی کے بارے میں متجسس نظر آتا

تھا۔ایک نظر غلط بھی انکی جانب ڈالے وہ تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گئے۔کچھ ہی دیر میں انکی سیکیورٹی کی گاڑیاں بھی وہاں آداخل ہوئیں۔

نیاز بھاگتے ہوئے ان تک پہنچا۔

"نیاز جو بھی اس میں ملوث ہے،وہ بچنا نہیں چاہیے۔"

سختی سے کہتے وہ ہال میں داخل ہوئے۔کیمروں کا فوکس داؤد اور کرزئ کی ذات تھی۔عیان نے سر اٹھا کر انکی جانب دیکھا۔بے ترتیب حلیہ اس بات کا گواہ تھا کہ وہ کس کیفیت میں گھرے یہاں تک پہنچے تھے۔وہ تیزی سے چلتے عیان کے پاس آئے۔

وہاں موجود لوگوں نے انہیں روکنے کی کوشش کی تھی مگر داؤد اور کرزئ کے حامی اپنی جگہوں سے کھڑے ہوتے انکے ساتھ آکھڑے ہوئے تھے۔

"عیان۔۔"

بوجھل لہجے میں انہوں نے اسے پکارا تو وہ روتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھتے انکے سینے سے سر ٹکا گئ۔لوگ دھڑا دھڑ تصاویر کھینچتے جارہے تھے۔داؤد اور کرزئ گہری سانس بھرتے اسے پرسکون کرنے کی خاطر اسکا سر سہلارہے تھے۔مگر وہ سہمی ہوئی لڑکی انکے سینے پر سر رکھے سسک رہی تھی۔

"سی ایم صاحب۔۔۔"

ایک افسر نے کچھ کہنا چاہا، مگر داؤد اور کرزئ نے درشتی نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ کہنے سے روک دیا۔وہ عیان کے سنبھلنے کا انتظار کر رہے تھے،اس کے بعد ان سے نپٹنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

عیان کچھ سنبھلتے پیچھے ہوئ تو داؤد اور کرزئ اسکا ہاتھ تھامتے اپنے ساتھ بٹھا گ ئے۔انکی اس حرکت پر وہاں موجود لوگ پہلو بدل کر رہ گ ئے۔

"سی ایم صاحب کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ یہ لڑکی کون ہے؟آپ کی اس سے نزدیکی تو پورے ملک نے دیکھ ہی لی ہے مگر اس قربت کی وضاحت کریں گے؟"

علماء کے نمائندے نے سخت لہجے میں داؤد اور کرزئ سے استفسار کیا۔داؤد اور کرزئ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اسمبلی ہال میں استعفیٰ کا شور مچ گیا۔

"سی ایم صاحب آپ کے اس اسکینڈل کے بعد عوام سخت ناراض ہے۔اور لوگ چاہتے ہیں کہ آپ مستعفی ہو جائیں۔"

انہوں نے داؤد اور کرزئ کی کوئ بھی بات سننے سے پہلے اپنا فیصلہ سنایا۔عیان حیرانی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔آج سے پہلے تو کبھی کسی حکمران سے اس بنا

پر استعفیٰ نہیں مانگا گیا تھا۔اور نہ ہی کسی سیاستدان سے اسکے اسکینڈل کے بارے میں بازپرس کی گئی تھی۔داؤد اور کرزئی اپنا مائیک ٹھیک کرتے ذرا آگے کو جھکے۔انکا جواب جاننے کے متجسس لوگ خاموشی طاری کر گئے تھے۔ سارا ملک دل میں کینہ لیے داؤد اور کرزئی کی وضاحت کا منتظر تھا۔آیا وہ اس اسکینڈل کو کیا نام دیتے ہیں۔

"آپ نے بھلے ہی بغیر سر پیر کی بات کو بتنگڑ بنا کر عوام کو ٹرک کی بتی کے پیچھے لگا یا ہو۔مگر داؤد اور کرزئی ثبوت کے بغیر بات نہیں کرتا۔اس لیے پہلے آپ ثبوت ملاحظہ کریں اور اسکے بعد میری بات کو خاموشی سے سنیے گا۔"

کہتے ہی انہوں نے نیاز کو اشارہ کیا۔جس نے اسپیکر اسمبلی کی جانب ایک فائل بڑھائی۔اسپیکر صاحب نے فائل لیتے چشمہ پہنا۔سبھی انکی جانب متوجہ داؤد اور کرزئی کا جواب جاننا چاہ رہے تھے۔کچھ لمحوں کی خاموشی اور اوراق کی الٹ پلٹ کے بعد اسپیکر صاحب نے چشمے کے اوپر سے جھانکتے داؤد اور کرزئی کی جانب دیکھا۔

"یہ آپ کی بیوی ہیں۔"

انکے منہ سے بات نکلنے کی دیر تھی کہ ہال میں چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں۔

"عیان صفدر خان پچھلے چھ ماہ سے میرے نکاح میں ہیں۔"

داؤد اور کزئ کا مضبوط لہجہ وہاں بیٹھے لوگوں کو حیرت کے سمندر میں غوطہ زن کر گیا تھا۔داؤد اور کزئ کے لوگوں نے نکاح نامہ کے ثبوتوں کے ساتھ ساتھ تصاویر اور نکاح کے بطور گواہان بھی خود کو پیش کیا تھا۔انکے مخالفین پہلو بدلتے خاصے کبیدہ خاطر نظر آتے تھے۔

"اگر وہ نکاح میں ہیں آپ کے تو آپ نے یہ سب چھپایا کیوں؟آپ تو اپنی شادی کو کسی گناہ کی طرح چھپائے ہوئے ہیں۔اور ان بی بی نے بھی اس بارے میں نہیں بتایا۔"

عیان نے سر جھکا رکھا تھا۔وہ نہیں دیکھ رہی تھی کہ کون کیا کہہ رہا ہے۔جب داؤد اور کزئ یہاں موجود تھے تو اسے بھلا یہ سب فکریں پالنے کی کیا ضرورت تھی۔وہ بس سر جھکائے اپنے گود میں رکھے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔جو داؤد اور کزئ کی نرم گرفت میں تھا۔جسے داؤد اور کزئ اسکی جانب متوجہ نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے انگوٹھے سے سہلاتے اسے پر سکون رکھنا چاہ رہے تھے۔

"اس سے پہلے میرے کتنے نجی معاملات میڈیا کی نظر ہوئے ہیں جو میں آپ کو آگاہ کرتا؟"

داؤد اور کرزئی کے سرد لہجے پر وہ کھسیا گیا۔وہ لوگ تو اپنی متوقع بے عزتی پر خوفزدہ تھے۔عوام کو جو سی ایم صاحب کے خلاف بھڑکا یا تھا اب انکا کیا حال ہونا تھا۔انہوں نے بھی تو بغیر ثبوت کے بس دھاوا بولا تھا۔کون جانتا تھا کہ بازی یوں پلٹ جائے گی۔

"سی ایم صاحب غصہ ہونے کے بجائے تحمل کا مظاہرہ کریں۔اگر آپ یہ بات پہلے بتا دیتے تو یہ سب نہیں ہوتا۔"

اسپیکر صاحب نے ہی اس بپھرے طوفان کو شانت کرنا چاہا۔

"کیا آپ لوگوں نے تحمل کا مظاہرہ کیا؟بجائے اس کے کہ آپ مجھ سے پوچھتے آپ میری بیوی کو یہاں بھرے مجمع میں لے آئے۔وہ بھی تب جب میں خود بھی شہر سے دور تھا۔"

انکے غصے بھرے لہجے پر عیان نے بے ساختہ ہی اپنے ہاتھ کی گرفت انکے ہاتھ پر مضبوط کی۔انکی طبیعت کے لیے اتنا غصہ ٹھیک نہیں تھا۔کل ہی تو انہیں پینک اٹیک آیا تھا۔

"میں اس شادی کو کب اناؤنس کرتا یہ آپ کا درد سر نہیں، مجھے اس بات کی وضاحت دی جائے کہ میری اجازت کے بغیر آپ میری بیوی کو کس کے کہنے پر یہاں لائے؟"

"سی ایم صاحب ہم معافی۔۔۔"

"استعفیٰ۔۔"

اپنی پارٹی کے ایک ممبر کے کہنے پر انہوں نے درشتی سے اسکی بات کاٹی۔

"یہاں بیٹھے لوگوں نے مجھ سے استعفیٰ کے ڈیمانڈ کی تھی۔ اگر میں غلط ہوتا تو ضرور استعفیٰ دیتا۔ مگر اب میں چاہتا ہوں کہ جو جو اس سب میں ملوث ہے وہ سب استعفیٰ دیں۔"

ہال میں یک دم ہی خاموشی چھاگئ۔ داؤد اورکزئ کا کرخت مضبوط انداز یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اپنی بات سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں۔

"سی ایم صاحب آپ ایک بار۔۔۔"

وہ آج کسی کی کوئ بات سننے کے حق میں نہ تھے۔ تبھی کسی کو کوئ بات مکمل کرنے نہ دے رہے تھے۔

"میرا اسسٹنٹ ان سبھی لوگوں کی لسٹ کل تک بنالے گا،جو اس واقعے میں ملوث ہیں۔مجھے اس لسٹ میں موجود ہر ایک شخص کا استعفیٰ چاہیے۔"

گورنر صاحب کی جانب درشتگی سے دیکھتے وہ عیان کو لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔میڈیا کو نظرانداز کرتے وہ اسے لیے اپنی گاڑی کی جانب آئے۔تمام لوگوں کی نظروں کا محور وہی تھے۔گارڈ کو اشارے سے روکتے انہوں نے عیان کے لیے خود گاڑی کا دروازہ وا کیا۔عیان پر سکون مسکراہٹ چہرے پر سجائے پوری شان سے گاڑی میں جا بیٹھی۔داؤد اور کزئی نے پوری دنیا کے سامنے اسے جس اعزاز سے نوازا تھا عیان کو اپنے قدم زمین پر پڑتے سجھائی نہ دے رہے تھے۔عیان کے بیٹھنے کے بعد وہ خود بھی دوسری جانب آکر بیٹھے۔

نیاز اب ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا۔

گاڑیاں وہاں سے نکل چکی تھیں۔مگر نہ صرف سسٹم بلکہ عوام کے ضمیر پر بھی زوردار طمانچہ پڑا تھا۔اللہ عوام کو انکے جیسا حکمران عطا کرتا ہے۔یہ لوگ داؤد اور کزئی جیسا انسان ڈیزرو نہ کرتے تھے۔

"ڈر گئی تھیں؟"

انہوں نے خاموش بیٹھی عیان کا ہاتھ تھامتے سوال کیا۔

"آپ کے آنے سے پہلے تک۔"

اسکے جواب نے جہاں داؤد اور کزئ کو مسرور کیا تھا وہیں نیاز یوں بن گیا جیسے وہاں موجود ہی نہ ہو۔انہوں نے مسکراتے ہوئے ہلکا سا اسکا ہاتھ دبایا۔

"مجھ سے بھی پوچھ لیں سی ایم سر۔۔۔میں بھی خوفزدہ تھا۔"

نیاز نے ناراضی جتائ۔وہ آج واقعتاََ خوفزدہ ہو گیا تھا۔سی ایم سر نے اپنی جان خطرے میں ڈال دی تھی۔عیان جو اس بات سے انجان تھی نیاز کی جانب حیرانی سے دیکھا۔

"اوور اسپیڈ پر گاڑی اکیلے بھگا کر لائے ہیں۔"

اس نے اپنی میڈم سے ہی شکایت کرنا بہتر سمجھا۔عیان نے حیرت سے داؤد اور کزئ کی جانب دیکھا۔

"عیان اور کزئ سے ضروری کچھ نہیں۔"

انہوں نے یہ بات دونوں کو باور کروانے کے لیے اونچی آواز میں کہی۔عیان جو انہیں ٹوکنے والی تھی انکی بات پر جہاں کی تہاں رہ گئ۔

"آپ مشکل میں ہوں تو داؤد اور کزئ کیسے اپنے حواسوں میں رہ سکتا ہے

عیان؟"

مدھم لہجے میں انہوں نے استفسار کیا۔وہ نظریں اسکے ہاتھ پر جمائے ہوئے تھے جو انکی گرفت میں تھا۔عیان کو سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔گاڑی میں اب خاموشی چھائ تھی۔طوفان کے بعد کی پر سکون خاموشی۔وہ طوفان جسے داؤد اور کزئ نے عیان پر آنے نہ دیا تھا۔عیان مطمئن سی باہر کے نظارے کر رہی تھی۔جبکہ داؤد اور کزئ نے سر سیٹ کی پشت سے لگا کر آنکھیں موند رکھی تھیں۔آج کا دن سخت پریشانی بھرا تھا۔انہیں کچھ دیر آرام کی سخت ضرورت تھی۔

"نیاز گاڑی پروفیسر صاحب کے گھر کی طرف موڑلو۔"

صوابی میں داخل ہوتے انہوں نے نیاز سے کہا۔عیان جو باہر کے نظروں میں مگن تھی حیرت سے انکی جانب دیکھنے لگی۔

وہ سو نہیں رہے تھے کیا؟

"بس ایک ہی بار آپ سے غافل ہوا ہوں اور اتنی بڑی مصیبت آپڑی آپ پر، اب کبھی بند آنکھوں سے بھی آپ کی جانب سے غافل نہیں ہو سکتا عیان۔"

عیان کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔انکے الفاظ پر نہیں بلکہ انہوں نے اس عرصے میں ایک بار بھی آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔وہ صحیح کہہ رہے تھے، آنکھیں بند ہونے کے باوجود بھی وہ اس سے غافل نہ تھے۔

"کیا آپ بتائیں گے کہ یہ سب کیوں اور کس کے کہنے پر ہو رہا ہے؟"

دلاور سے مزید برداشت نہ ہوا تھا یہ سب۔یہ لوگ نہ انہیں کچھ بتا رہے تھے نہ کہیں رابطہ کرنے دے رہے تھے۔عیان سی ایم ہاؤس میں تھی اس وجہ سے وہ مطمئن تھے کہ کم از کم عیان اس سب کا شکار نہیں ہو سکتی تھی کہ سی ایم اس پر کوئی آنچ نہ آنے دیتے۔

مگر یہ لوگ تو یوں بیٹھے تھے گویا روبوٹ ہوں۔ان لوگوں پر ایک نظر ڈالنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ اپنی باتوں میں مصروف ہو گئے تھے۔خان صفدر اور زخرف خاتون گھر کے اندرونی حصے کی جانب چلے گئے تھے۔ویسے بھی جیمر لگے تھے فون تو کر نہ سکتے تھے۔گیٹ پر بھی وہ لوگ کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھے۔

"خان جی کہیں انہیں عیان کے نکاح کی خبر تو نہیں ہو گئی؟"

زخرف خاتون نے پریشانی سے استفسار کیا۔

"اگرایسا ہوتا تو یہ لوگ اتنی خاموشی سے یہاں آکر بیٹھے نہ ہوتے۔ بلکہ میڈیا اکھٹا ہو چکا ہوتا۔"

خان صفدر نے انہیں تسلی دی۔ وہ تو جانتے ہی نہ تھے کہ اس نکاح کی تو پوری دنیا کو خبر ہو چکی تھی۔

"سی ایم صاحب آگئے ہیں۔"

ایک شخص بھاگتا ہوا اندر آیا تھا۔ جبکہ اندر بیٹھے وہ تین لوگ یوں اپنی جگہ سے اٹھے تھے جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ دلاور تو حیرت سے گنگ یہ ساری کاروائی دیکھ رہا تھا۔ کیا سب کو سی ایم اور عیان کے نکاح کی خبر ہو گئی تھی؟ اور یہ سارا اکھڑاگ اسی لیے تھا؟

"جیمر ہٹاؤ فوراً۔"

وہ لوگ حکم کے پابند یہاں انہیں یرغمال بنائے بیٹھے تھے۔ اتنا ہی جانتے تھے کہ سی ایم صاحب کا اس گھر کے افراد سے کوئی تعلق ہے۔ تعلق کی نوعیت وہ

خود بھی اب تک جان نہ سکے تھے۔ان لوگوں کی ہڑ بڑاہٹ اور سرکاری گاڑی کے سائرن کی آواز واضح سنائی دینے لگی تھی۔

وہ اس بار اپنے پورے پروٹوکول سے یہاں آئے تھے۔

آوازیں سن کر خان صفدر ڈرائنگ روم میں آئے۔وہ لوگ یہاں سے نکل چکے تھے۔انہوں نے حیرت سے دلاور کی جانب دیکھا۔

"یہ لوگ کدھر گئے،اور یہ باہر آوازیں کیسی ہیں؟"

"سی ایم سر آئے ہیں۔"

دلاور کے لہجے میں اطمینان تھا۔ان لوگوں کی ہڑ بڑاہٹ دیکھ کر ہی اندازہ ہو چکا تھا۔کہ داؤد اور کزئی کو چھیڑنے والوں کو اب اپنی جان کے لالے پڑ چکے ہیں۔

"داؤد اور کزئی آئے ہیں،سرکاری گاڑی میں؟"

انہوں نے پریشانی سے دروازے کی جانب دیکھا۔انکے پریشان لہجے پر خان دلاور اپنی جگہ سے اٹھتے انکے پاس آکھڑے ہوئے۔

"اگر وہ سرکاری گاڑی میں آئے ہیں تو یقیناً معاملات نپٹا لینے کے بعد ہی آئے ہوں گے۔"

"تم عیان کو کال کرو دلاور۔"

زخرف خاتون جانے کس وقت وہاں آئی تھیں۔ باہر سے آتی آوازیں انہیں پریشان کر رہی تھیں۔

"مورے وہ باہر ہی ہو گی، آجائے گی ابھی۔ آپ ادھر ہی رکیں میں دیکھ کر آتا ہوں کیا معاملہ ہے؟"

انہیں تسلی دیتے وہ باہر کی جانب بڑھ گیا۔

وہ خان صفدر کے گھر پہنچے ہی تھے کہ سامنے بھیڑ دیکھ کرنا گواری سے سر جھٹکا۔

"یہ کیا تماشا ہے؟ کس نے بلایا ان کو؟"

وہ اس وقت سکون چاہتے تھے مگر یہ لوگ انہیں سکون سے رہنے دیتے تو نہ۔

"میں کلیئر کرواتا ہوں سر۔"

فون اٹھاتے نیاز نے انہیں تسلی دی۔

"پریشان مت ہوں، ابھی بھیڑ چھٹ جائے گی۔"

انہیں عیان کی فکر ہوئی۔ وہ تو انکے کہنے پر ہی نہال ہوئی تھی۔ اسکی چھوٹی چھوٹی فکر پر بھی وہ بھرپور توجہ دیتے تھے۔

"آپ کے ہوتے مجھے فکر کیوں گی بھلا؟"

وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی، داؤد اور کزئی نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ کچھ ہی دیر میں انکی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ جہاں سامنے ہی دلاور موجود تھا۔ گاڑی رکی تو اس نے آگے بڑھ کر انکے لیے دروازہ کھولا۔ عیان بھائی کی اس حرکت پر مسرور ہوئی۔ آج اس کے انداز میں داؤد اور کزئی کے لیئے سی ایم والا احترام نہیں بلکہ عیان کے شوہر والا مان تھا۔ داؤد اور کزئی نیچے اترتے اس سے ملے۔

"سوری میری وجہ سے آپ کو پریشانی ہوئی۔"

داؤد اور کزئی ان سے معزرت کر رہے تھے۔ جبکہ وہ محبت سے نفی میں سر ہلاتے جواب دے رہے تھے۔ داؤد اور کزئی نے دوسری جانب سے آتے عیان کے لیے دروازہ کھولا۔ سر پر چادر ٹھیک کرتے وہ نیچے اتری تھی۔

"میں اس مسئلے سے پہلے ہی عیان کی رخصتی کا آپ کو کہنے والا تھا۔ مگر اس سے پہلے ہی یہ سب ہو گیا۔"

داؤداور کزئ نرم لہجے میں خان صفدر سے مخاطب تھے۔ وہ عیان کی رخصتی کی اجازت چاہتے تھے۔ انکے کہنے پر خان دلاور نے بہن کی جانب دیکھا۔ یوں تو وہ جانتا تھا کہ داؤداور کزئ جھوٹ نہ کہہ رہے ہوں گے مگر وہ اس کی رائے جاننا چاہتا تھا۔ مگر اسکے چہرے پر چھائ چمک اس بات کی گواہ تھی کہ وہ اس بات سے پہلے سے واقف تھی۔ بہن کو مطمئن دیکھ اسے خود میں سکون اترتا محسوس ہوا۔ یہ رشتہ ڈھیروں خدشات لیے جڑا تھا مگر وقت کے ساتھ یہ نکھرتا جارہا تھا۔

"تو ٹھیک ہے پھر دلاور کے نکاح کے ساتھ، عیان کی رخصتی بھی رکھ لیتے ہیں۔"

خان صفدر نے کہتے ہوئے زخرف خاتون کی جانب دیکھا۔ جنہوں نے اثبات میں سر ہلاتے حامی بھری۔ صوابی کی یہ صبح بھلے ہی ڈھیروں پریشانیاں لیے اتری تھی مگر اسکی شام نہایت مسرور کردینے والی تھی۔ خوش گپیوں میں مصروف یہ گھرانا مستقبل کے سہانے سپنے بننے لگا تھا۔

"اپنا بہت خیال رکھیے گا عیان۔"

وہ اب واپس جا رہے تھے۔ چہرے پر تھکاوٹ پنہاں تھی۔ عیان انکے ہمراہ گاڑی تک آئی۔ نیاز سی ایم سر کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ جبکہ انکا تو آج واپس اکیلے جانے کا بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ عیان کو چھوڑ کر جانا ان کے لیے اتنا مشکل ہوتا جا رہا تھا کہ داؤد اور کزئی ابھی سے اسے مِس کرنے لگے تھے۔

"آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا خان جی۔"

دھیمے لہجے میں بولتی وہ انہیں مسرور کر رہی تھی۔ داؤد اور کزئی نے یونہی بے اختیاری میں اسکی چادر آگے کو کھینچی۔ چادر سے جھانکتی مانگ اب چھپ گئی تھی۔ عیان نے سر جھکا لیا۔ اسکا چہرہ دہکنے لگا تھا۔ داؤد اور کزئی گہری سانس بھرتے گاڑی میں بیٹھ گئے۔

وہ انکا سحر تھی جو جتنا میسر ہوتی اتنی ہی اسکی طلب بڑھتی جاتی۔

"اللہ حافظ۔"

ہاتھ ہلاتے وہ نکل گئے تھے۔ عیان کتنی ہی دیر وہاں کھڑی اس جگہ کو دیکھتی رہی تھی۔

"وقت ہمیشہ تم پر یونہی مہربان رہے عیان۔"

خان دلاور جانے کب وہاں آئے تھے۔انکے اچانک بولنے پر وہ چونکی تھی۔

چہرے پر فکر چھائی ہوئی تھی۔

"عجب بے چینی ہے لالہ، جیسے سب ٹھیک ہو کر بھی ٹھیک نہیں ہے۔جیسے طوفان ابھی گزرا نہیں ہے بلکہ آنے والا ہے۔"

وہ اپنی کیفیت سے خود بھی پریشان تھی۔اتنا خوشی کا موقع تھا مگر اسکا دل کیوں بے چین ہو رہا تھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا، شادی کے وقت ایسی کیفیت ہو جاتی ہے۔تم زیادہ سوچو مت۔"

شفقت سے اسکا سر تھپتھپاتے وہ اسے لیے اندر کی جانب بڑھا۔

"آپ کی سوچیں بھی ایسی ہی ہیں کیا؟"

لہجے میں شرارت سموئے اس نے خان دلاور کو چڑایا۔

"مار کھاؤ گی اب تم۔۔۔"

انہوں نے اسے گھرکا۔مگر وہ تو باز آنے کے بجائے مزید بھائی کو چھیڑنے لگی تھی۔

اگلے دو دنوں میں ملکی تاریخ میں ایک بڑا بھونچال آیا تھا۔ نیاز کی بنائی گئی لسٹ کے مطابق ہر ممبر کو اپنی سیٹ سے استعفیٰ دینا پڑا تھا۔ حتیٰ کہ عوام نے گورنر آف خیبر پختونخواہ سے بھی استعفیٰ کا مطالبہ کر رکھا تھا۔ داؤد اور کزئی ہمیشہ پر سکون انداز میں لوگوں سے معاملات طے کرتے تھے۔ ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا تھا کہ وہ غصے سے ان لوگوں سے نپٹے ہوں۔ انکا غصہ سامنے والے کے لیے تو خطرناک ہوتا ہی تھا داؤد اور کزئی کے لیے بھی صحیح نہ تھا اسی باعث وہ اکثر ایسے معاملات کو ٹھنڈے مزاج سے حل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر اس بار حد کی گئی تھی۔ وار اس بار ان پر نہیں بلکہ انکی روحِ جاں پر کیا گیا تھا۔ وہ انہیں اس بار رعایت دینے والے نہ تھے۔

انکی میز پر معافی ناموں کا ڈھیر تھا۔ نہ صرف وہ لوگ جنہیں استعفیٰ دینا تھا بلکہ عوام کی جانب سے بھی انہیں کتنے ہی معافی نامے موصول ہوئے تھے۔ مگر انہوں نے ایک بھی کھولنے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔ وہ یونہی بند لفافوں میں مقید ڈسٹ بن کی نذر ہوئے تھے۔ وہ کھڑکی میں کھڑے باہر کا سہانا موسم دیکھ رہے تھے کہ رشید چاچا نے قہوہ لا کر ٹیبل پر رکھا۔

"صاحب۔۔۔"

"ہمم۔۔۔"

انکی آواز پر وہ اپنے خیالات سے چونکتے پلٹے تھے۔

"آپ نے بتایا نہیں عیان بی بی آپ کی منکوحہ ہیں۔"

انکی بات پر داؤد اور کزئی گہری سانس بھر کر رہ گئے۔چاچا کے لہجے میں شکوہ تھا۔

"بہت کم لوگوں کو علم تھا۔"

"اور ان میں بھی میں شامل نہیں تھا۔"

وہ کئی سالوں سے یہاں کام کر رہے تھے۔شکوہ کرنے کا حق بنتا تھا۔

"چاچا پہلے پہل تو بس اس وجہ سے نہیں بتا سکا کیونکہ میں یہ رشتہ نبھانے سے خوفزدہ تھا، مگر پھر عیان کو لے کر محتاط ہو گیا تھا۔"

"آپ کو مجھ سے خوف تھا؟"

"بخدا ایسا نہیں ہے۔میں بتانا چاہتا تھا مگر یوں نہیں۔پورے مان اور عزت کے ساتھ۔"

انکے لہجے میں دکھ تھا۔واقعی انہیں رشید چچا کو تو بتادینا چاہیے تھا۔گھر کی ہی بات تھی۔

"کوئی بات نہیں صاحب،بس میں چاہتاہوں آپ خوش رہیں۔"

یاسیت سے کہتے وہ باہر چلے گ ئے۔جبکہ داؤداور کزئ پشیمانی میں گھرے وہیں کھڑے رہ گ ئے۔ایک ذراسی کم ہمتی نے انکے کتنے لوگوں کودکھی کر دیاتھا۔

"تمہیں خبر بھی ہے تم نے کتنا بڑابلنڈر کیاہے؟وہ عورت سی ایم صاحب کی بیوی ہے۔کیا تمہیں خبر نہیں تھی۔"

منافقوں کاٹولہ اکھٹاہواتھا۔وہ اب اس انسان پر بھڑک رہے تھے جس کی شہہ پر وہ اتنا بڑااقدم اٹھاگ ئے تھے۔میز پر فون دھراتھاجس کے ذریعے وہ انسان ان سے رابطے میں تھا۔

"تمہارے لیے صرف داؤداور کزئ کو پریشان کرناضروری تھا۔تم نے باقی ہر چیز کو پسِ پشت ڈال دیا۔اب بتاؤکہ ہم اب کیاکریں۔تمہیں سی ایم کی کرسی

چاہیے تھی۔اسی لیے ہم نے تم پر اعتبار کیا مگر تم نے تو ہماری کرسیاں بھی چھین لیں۔"

"تم نے وعدہ کیا تھا کہ تمہارے سی ایم بنتے ہی ہم پر لگی یہ پابندیاں ختم ہو جائیں گی مگر اب تو ہمیں اپنی کرسی کے بھی لالے پڑ گۓ ہیں۔"

"تم لوگ میرے دماغ کی حد تک نہیں پہنچ سکتے ہو، درخت کو گرانے کے لیے پہلے چھوٹی ضربیں لگانی پڑتی یں۔تاکہ ایک بڑی ضرب اسے ایک جھٹکے میں گرادے۔میرے پاس اب بھی حکم کا اکا موجود ہے جو سی ایم کو انکی کرسی پر زیادہ دیر رہنے نہیں دے گا۔"

فون کے اس پار موجود انسان نے سفاکیت سے کہا۔وہاں موجود لوگوں نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"ہونہہ ہم اس بار تمہاری باتوں میں نہیں آنے والے۔اور نہ ہی داؤد اور کرزئ کے خلاف اب ہم بنا کسی ثبوت کے کوئ قدم اٹھائیں گے۔اگر ایسا کوئ ثبوت ہے تمہارے پاس جس سے داؤد اور کرزئ کو ڈھایا جاسکے تو ہی ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔"

ایم این اے فاروق اعظم نے اس انسان کو وارن کرنا چاہا۔

"ثبوت ایسا ہے کہ داؤد اور کرزئ کو اپنی کرسی ہر صورت ہی چھوڑنی پڑے گی۔ بس تم لوگوں نے اس معاملے کو اتنا اچھالنا ہے کہ سب کو لگے یہ معاملہ گھمبیر ہے۔"

غیر انسانی لہجہ لگتا تو نہ تھا کہ داؤد اور کرزئ کے اتنے قریبی انسان کا ہے۔ انہیں خود بھی جھر جھری آئ تھی۔ مگر لالچ نے انکے ضمیر کو مردہ کر دیا تھا۔ سو وہ شان سے بیٹھے سازشیں بُننے میں مصروف تھے۔

ایک خوشگوار صبح نے صوابی کو نور بخشا تھا۔ یہ شہر صبح سویرے بیدار ہونے والوں میں سے تھا۔ تبھی تو چھٹی کے روز بھی چہل پہل جاری وساری تھی۔ داؤد اور کرزئ آج انکے ساتھ ہی ناشتہ کرنے والے تھے۔ سو عیان صبح ہی صبح کچن میں گھسی ناشتہ بنانے میں مصروف تھی۔

"تو شوہر کو قابو کرنے کے سارے گر آزمائے جارہے ہیں۔"

خان دلاور کچن کی چوکھٹ پر کھڑے اسکے تیزی سے چلتے ہاتھوں کو دیکھ رہے تھے۔ عیان نے ایک ناراض نظر بھائ پر ڈالی۔

"مجھے انہیں قابو کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں البتہ نایاب بھابھی کو ضرورت ہے سارے گر سیکھنے کی۔"

عیان کو خوب خبر تھی کہاں دلاور کی سٹی گم ہوتی ہے۔اس وقت بھی وہ نفی میں سر ہلاتے باہر کی جانب جانے لگا۔

"ارے لالہ ادھر آئیں نہ۔"

اس نے فوراً انکا بازو تھاما۔خان دلاور نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"آپ بل والے پراٹھے بنائیں نہ، کتنے دن ہو گئے آپ کے ہاتھ کے پراٹھے کھائے۔"

معصومیت کی انتہا لیے اس نے فرمائش کی۔دلاور نے تاسف سے اسے دیکھا۔ اپنے مطلب کے لیے کیسے معصوم بن جاتی تھی یہ لڑکی۔

"تمہارا شوہر گھر آ رہا ہے، خود بناؤ نہ ان کے لیے۔میں تو اپنی بیگم کو بنا کر کھلاؤں گا۔"

اسکی ناک کھینچتے دلاور نے صفاچٹ انکار کیا۔عیان کو صدمہ ہی تو لگ گیا تھا۔ مطلب اب لالہ اسکی چھیڑ چھاڑ میں نہیں پھنسنے والا تھا۔وہ فوراً بھاگ کر اسکے سامنے آئی۔

"بس آج بنا دیں نہ پراٹھے پلیز۔۔۔وعدہ بھابھی کے لیے سب سے اچھی بری خریدوں گی۔"

اس نے لالچ دینا چاہا۔مگر وہ تو اسکی بات پر یوں ہنسنے لگا جیسے کسی بچے کی کسی معصوم بات پر ہنسا جاتا ہے۔

"عیان تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہارے اس لالچ میں آؤں گا۔"

اسکے بال بگاڑتا وہ باہر کی جانب بڑھا۔

دس منٹ بعد کچن میں جھانکو تو خان دلاور آٹا ہاتھوں میں لیے پیڑا بنانے میں مصروف تھا۔

عیان لبوں پر شریر مسکراہٹ لیے اس کے ساتھ پراٹھے بنا رہی تھی۔

"ارے عیان تیل کم لگاؤ، پتلی پتلی لیئرز کاٹو۔ہاں اب صحیح ہے۔اب ان سب کو آپس میں رسی کی طرح جوڑ دو۔"

خان دلاور پیڑے بنانے میں مصروف تھا۔جبکہ عیان کو بیلنے پر لگا رکھا تھا۔وہ جو اس سے پراٹھے بنوانے کا ارادہ رکھتی تھی اپنے ہی جال میں پھنس گئی تھی۔

"عیان اس رسی کو گول پیڑا بناؤ۔"

وہ جو یونہی آٹے سے کھیل رہی تھی دلاور کے کہنے پر منہ بسور کر رہ گئی۔

"اب یہ پھر مجھے ہی بیلنا ہو گا۔"

اس نے منہ پھلایا۔دلاور اسکی شکل دیکھ کر ہنس پڑا۔

"جلدی سے بیلو، سی ایم سر آتے ہی ہوں گے۔"

داؤد اور کزئ کا سن کر وہ جلدی سے بیلنے لگی تھی۔خان دلاور چمٹے کی مدد سے پراٹھا پلٹتے پکانے میں مصروف تھا۔سرخ اور گرما گرم پراٹھوں کی اشتہا انگیز خوشبو سارے گھر میں پھیلی ہوئ تھی۔مگر اس سے بھی زیادہ یہ محبت اور سکون کی مہک تھی جو سب کو مسحور کر رہی تھی۔

داؤد اور کزئ نے اپنا چھٹی کا پورا دن عیان کے گھر پر ہی گزارا تھا۔وہ آج باہری دنیا سے بالکل کٹ کے عیان کے ہمراہ ایک سادہ اور خوبصورت دن گزارنا چاہتے تھے۔اسی لیے انہوں نے نیاز کو بھی چھٹی دے دی تھی۔

"مجھے شدت سے انتظار ہے اس دن کا عیان جب آپ ہمیشہ کے لیے میرے پاس آجائیں گی۔"

اس کے ساتھ باہر لان میں واک کرتے انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔عیان کی ہتھیلیوں میں پسینہ در آیا تھا۔وہ آج سفید لباس میں ملبوس اسکی دی گئ سیاہ

شال اوڑھے ہوئے تھے۔وہ جو اسے دیکھنے میں مگن تھے تبھی کسی خیال کے تحت چونکے۔

"عیان آپ نے اس دن مجھے کال کیوں نہیں کی؟"

کس دن؟

وہ انکے اچانک سوال پر سمجھ نہ پائی تھی۔

"اسی دن۔۔۔"

وہ اس دن کی وضاحت نہ دینا چاہتے تھے شاید۔

"میں کال کرنے والی تھی، مگر ان لوگوں نے میرا فون جھپٹ لیا تھا۔"

ہونٹ لٹکاتے اس نے شکایت لگائی۔داؤد اور کرزئی اتنی بدتمیزی کا سن مٹھیاں بھینچ کر رہ گئے تھے۔اب اگلا ٹارگاٹ وہی لوگ تھے جنہوں نے عیان سے بدتمیزی کی تھی۔

"آئی ایم سوری میری وجہ سے آپ کو اتنا سب سہنا پڑا۔"

وہ سر جھکائے ندامت سے کہہ رہے تھے۔عیان نے تڑپ کر ان کے ہاتھ تھامے۔

"ایسا نہ کہیں خان جی۔ کچھ تکلیفیں ہماری قسمت میں لکھی ہوتی ہیں۔ وہ ہمیں ہر حال میں سہنی ہی ہوتی ہیں۔ پھر چاہے ہم کتنی ہی احتیاط کیوں نہ برتیں۔ بس اطمینان اس بات کا ہے کہ وہ تکلیف ختم ہو گئ ہے۔ "

نرم لہجے میں بولتی وہ انہیں سحر زدہ کر رہی تھی۔ داؤد اور کرزئ کے چہرے پر دلفریب مسکراہٹ چھائ تھی۔ یہ لڑکی جانے کیسے انکی ہر تکلیف کو، ہر پریشانی کو چٹکیوں میں مٹا دیتی تھی۔ وہ سچ میں انکا سکون تھی۔

صوابی پر رات نے اپنے پر پھیلا رکھے تھے۔ باہر ہر سمت خاموشی چھائ تھی۔ کہیں کہیں کتوں کے بھونکنے کی آواز ماحول میں ارتعاش پیدا کرتی تھی۔ ایسے میں سی ایم ہاؤس کے آفس روم سے ہلکی ہلکی روشنی کی لکیریں باہر آ رہی تھیں۔ اندر جھانکو تو داؤد اور کرزئ فائلز پر جھکے مصروف نظر آتے تھے۔

نیاز دروازہ کھٹکھٹا کر اندر گیا تو انہوں نے ایک پل کو سر اٹھایا پھر دوبارہ وہ کام میں مصروف ہو گئے۔ وہ قہوے کی ٹرے ٹیبل پر رکھتے انکی جانب دیکھنے لگا۔

" کبھی کبھی مجھے آپ پر قائد اعظم کا گمان ہوتا ہے سی ایم سر۔"

قہوہ اور گڑ کا پیالہ انکے آگے رکھتے اس نے متبسم لہجے میں کہا۔ داؤد اور کزئی نے چشمے کے پیچھے سے اسے ایک نظر دیکھا۔ پھر کپ اٹھاتے وہ گویا ہوئے۔

"وہ ایک عظیم انسان تھے۔ اگر تمہیں مجھ پر ان کا گمان ہوتا ہے تو یہ میری خوش قسمتی ہے۔"

انکی آواز بھاری محسوس ہو رہی تھی۔ نیاز نے فکر مندی سے انہیں دیکھا۔

"مگر میں آپ کے لیے فکر مند ہوں سر، ہم لوگ آج تک قائدِ اعظم سے شرمندہ ہوتے ہیں کہ وہ اتنی بیماری کی حالت میں بھی اپنا خیال رکھنے کے بجائے اپنے لوگوں کے لیے کوششیں کرتے رہے۔"

داؤد اور کزئی نے گھونٹ بھرتے گڑ کی ڈلی اٹھائی۔ وہ جانتے تھے اب نیاز کیا کہنے والا ہے۔

"مجھے ہمیشہ یہ قلق رہا سر کہ کاش میں اس وقت انکا اسسٹنٹ ہوتا تو میں ان کا خیال رکھتا۔ انہیں یوں اتنی آسانی سے موت کے منہ میں جانے نہیں دیتا۔ نہ انکی بگڑتی حالت کا تماشا دیکھتا۔"

اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔ لہجہ بھرا گیا تھا۔

"مگر دیکھیں میں آپ کو یونہی لوگوں کی فکر میں گھلتا دیکھ رہا ہوں۔ان کی وجہ سے آپ کو تکلیف میں مبتلا ہوتا دیکھ رہا ہوں۔اور میں کچھ بھی نہیں کر رہا۔"

سر جھکا لیا تھا۔لہجہ اذیت سے بھر گیا تھا۔داؤد اور کرزئ نے شفقت سے اس کی جانب دیکھا۔کون کہتا ہے کہ رحم اور احساس فقط عورت کی میراث ہے۔نیاز نے ہمیشہ ہی انکا خیال ہر انسان سے بڑھ کر رکھا تھا۔خود پر ضبط پاتے اس نے سر اٹھایا۔

"آپ کو اپنی زندگی کے بارے میں سوچنا چاہیے سر۔آپ کو اپنی فیملی کا سوچنا چاہیے اب۔"

اب کی بار لہجہ مضبوط تھا۔

"میرا ملک بھی تو میرا گھر ہے نیاز۔یہ لوگ بھی تو میری فیملی ہیں۔"

"ہاں ٹاکسک جوائنٹ فیملی۔۔۔۔"

اس نے منہ بسور کر کہا۔داؤد اور کرزئ اسکے لہجے پر ہنس دیے تھے۔

" صحیح کہہ رہا ہوں، یہ ٹاکسک جوائنٹ فیملی ہی ہے۔جو خود تو خوش باش رہ رہے ہیں مگر آپ کو سولی پر لٹکا رکھا ہے۔"

نخوت سے کہتے سر جھٹکا۔

"ایسے شکوے تو عیان بھی نہیں کرتی نیاز، تم تو روٹھی بیوی لگ رہے ہو۔"

قہوہ پیتے انہوں نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔عیان کے ذکر پر وہ یک دم چونکا۔

پھر ذرا سا آگے کو ٹیبل پر جھکا۔

"اس دن میڈم کے ساتھ رزاق نہیں گیا تھا۔"

اسکے بتانے پر داؤد اور کزئی چونکے تھے۔کپ بے ساختہ ٹیبل پر رکھا۔

"تو پھر کون تھا؟اور رزاق کدھر تھا؟"

ماتھے کی رگیں ابھرنے لگی تھیں۔انکی ناک تلے اتنا سب ہو گیا اور وہ بے خبر

رہے۔

"رزاق کو رشید چچا نے گروسری کے لیے بھیجا تھا۔اس دن میڈم کے ساتھ

کمال تھا۔"

داؤد اور کزئی نے مٹھی بھینچی۔

"کیا کمال سے اس بارے میں سوال کیا کہ اس نے کیوں لاپرواہی کی؟"

انکے سوال پر اس نے سرد آہ بھری۔

"کمال کٹی پھٹی حالت میں اسپتال میں موجود ہے۔"

داؤداور کزئ کی آنکھیں تحیر سے پھیلیں۔وہ تو سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ معاملہ اتنا پیچیدہ ہو سکتا ہے۔

"کیاان لوگوں نے۔۔۔؟"

نیاز نے نفی میں سر ہلایا۔

"معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے جتنا نظر آتا ہے۔آپ نے اس بارے میں عیان میڈم کو بتایا؟"

اس کے سوال پر داؤداور کزئ نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں نہیں چاہتا کہ وہ خوفزدہ ہو جائے۔وہ یہ سمجھے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں ہی محفوظ نہیں۔"

انہوں نے کہتے پریشانی سے سر کرسی کی پشت سے ٹکایا۔نیاز کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری۔انہوں نے سی ایم ہاؤس نہ کہا تھا۔عیان کے شوہر کا گھر کہا تھا۔

کتناپیاراا حساس تھا کہ اسکے باس نے نارمل زندگی کی جانب قدم بڑھادیا تھا۔

"اس معاملے کو فی الحال خاموشی سے ملاحظہ کرو نیاز۔ ورنہ دشمن چوکنا ہو جائیں گے۔انہیں اگلا وار کرنے دو تاکہ ہم اسی وقت انکے چہروں کے نقاب ہٹا سکیں۔"

وہ یونہی آنکھیں موندے کہہ رہے تھے۔ نیاز نے پریشانی سے انہیں دیکھا۔ وہ اتنا رسک کیوں لے رہے تھے۔ جانے دشمن کا اگلا وار کتنا خطرناک ہوتا۔

"مگر سر۔۔۔"

"عیان کی حفاظت تمہارے ذمہ ہے۔اگر کبھی میں مشکل میں پھنس بھی جاؤں تو بھی پہلے عیان کو محفوظ رکھنا۔"

اسکا کوئی بھی اعتراض سنے بغیر انہوں نے اسے حکم کا پابند کیا تھا۔اور انکا حکم تو نیاز کے لیے اسکی زندگی سے بھی بڑھ کر تھا۔

خان صفدر کے گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ عیان تو اڑی اڑی پھرتی تھی۔اپنی شادی سے بھی زیادہ بھائی کی شادی کی خوشی تھی۔ نایاب خان صفدر کے کسی دوست کی بیٹی تھی۔ شرمائی لجائی سی لڑکی عیان کو اپنے بھائی کے لیے بے حد پسند تھی۔

دھیمابولتی کم گواور معصوم سی نایاب اسکے بھائی کے لیے ایک دم پرفیکٹ تھی۔

"بھابھی اب سے آپ ہمارے بھائی کی ہو گئیں۔"

دعائے خیر کا سرخ دوپٹہ اس کے سر پر ڈالتے عیان نے چہکتے ہوئے کہا۔اسکی بات پر شرم سے سرخ ہوتی نایاب نے سر جھکالیا۔جبکہ عیان تو اسکی تصویریں بناتی اپنے لالہ کو تنگ کرنے کاارادہ رکھتی تھی۔عیان کی فکریں کہیں دور جاسوئی تھیں۔وہ تواپنے لالہ کی شادی کاایک ایک پل یادگار بنانا چاہتی تھی۔

-

رات کو وہ خان صفدر اور زخرف خاتون کے ہمراہ گھر لوٹی تھی۔دلاور گھر پر ہی رکا تھا۔عیان سارا رستہ اسے میسیجز کر کر کے اسکا دماغ کھاتی رہی تھی۔اس نے اسے نایاب کی ڈھیروں تصاویر بھیجی تھیں۔مگر کسی میں بھی وہ دکھائی نہ دے رہی تھی۔کہیں اسکے ہاتھ دکھ رہے تھے تو کہیں دوپٹے میں جھکا سر۔

وہ جو دھڑکتے دل کو سنبھالتے تصاویر دیکھنے کی چاہ میں تھا۔ عیان کی اس حرکت پر سخت بدمزہ ہوا۔

"تم ذرا گھر آؤ، تمہیں سیدھا کرتا ہوں میں۔"

اس نے غصے والا ایموجی بھیجا۔ مگر وہ عیان ہی کیا جو باز آجائے۔ گھر پہنچی تو پورا گھر روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ وہ حیران سی گاڑی سے اتری۔

"ابھی سے لائٹنگ کرلی گھر میں، اور مجھے بتایا کیوں نہیں۔"

حیرت زدہ سی وہ اندر داخل ہوئی مگر گھر میں داخل ہوتے اسکی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔ داؤد اور کرنی سفید لباس میں ملبوس دروازے پر ہی نظر جمائے بیٹھے تھے۔

"خان جی۔۔"

وہ دروازے پر ہی حیرت سے ساکت ہو گئی تھی۔ زخرف خاتون نے تاسف سے اسے دیکھتے لا کر صوفے پر بٹھایا۔ مگر وہ تو اتنی حیران تھی کہ ان پر سے نظر ہی ہٹا نہ سکی۔ داؤد اور کرنی اسکی یہ محویت نوٹ کرتے مسکرا دیے تھے۔ یہ بے وقوف لڑکی گردو پیش بھلا بیٹھی تھی۔ اور کیوں نہ بھلاتی وہ پورے چار دن بعد اسے نظر آئے تھے۔

"نتاشا آنہیں سکتی تھی تو اس لیے مجھے خود ہی آنا پڑا۔"

وہ خان صفدر سے مخاطب تھے۔

"آپ خود آئے ہیں ہمارے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔"

خان صفدر نے خوش دلی سے انہیں اجازت دی۔ انکے کہنے پر نیاز نے ایک بڑی سی پھولوں سے سجی ٹوکری لا کر ٹیبل پر رکھی۔ عیان حیرت سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔

"سوری عیان مگر میری مجبوری ہے کہ میں اپنے ایونٹس میں باہر کے لوگوں کو شامل نہیں کر سکتا۔"

انہوں نے سرخ دوپٹہ ٹوکری سے اٹھاتے اس سے معزرت کی۔

"عیان سب سمجھتی ہے سی ایم سر، آفٹر آل یہ اتنی سمجھدار جو ہے۔"

دلاور آکر اسکے سامنے والے صوفے پر بیٹھا۔ لہجہ تپا تپا سا لگ رہا تھا۔ عیان جو داؤد اور کزئ کی جانب متوجہ تھی بھائی کی بات پر مسکرا کر سر جھکا گئ۔ بھلا داؤد اور کزئ اسکی شرارتوں سے کہاں واقف تھے۔

داؤداور کزئ دوپٹہ اٹھائے اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ عیان تو باقی سب بھول گئ تھی۔ کچھ گھر والوں کی موجودگی کی وجہ سے جھجھک تھی۔ کچھ اپنی رسم کا اعجاز تھا کہ وہ دلہنوں سی شرما گئ تھی۔

داؤداور کزئ نے سرخ دوپٹہ اس پر ڈالا۔ عیان نے آنکھیں میچ لی تھیں۔

"پہلے کوئ رسم نہیں ہو سکی، مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ کے دل میں کوئ حسرت نہ رہے۔"

وہ ذرا سے اسکی جانب جھکے دھیمے لہجے میں کہہ رہے تھے۔ عیان لب دبائے بیٹھی تھی۔ انکی بات پر وہ مسکرا کر رہ گئ۔ بھلا جسے داؤداور کزئ مل گئے ہوں اسکی اور کیا حسرت ہو سکتی ہے۔

وہ دوپٹہ نایاب کے دوپٹے سے ملتا جلتا تھا۔ سامنے سنہرے الفاظ میں دعائے خیر لکھا تھا۔ عیان کو فطری جھجھک نے آگھیرا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے پہلی بار دلہن بن رہی ہو۔

"کیسا لگا سرپرائز؟"

دلاور نے اسکے سر پر ہاتھ رکھتے متبسم لہجے میں پوچھا۔

"زندگی کا سب سے پیارا سرپرائز ہے۔"

اسے خود پر رشک آیا تھا۔روئے زمین پر خود سے خوش قسمت اور کوئی نہ لگ رہا تھا۔دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے وہ ان لمحوں کے امر ہونے کی دعا مانگ رہی تھی۔

"دعائے خیر مبارک ہو عیان۔"

اس بار تو داؤد اور کرزئی کو کسی کو کہنا نہیں پڑا تھا۔وہ تو آج اس پر نہال ہو رہے تھے۔پچھلی بار جو لمحے رہ گئے تھے وہ اب پورے ہو رہے تھے۔اور زیادہ شدت، محبت اور خوبصورتی سے تکمیل پا رہے تھے۔

"سر آپ اپنے قریبی لوگوں کی فیملی کو تو بلا ہی سکتے تھے۔پھر اس طرح اکیلے جانے کی کیا ضرورت تھی۔"

وہ لوگ واپسی کے سفر پر گامزن تھے جب نیاز نے ان سے سوال کیا۔وہ جو باہر تاریکی میں کچھ کھوجنا چاہ رہے تھے اسکی بات پر مبہم سا مسکرائے۔

"ہاں مگر وہ خاص لمحے پھر خاص نہیں رہتے۔"

مسکراتے ہونٹوں پر انگلی ٹکائے وہ اس حسین تصور کو اپنی یاداشت میں دہرا رہے تھے۔گاڑی میں خاموشی چھائی تھی۔داؤد اور کرزئی سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں موندے ہوئے تھے۔لبوں پر دلکش مسکراہٹ رقصاں

تھی۔اور آنکھوں کے پردوں پر وہ منظر پوری آب وتاب کے ساتھ جگمگانے لگا تھا۔

شرماتی ہوئی انکی عیان اور اس پر سرخ آنچل ڈالتے داؤد اور کرزئی۔منظر بہت دلنشین تھا۔وہ اندر تک سرشار ہوئے تھے۔

"عیان کے سر پر چادر داؤد اور کرزئی کے نام کی تھی۔تو پھر داؤد او کرزئی کے ہوتے کوئی اور کیوں ڈالتا بھلا۔"

اپنی حرکت پر مسکراتے وہ اب تک جیسے ان لمحوں کو جی رہے تھے۔عیان کے سنگ زندگی اتنی خوبصورت ہوگی انہوں نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔

وہ داؤد اور کرزئی کی دلہن تھی،اسے سب سے خاص پروٹوکول ملنا چاہیے۔اور یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ داؤد اور کرزئی پروٹوکولز پر کتنی سختی سے کاربندرہتے تھے۔

عیان اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔سر پر اب تک وہ سرخ دوپٹہ تھا۔جو داؤد اور کرزئی نے اس پر ڈالا تھا۔کتنے ہی پل وہ آئینے کے سامنے محو سی بیٹھی رہی

تھی۔داؤداور کزئ کے التفات ہمیشہ اچھوتے ہوتے تھے۔اور جب جب وہ اس پر نچھاور ہوتے تھے اسے یونہی مسمرائز کر دیا کرتے تھے۔

کون کہہ سکتا تھا کہ ہمیشہ کام اور سیاست میں خود کو مصروف رکھنے والے داؤد اور کزئ کا یہ پہلو اتنا خوبصورت اتنا اچھوتا ہو گا کہ افسانوں کو بھی مات دے جائے گا۔پر سکون جھیل کے جیسے گہرے داؤداور کزئ کی محبت بھی ایسی ہی تھی۔

دلاور کے دروازہ کھٹکھٹانے پر وہ اپنے خیالات سے چونکتی اٹھی۔

"جی لالہ۔"

"نیند نہیں آرہی اگر تو باہر آجاؤ۔"

اسے کہتے وہ باہر کی جانب بڑھ گیا۔عیان خود پر شال لپیٹتے باہر کی جانب بڑھ گئ۔وہ دونوں بہن بھائ اب ٹھنڈی ہوا کے مزے لیتے واک کر رہے تھے۔

"اتنی رات کو یہ لال دوپٹہ اوڑھ کر باہر آگئ ہو عیان،پہلے ہی چڑیل جیسی ہو اب اس دوپٹے کو دیکھتے ایک اور چڑیل جھپٹ پڑی تو سی ایم سر کا کیا ہو گا۔"

"لالہ۔۔۔"

پیر پٹختے وہ چیخی تھی۔

"ہاں تو کیا غلط کہہ رہا ہوں۔"

اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔ عیان جو اسکے چڑانے پر تپ گئی تھی یکا یک کسی شرارت کے احساس سے اسکی آنکھیں چمکی۔

"آپ غلط نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ آپ جیلس ہو رہے ہیں کہ نایاب بھابھی کو تو آپ دیکھ بھی نہیں سکے اور۔۔۔"

دانستہ بات ادھوری چھوڑی۔ دلاور نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

"تم میری فکر چھوڑو اور یہ سوچو کہ سی ایم سر کے ساتھ کوئی بھی فیملی ممبر نہیں آیا۔ نہ کوئی دوست نہ رشتہ دار۔"

خان دلاور کے کہنے پر وہ یک دم خاموش ہوئی تھی۔ اس بار تو واقعی کوئی بھی نہیں تھا۔

تبھی دلاور نے اسکے سر پر چپت رسید کی۔ اس نے منہ بسورتے سر اٹھایا۔

"شکر ہے میں نے کہہ دیا تھا کہ ہماری عیان سمجھدار ہے، ورنہ تو تم نے اپنی بے وقوفی کا ثبوت دے ہی دینا تھا آج۔"

وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ جبکہ عیان نا سمجھی سے بھائی کو دیکھ رہی تھی۔

"داؤد اور کزئی جیسے بنتے ہیں ویسے ہیں نہیں۔"

عیان اب بھی نہیں سمجھی تھی۔وہ یونہی ہونق بنی اسے دیکھ رہی تھی۔

"بے وقوف وہ خود تمہیں دوپٹہ اوڑھانا چاہتے تھے تبھی تو کسی کو ساتھ نہیں لائے۔اگر عورتیں ساتھ آتیں تو یہ رسم وہ کرتیں۔"

وہ جو اسے ان لمحوں کا احساس کروانا چاہتا تھا۔اس کوڑھ مغز کو دیکھ کر جھنجھلا ہی تو گیا تھا۔

عیان کو کئی لمحوں تک اسکی بات سمجھ ہی نہیں آئی تھی۔

"بے وقوفوں کی سردار ہو تم عیان،میرا نکاح بھی دعائے خیر سے پہلے ہوا ہوتا تو میں بھی سی ایم سر کا یہ اسٹائل کاپی کرتا۔مگر مجھے تو رکھوالی کے لیے یہاں چھوڑ گئے تھے سب لوگ۔"

اس بے وقوف سے دماغ کھپانے سے بہتر تھا وہ نایاب کو کال کر لیتا۔کم از کم وہ اسکی طرح ہونق شکل تو بنا کر نہیں رکھتی تھی۔

"مگر دعائے خیر سے پہلے نکاح کیسے ہو جاتا آپ کا لالہ۔دعائے خیر میں ہی تو نکاح کی ڈیٹ فکس کرتے ہیں۔۔۔"

بولتے بولتے اسے یک دم دلاور کی بات کا احساس ہوا تھا۔داؤد اور کرزئی اس پر اپنے نام کی چادر خود ڈالنا چاہتے تھے تبھی تو۔۔۔

وہ جوان لمحوں کو جی کر دلہنوں سا شرمائی تھی اس وقت تو پوری سرخ ہو گئی تھی۔داؤد اور کرزئی کی جانب سے محبت کا یہ التفات اس میں دھنک رنگ بھر گیا تھا۔

"بے وقوف تو میں واقعی بہت ہوں۔"

مسکراہٹ لبوں سے جدا ہی نہ ہو رہی تھی۔وہ بھاگ کر کمرے میں گئی۔داؤد اور کرزئی کو دیکھنے کی خواہش اتنی شدت سے دل میں جاگی تھی کہ وہ بے اختیار آج کی تصویریں دیکھنے لگی۔اسے اپنے بھائی پر بھی پیار آیا تھا۔جس نے کسی رازدار سہیلی کی طرح اسکے ہر خوبصورت لمحے کو کیمرے میں قید کر لیا تھا۔

"بھائی میرا بہت دل تھا آنے کا مگر سبحان کے ایگزامز ہو رہے ہیں۔"

نتاشا لہجے میں حسرت سموئے داؤد اور کرزئی کو بھی دکھی کر گئی تھی۔ان کا اتنا خاص دن تھا اور انکی اکلوتی بہن ان سے اتنے دور تھی۔ان کی فیملی میں ایک بہن ہی تو تھی اور وہ بھی انکے اتنے خاص دن پر آ نہیں سکتی تھی۔

"کوئی بات نہیں نتاشا، سبحان کی پڑھائی ضروری ہے۔ایسے بچے پھر ڈسٹرب ہو جاتے ہیں۔"

انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے تسلی دی۔ جانتے تھے اسکے کتنے ارمان تھے انکی شادی کو لے کر۔ تبھی وہ اسے دکھی نہ کرنا چاہتے تھے۔

نتاشا اب انہیں عیان کے لیے جو سامان خرید نا تھا اسکی لسٹ بنوار ہی تھی۔ گو کہ وہ خود بھی عیان کے لیے کافی شاپنگ کر چکے تھے مگر وہ عیان کو کسی بھی چیز کی کمی نہ ہونے دینا چاہتے تھے۔ تبھی نتاشا سے مشورہ لے رہے تھے۔ وہ بھائی کو یوں گھر گھر ہستی میں مصروف دیکھ خوش ہوئی تھی۔ انکا دھیان بٹ گیا تھا۔ اب انکی تنہائی باٹنے کو انکی زندگی میں عیان موجود تھی۔

دلاور کے نکاح پر داؤد اور کزئ نے عیان کے شوہر کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔ عیان تو اڑی اڑی پھر رہی تھی۔ اسکا تو بس نہ چل رہا تھا کہ وہ آج ہر آئے گ ئے بندے کے پاس داؤد اور کزئ کو لے جاتی اور وہ اس سے ملتے ہوئے خوشدلی سے کہتے۔

"السلام علیکم، میں داؤد اور کزئ۔۔ عیان کا شوہر۔"

وہ جتنی باران کے منہ سے یہ الفاظ سن رہی تھی اتنی ہی باران پر صدقے واری جارہی تھی۔ انہوں نے باقی ہر پہچان رہنے دی تھی۔ بس وہی پہچان

بتائی تھی جوانکی محبوب بیوی کو بھا رہی تھی۔جو اسے فرش سے عرش پر پہنچائے ہوئے تھی۔

گو کہ داؤد اور کزنز کی موجودگی کی وجہ سے سخت سیکیورٹی کا خیال رکھا گیا تھا۔مگر وہ عیان کی خاطر اسکے ہر رشتہ دار اسکی ہر سہیلی سے ملے تھے۔ان کے ساتھ تصویریں کھنچواتے وہ عیان کے دل کو کس قدر دھڑکا رہے تھے یہ بس عیان ہی جانتی تھی۔

نکاح کے گواہان میں شامل وہ آج حقیقی معنوں میں خان صفدر کا داماد ہونے کا فرض نبھا رہے تھے۔عیان کی نظریں تو بس انہی پر جمی تھیں۔

"عیان اپنے شوہر کی نظر اتار لینا۔"

اسکی سہیلی کے ٹہوکا دینے پر وہ دل سے مسکرائی تھی۔دل میں بے ساختہ ہی ماشاءاللہ کہا تھا۔

"نایاب کو لا کر دلاور کے پہلو میں بٹھایا گیا تو عیان کو اپنے نکاح کا لمحہ یاد آیا۔"

"آپ چاہیں تو ہم دوبارہ یہ لمحے جی سکتے ہیں۔"

وہ جانے کب اسکے پیچھے آ کھڑے ہوئے تھے۔

"میں نے ایسا کب کہا؟"

وہ بوکھلا ہی تو گئی تھی۔داؤد اور کرزئی اب اسکے مقابل آتے اس کا ہاتھ تھام گ ئے۔

"خواہش تو ہو گی۔میں سوچتا ہوں کہ میں بھی کتنا بے وقوف تھا اتنے خوبصورت لمحوں کو محسوس ہی نہیں کیا۔نہ آپ کو ٹھیک سے دیکھا نہ کوئی گفٹ دیا۔"

عیان کا دل ہتھیلی میں دھڑکنے لگا تھا۔داؤد اور کرزئی اسکے معاملے میں بے اختیار ہونے لگے تھے۔انہیں واقعتاً اپنے رویے کا افسوس ہو رہا تھا۔

"خان جی مجھ سے پوچھیں تو اس سے پیارا نکاح شاید ہی کسی کا ہوا ہو گا۔روئے زمین پر مجھ سے خوش قسمت شاید ہی کوئی دلہن ہو گی۔"

وہ انکی جانب نہ دیکھ رہی تھی۔مگر اسکی ساری حسیات انہی کی جانب متوجہ تھیں۔داؤد اور کرزئی اس کی بات پر مسکرا دیے تھے۔اس لڑکی کی محبت کا مقابلہ شاید وہ نہ کر سکتے تھے۔

"نکاح مبارک زمہ جاناں۔"

نایاب کی جانب جھکتے وہ مدھم لہجے میں گویا ہوا۔جواباً نایاب کے چہرے پر شرمگیں مسکان پھیل گئی۔پستئ رنگ میں ملبوس وہ سر جھکائے بیٹھی اپنی دھڑکنوں کو معمول پر لانے کی کوشش میں سرگرداں تھی کہ دلاور نے چپکے سے اس کا ہاتھ تھاما۔نایاب کو لگا جیسے دل اسی ہتھیلی میں مقید ہو گیا ہو۔اس نے آہستگی سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر وہ جو سنجیدہ چہرہ بنائے سامنے دیکھ رہا تھا گرفت مضبوط کر گیا۔اتنے لوگوں کی نظراں پر تھی وہ ہلکا سا بھی جھٹکا دیتی تو نظروں میں آجاتی۔سو سر جھکائے بیٹھی اپنی ہتھیلی کو پسینے میں بھیگتا محسوس کر رہی تھی۔

رشتہ ہونے کے بعد بھی دلاور سے اسکی بات چیت نہ ہونے کے برابر تھی۔پہلی بار اس نے دعائے خیر کی رات اسے کال کی تھی۔مگر تب بھی اس کے لہجے سے ایسی بے باکی عیاں نہ ہوتی تھی۔شاید وہ پہلے اسکے تمام جملہ حقوق اپنے نام کروانا چاہتا تھا۔تبھی اب بڑے مزے سے بیٹھا اسکے چھکے چھڑا گیا تھا۔

"ہاتھ چھوڑیں۔"

دھیمے لہجے میں اس نے آخری سعی کرنی چاہی۔وہ جو اسی کی جانب متوجہ تھا یوں بن گیا گیسے سنا ہی نہ ہو۔نایاب نے اسے ناخن چبا کر اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا۔

"ہمم؟ کچھ کہا کیا؟"

میرا ہاتھ۔۔۔

بمشکل ہی دلاور کو اسکی آواز سنائی دی تھی۔

"کیا ہوا ہاتھ کو؟"

وہ تو ایسے بیٹھا تھا جیسے بالکل لاعلم ہو۔

"میرا ہاتھ چھوڑیں۔"

ہمت کرتے اس نے کہہ ہی دیا۔

"چھوڑنے کے لیے تھوڑی نہ تھاما ہے زمہ جاناں۔"

اس طرزِ تخاطب پر وہ گل وگلنار ہوئی تھی۔ تبھی عیان داؤد اور کزئ کے ہمراہ اسٹیج پر آئی۔

"بہت بہت مبارک ہو بھابھی آپ کو اور لالہ آپ کو بھی۔"

عیان تو آج ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ داؤد اور کزئ کی ہمراہی میں تو وہ زمین پر پیر نہ رکھ رہی تھی۔

"بہت مبارک ہو خان دلاور، بھابھی آپ کو بھی۔"

داؤد اور کزئ کے گھمبیر لہجے پر نایاب اتنی کنفیوز ہوئی کہ شکریہ بھی نہ کہہ سکی۔ کہ وہ کوئی عام ہستی نہ تھا۔ جس سے بات کرنے کے لیے بڑے بڑے لوگ ترستے تھے وہ آج خود انہیں مبارکباد دینے آیا تھا۔ نایاب کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ گو کہ پہلے سے جانتی تھی وہ داؤد اور کزئ اور عیان کے بارے میں مگر سننے میں اور روبرو ملنے میں بہت فرق تھا۔

عیان نایاب کا دوپٹہ ٹھیک کرنے کے بہانے ذرا سا جھکی۔

"لالہ میں آنٹی سے اجازت لے کر ملاقات کروا دوں گی، مگر ابھی بھابھی کا ہاتھ چھوڑیں سب دیکھ رہے ہیں۔"

وہ جو سامنے دیکھتے یوں پوز کر رہا تھا جیسے نایاب سے لاتعلق بیٹھا ہو۔ عیان کے کہنے پر کرنٹ کھا کر رہ گیا۔ جبکہ اسکے چہرے پر شریر مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ نایاب نے مزید اپنا سر جھکا لیا۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے عیان، تم بھی تو اپنے شوہر کا ہاتھ پکڑے کھڑی تھی میں نے کچھ کہا کیا۔۔۔"

دانت پیستے وہ گویا ہوا۔اب جھٹکا کھانے کی باری عیان کی تھی۔تو اسکا بھائی آج بھی اس سے بے خبر نہیں تھا۔ تبھی سرد آہ بھرتی سیدھی ہوئی۔

"ہاں ٹھیک ہے کیری آن، چاہے ہاتھ پکڑیں یا گلے لگائیں۔اب آپ کی ملکیت ہیں۔"

بے چارہ سامنہ بناتے اس نے کہا۔نایاب انکی نوک جھونک انجوائے کر رہی تھی۔اس سب میں یہ بھی دھیان نہ رہا کہ ہاتھ دلاور نے اب تک نہ چھوڑا تھا۔

"عیان چلیں؟"

داؤد اور کزئ کے پکارنے پر وہ فوراََ پیچھے ہوتی اسٹیج سے اتر گئ۔دلاور نے دل ہی دل میں داؤد اور کزئ کا شکریہ ادا کیا۔جو اس طوفان کو اپنے ہمراہ لے گ ئے۔

"اب تو ہاتھ چھوڑیں، عیان نے بھی دیکھ لیا۔"

نایاب کو پھر پریشانی نے آ گھیرا۔

"حق حلال کی بیوی ہیں آپ میری، کیوں ہاتھ چھوڑ دوں۔"

وہ تو مزید مظبوطی سے ہاتھ تھام کر بیٹھ گیا۔ نایاب اب کیا ہی کہتی اس کو۔۔

ایک روشن صبح نے صوابی کو نور بخشا تھا۔ آج عیان کی شرارتیں جانے کہاں سوئی تھیں۔ دلہن بن کر اس پر خوب روپ آیا تھا۔ داؤد کی دلہن لکھا سرخ دوپٹہ اوڑھے وہ آج ہمیشہ کے لیے انکے سنگ رخصت ہونے والی تھی۔ داؤد اور کزنز آج پوری شان و شوکت سے اسے بیاہنے آئے تھے۔ پہلے کی رسمیں بھلے ہی انہوں نے سادگی سے کی تھیں مگر آج تو جیسے صوابی پر بہار اتر آئی تھی۔ وہ پریوں کی رانی تھی۔ اسے رانی ہی کی طرح وہ لے جانے آئے تھے۔ میڈیا کو انہوں نے آج بھی باز رکھا تھا، کہ وہ اپنی زندگی کا کوئی بھی لمحہ پبلک کرنے کے حق میں نہیں تھے۔

عیان کو اپنے نام کا دوپٹہ اوڑھے دیکھ وہ اندر تک سرشار ہوئے تھے۔ اسکے پہلو میں آکر وہ بیٹھے تو عیان کو لگا جیسے آج ہی اسے انکی ہمراہی سونپی گئی ہو۔ جیسے آج ہی وہ انکے نام ہوئی ہو۔ احساسات عجیب ہونے لگے تھے۔

وہ جو سارے فنکشن میں اڑی اڑی پھرتی تھی آج لبوں پر قفل لگائے بیٹھی تھی۔دوسرے صوفے پر دلاور نایاب کے ہمراہ بیٹھا اسکے کانوں میں محبت کی میٹھی سرگوشیاں کرنے میں مصروف تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں نہ عیان۔"

انہیں اسکے جسم میں لرزاہٹ محسوس ہوئ تھی۔عیان تومزید سمٹ گئ تھی۔ وہ چیل سی نگاہ رکھنے والا شخص تھا۔پھر کیسے ممکن تھا کہ وہ عیان کا لرزنا محسوس نہ کرتے۔

"ٹھیک ہوں۔"

بمشکل ہی اسکی آواز نکل سکی تھی۔گھونگھٹ کیا دوپٹہ آگے کو مزید کھینچا۔

"ٹھیک نہیں لگ رہی ہیں۔"

عیان نے کچھ کہنے کے بجائے ان کے بازو کو تھاما۔وہ حد سے زیادہ نروس لگ رہی تھی۔اتنے لوگوں کا خود کی جانب متوجہ ہونا اسے پزل کررہا تھا۔داؤد اور کرزئ نے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"ریلیکس۔۔۔"

عیان کو تھوڑا سکون محسوس ہوا تھا۔ایسے لگا جیسے حبس زدہ موسم پُر بہار ہو گیا ہو۔رخصتی تک داؤد اور کزئ اسکا ہاتھ تھامے بیٹھے رہے تھے۔انگوٹھے سے اسکے ہاتھ کی پشت کو سہلاتے اسے پُر سکون رکھنے کی لاشعوری کوشش کر رہے تھے۔

دلہن بنی نایاب بیڈ پر بیٹھی آنے والے لمحات کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ گو کہ دلاور کا رویہ خاصا دوستانہ تھا مگر ایک فکر سی تھی آئندہ زندگی کو لے کر۔

"السلام علیکم۔"

دلاور اسکے سامنے آبیٹھا تو نایاب نے مدھم لہجے میں اسے جواب دیا۔اس نے مسکراتے ہوئے اسکے سامنے ہتھیلی پھیلائ تو نایاب نے جھجھکتے ہوئے اسکے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"اب تو اجازت ہے نہ۔"

ہلکا سا جھکتے اس نے متبسم لہجے میں پوچھا۔جواباً اس نے شرماتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"شکر ہے، ورنہ مجھے لگا تھا آج بھی چھوڑنے کا کہیں گی۔"

اسکے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ جماتے وہ ہلکے پھلکے لہجے میں گویا ہوا۔ مہکتی رات انکے رشتے میں نئے رنگ بھرنے لگی تھی۔

عیان پہلے بھی کافی بار داؤد اور کزئ کے کمرے میں آچکی تھی مگر آج تو وہ اس کمرے کی مکین بننے آئ تھی۔ ہاتھ مسلتی وہ ایک بار پھر نروس ہونے لگی تھی۔ داؤد اور کزئ کمرے میں داخل ہوئے تو اس نے سر مزید جھکا لیا۔ داؤد اور کزئ نے تاسف سے اسکے ہاتھوں کی جانب دیکھا۔ وہ انگلیاں چٹخاتے ہاتھوں کو سرخ کر چکی تھی۔ انہوں نے نرمی سے اسکا ہاتھ تھاما۔

" کبھی آنکھوں پر ظلم کرتی ہیں تو کبھی ہاتھوں پر۔"

اسکے ہاتھ کو سہلاتے ان کے درمیان خاموشی در آئ تھی۔

"میں چینج کر لوں۔"

خاموشی سے گھبراتے اس نے اٹھنا چاہا۔

"اگر تھکی نہیں ہیں تو کچھ دیر ایسے ہی رہیں۔ میں نے ابھی ٹھیک سے محسوس نہیں کیا۔"

وہ اسکے ہاتھوں کو دیکھ رہے تھے۔پھر سر اٹھاتے انہوں نے اس پر رکھا دوپٹہ ہٹایا۔

"میری دلہن۔۔۔"

اتنا دلفریب احساس تھا کہ سرشاری انکے ہر انداز سے ظاہر ہونے لگی تھی۔

انہوں نے اسکی پیشانی سے اپنی پیشانی ٹکرائی۔

"ہر دن آپ سے نئے سرے سے محبت ہوتی ہے عیان۔اور ہر دن یہ محبت پہلے سے شدید لگتی ہے۔"

عیان کے دونوں ہاتھ تھامے،وہ آج اپنے دل کا تمام حال کہہ دینا چاہتے تھے۔

"ہاں لے آئے ہیں سی ایم سر اس عورت کو۔"

سیاہ کمرہ آج پھر واضح ہوا تھا۔اور وہی مرد فون کان سے لگائے کسی کو مطلع کر رہا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے میں سمجھ گیا ہوں۔"

جواباً کچھ کہا گیا تھا۔وہ مرد اثبات میں سر ہلاتے ملنے والے حکم کی تعمیل کی یقین دہانی کروا رہا تھا۔دلکش ہواؤں نے غموں کو باز رہنے کی دھمکی دی تھی۔

مگر وہ خود سر جھکڑا نہیں روندنے پر مائل نظر آتے تھے۔خوشبوؤں میں گھرے گھر کو سازش کی مہک بدبودار کرنے کے درپے تھی۔

"حکم کا اکا استعمال کرنے کا وقت آگیا ہے۔"

یہاں سے دور آفس روم میں کال کی گئ تھی۔کال سننے والے کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ پھیلی تھی۔فون بند کرتے اس نے پیچھے کھڑے شخص کی جانب دیکھا۔

"سی ایم سر کو شادی کا تحفہ دینے کا وقت آگیا ہے۔"

روشنی میں اس شخص کا چہرہ واضح ہوا تھا۔وہ نیاز تھا۔سی ایم سر کا خاص آدمی، ان کا جاں نثار۔۔۔

"سمجھ گیا سر، کام ہو جائے گا۔"

مؤدب لہجے میں کہتا وہ باہر نکل گیا۔گاڑی تیزی سے اس بنگلے سے باہر نکلی تھی۔سازش کی بدبودار مہک اس گاڑی کا پیچھا کر رہی تھی۔کل کا سورج جانے داؤد اور کرزئ کے لیے کونسا طوفان لانے والا تھا۔

"سی ایم صاحب بہت جلد آپ کا پتا صاف ہو جائے گا۔ ویسے مجھے افسوس تو رہے گا کافی ایماندار شخص تھے آپ، مگر آپ بھول گئے کہ یہ سیاست ہے یہاں ایمانداری جرم نہیں گناہ ہے۔"

کھڑکی میں کھڑا وہ شخص سگار پھونکتے تصور میں ان سے مخاطب تھا۔ کبھی یہی شخص ان سے حد درجہ مرعوب نظر آتا تھا۔ وہ ان کے رکھ رکھاؤ، بات چیت، پر رعب شخصیت سے حد درجہ متاثر تھا۔ مگر سیاست میں مرعوبیت کا کیا دخل۔ یہاں تو کرسی کی خاطر خون کے رشتوں کو بھی سولی پر ٹانگ دیا جاتا ہے۔

صوابی کی اس دلنشیں رات میں پُر بہار رتوں کو شکست ہونے لگی تھی۔ ہر طرف اب جھگڑوں کا راج تھا۔

عیان ابھی نیند کی وادیوں میں گم تھی۔ جبکہ داؤد اور کزئ تو اٹھ کر تیار بھی ہو چکے تھے۔ آئینے میں انہیں اسکا ذرا سا عکس دکھا تو وہ تیار ہوتے ذرا ایک طرف کو ہوئے تاکہ وہ ٹھیک سے انہیں دِکھ سکے۔ لمبے سلکی بال چہرے پر پھیلے ہوئے تھے۔ داؤد اور کزئ نے محبت سے یہ خوبصورت منظر دیکھا۔ انہوں نے پہلی

بار عیان کے کھلے بال دیکھے تھے۔اسکے بالوں کو چھونا ایک دلفریب احساس تھا۔ہر وقت چادر میں ڈھکی چھپی عیان اس وقت چادر سے بے نیاز کمبل میں دبکی پڑی تھی۔تیار ہونے کے بعد وہ اسکے قریب آتے ذرا سے اس پر جھکے۔

اسکے ماتھے کو ہلکا سا لبوں سے چھوتے وہ ذرا پیچھے ہوئے۔

"آپ کے ساتھ ہر لمحہ پہلے سے زیادہ خوبصورت لگتا ہے عیان داؤد اور کزئی۔ "

محبت سے اسکے بالوں کو چہرے سے ہٹاتے وہ سوچتے ہوئے مسکرا دیے تھے۔

"داؤد اور کزئی کی پوری زندگی آپ پر قربان۔"

اسکے کانوں کے قریب سر گوشی کرتے وہ اٹھ گئے تھے۔آہستگی سے دروازہ بند کرتے وہ مڑے ہی تھے کہ سامنے سے نیاز آتا دکھائی دیا۔

"نیاز اتنی صبح صبح خیریت؟"

"آپ سے کچھ کام تھا۔"

اسکا لہجہ عجیب سا تھا۔داؤد اور کزئی نے حیرت سے اسے دیکھا۔سرخ آنکھیں رت جگے کی داستاں سنا رہی تھیں۔جبکہ چہرہ کسی الجھن میں مبتلا دکھائی دیتا تھا۔

"چلو بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

اسے لیے وہ آفس میں آئے۔ کرسی پر بیٹھتے اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا مگر وہ سر جھکائے خاموشی سے کھڑا تھا۔

"کیا ہوا ہے نیاز تم مجھے پریشان کر رہے ہو۔"

انہیں اسکے اس رویے کی سمجھ نہ آرہی تھی۔ نیاز نے ایک سفید لفافہ ان کے سامنے رکھا۔ داؤد اور کزئ نے حیرت سے وہ لفافہ کھولا۔ تحریر پڑھتے انہیں یقین نہ آیا تھا۔ وہ بے یقینی کی کیفیت میں نیاز کی جانب دیکھ رہے تھے۔

"میں نوکری سے ریزائن کرنا چاہتا ہوں سر۔"

اسکا لہجہ کسی بھی احساس سے عاری تھا۔ جبکہ داؤد اور کزئ تو کتنے ہی لمحے کچھ بول ہی نہ سکے تھے۔ وہ انکا اگر بھائی نہیں تھا تو بھائی سے کم بھی نہ تھا۔

"نیاز اس طرح نوکری چھوڑنے کا میں کیا مطلب سمجھوں؟"

انہیں سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ اسے کیا کہیں۔

"سر جلد ہی آپ کو مطلب سمجھ آجائے گا۔ مگر میں اب مزید یہاں کام نہیں کر سکتا ہوں۔"

اسکے خود سر لہجے پر داؤد اور کرزئ سرد آہ بھر کر رہ گ ےئے۔پہلے کبھی نیاز نے ان سے اس لہجے میں بات نہ کی تھی۔ مگر وہ انکا ملازم تھا۔اپنی نوکری کے معاملے میں خود مختار تھا۔وہ اسے روک نہ سکتے تھے۔

"ٹھیک ہے،اگر تم فیصلہ کر چکے ہو تو میں کیا ہی کر سکتا ہوں۔"

انہوں نے کرسی موڑلی تھی۔اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔دروازہ بند ہونے کی آواز انہیں بخوبی سنائ دی تھی۔ مگر انہوں نے کرسی کا رخ نہ بدلا تھا۔

صوابی کی مدھر ہواؤں نے بے بسی سے اس خوبصورت گھر پر چھائ اداسی کو دیکھا تھا۔جسے غم کے جھکڑوں نے جکڑ لیا تھا۔

ولیمے کا اہتمام وسیع پیمانے پر کیا گیا تھا۔نیاز داؤد اور کرزئ کے ساتھ ہی تھا۔وہ آج کے دن انکا ساتھ نبھانا چاہتا تھا۔مگر انداز میں وہ گرم جوشی نہ تھی جو اسکی ذات کا خاصہ تھی۔عیان کا بہت خاص دن تھا داؤد اور کرزئ اسے افسردہ نہ کرنا چاہتے تھے۔اسی لیے وہ ہر غم بھلائے اس کے ساتھ فنکشن اٹینڈ کر رہے تھے۔سر دُکھنے لگا تھا۔مگر وہ حوصلہ رکھے ہوئے تھے۔

"آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے ہیں۔"

عیان انہیں دیکھ کر فکر مند ہوئی۔ بھلے ہی وہ اسے نرم لفظوں سے بہلا رہے تھے مگر آج انکی آنکھیں ویسے نہ چمک رہی تھیں جیسے عیان کو دیکھ کر ہر بار چمکتی تھیں۔

"بس تھوڑی سی تھکاوٹ ہو گئ ہے اسی لیے آپ کو ایسا لگ رہا ہے۔"

انہوں نے نرمی سے اسے جواب دیا۔

"تو ہم گھر چلے جاتے ہیں نہ۔ فنکشن آپ کی طبیعت سے بڑھ کر تو نہیں ہے۔"

عیان کا یک دم ہی تقریب سے دل اچاٹ ہوا تھا۔داؤد اور کزئ نے مسکراتے ہوئے اسے بازوؤں سے تھاما۔

"جب تک آپ میرے آس پاس ہیں مجھے اور کسی چیز کی طلب نہیں عیان۔ اور یہ فنکشن صرف ہمارا نہیں دلاور اور نایاب کا بھی ہے۔میں اپنی وجہ سے انکی خوشی خراب نہیں کرنا چاہتا ہوں۔"

انکے کہنے پر عیان نے ایک نظر بھائ کے چہرے کی جانب دیکھا۔جو آج کچھ زیادہ ہی چمک رہا تھا۔وہ ہر تھوڑی دیر بعد مسکراتے ہوئے نایاب کے کان میں

کچھ سرگوشی کرتا جس سے نایاب کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر جاتی۔ منظر اتنا دلکش تھا کہ عیان نے بے ساختہ انکی خوشیوں کی دعا کی تھی۔ مگر اگلے ہی پل وہ داؤد اور کزئ کی جانب متوجہ ہوئی۔

"لالہ سمجھ جائیں گے وہ بالکل بھی مائنڈ نہیں کریں گے، ہم گھر چلتے ہیں۔ آپ کو ریسٹ کرنا چاہیے۔"

وہ اپنی بات پر مصر تھی۔ سجی سنوری انکی فکر میں گھلتی وہ لڑکی داؤد اور کزئ کو دنیا کی سب سے انوکھی لڑکی لگی تھی۔ جس پر انہیں ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔ تبھی مسکراتے ہوئے وہ ہلکا سا اسکی جانب جھکے۔

"یوں تو مجھے کسی کا خوف نہیں مگر اس طرح میں آپ کو تقریب کے درمیان ہی لے گیا تو جانے لوگ کیا سمجھیں۔"

"وہ کیوں کچھ سمجھیں گے، اور مجھے فرق نہیں پڑتا کہ وہ کیا سوچ۔۔۔"

یک دم اسے داؤد اور کزئ کی بات کا پس منظر سمجھ آیا تھا۔ گال تپ اٹھے تھے۔ جبکہ داؤد اور کزئ لب دبائے مسکراتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

عیان نے بوکھلاتے ہوئے ان پر سے نظر ہٹالی۔

"مجھے کہیں نہیں جانا، آپ بھی ادھر ہی رکیں۔ تھوڑی دیر میں فنکشن ختم ہو جائے گا۔"

وہ ناراض لہجے میں ان سے مخاطب سامنے دیکھ رہی تھی۔ داؤد اور کزئی سمجھ رہے تھے کہ وہ اپنی خفت چھپانے کو ایسا کر رہی۔ تبھی پر سکون ہوتے وہ سیدھے ہو بیٹھے۔ شکر کہ عیان کا دھیان انکی طبیعت سے ہٹ گیا تھا۔ وہ اسے کسی صورت بھی پریشان نہ کرنا چاہتے تھے۔ جو بات انکا اتنا دل دکھا رہی تھی وہ بات تو عیان کو ڈھیروں رلا دیتی۔ اور وہ اسے ذرا سا بھی رلانا نہ چاہتے تھے۔ اور آج کے دن تو بالکل بھی نہیں۔

واپسی کا سفر خاموشی سے کٹا تھا۔ نیاز ڈرائیونگ کر رہا تھا جبکہ داؤد اور کزئی سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں موندے ہوئے تھے۔ وہ تھکے ہوئے لگ رہے تھے سو عیان نے بھی انہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا۔ گھر پہنچتے داؤد اور کزئی نے پورے اہتمام کے ساتھ اسے گاڑی سے اتارا تھا۔ وہ اتنی پریشانیوں میں بھی اس کا خیال کرنا بھولے نہ تھے۔ نیاز خاموشی سے سر جھکائے کھڑا تھا۔ عیان اگر داؤد اور کزئی کے ہمراہ نہ ہوتی تو اسے ضرور اسکی یہ

غیر معموی خاموشی کھٹکتی، مگر داؤد اور کزئ کے ہوتے اسے گردوپیش کا خیال ہی کب رہتا تھا۔

کمرے میں آتے اس نے سینڈلز اتاری۔اونچی ہیلز میں اسکے پیر دکھ رہے تھے۔ابھی وہ بیڈ پر بیٹھی پیروں کو ہلکے ہاتھوں سے دبانے میں مصروف تھی کہ داؤد اور کزئ اس کے لیے گرم پانی کا ٹب اٹھالائے۔

"اس میں پاؤں رکھیں، آرام آجائے گا۔"

عیان کو جھٹکا لگا تھا۔اس نے تو ایسا تاثر تک نہ دیا تھا کہ ہیلز اسے تھکا رہی ہیں۔ مگر داؤد اور کزئ شاید اسے اس سے بھی زیادہ جاننے لگے تھے۔وہ اسکے قریب ہی آبیٹھے تھے۔عیان نے انکے کندھے پر سر ٹکایا۔داؤد اور کزئ نے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔مہندی سے سجا ہاتھ جس پر داؤد کی دلہن لکھا تھا۔انہیں خوشگوار احساس ہوا۔یہ الفاظ انہیں اسے قدر بھاتے تھے کہ حد نہیں۔شاید عیان کو احساس تھا تبھی تو اس نے صرف نام لکھنے پر اکتفا نہیں کیا تھا۔

"میں جب جب یہ الفاظ دیکھتا ہوں تو لگتا ہے جیسے ساری دنیا میری مٹھی میں سمٹ آئ ہو۔"

وہ اسکے ہاتھ پر لکھے الفاظ پر اپنی انگلی ٹریس کر رہے تھے۔عیان کا دل ہتھیلی میں دھڑکنے لگا تھا۔وہ جن کے محبت بھرے الفاظ کی حدت سے ہی وہ پگھلنے لگتی تھی اب انکی عملی محبت کے سامنے تو جیسے وہ برف سے پانی ہو جاتی تھی۔ ٹھہرے پانیوں سی پر سکون محبت اس میں زندگی کے دھنک رنگ بھرنے لگی تھی۔داؤد اور کزئ نے بھی ہر فکر پریشانی کو پسِ پشت ڈال دیا تھا۔یہ عیان کا کمرہ تھا۔اور یہاں آنے کے بعد باقی دنیا کا ہر حق ان پر سے ختم ہو جاتا تھا۔ یہاں صرف عیان ہی عیان تھی جس کے سوا داؤد اور کزئ کو کسی کی طلب نہ رہی تھی۔

داؤد اور کزئ اپنی کرسی پر آکر بیٹھے تو پارٹی صدر نے ایک فائل انکی جانب کھسکائی۔

"یہ سب کیا ہے خان صاحب؟"

انہوں نے چشمہ پہنتے وہ فائل کھولی۔وہ انکی میڈیکل رپورٹس تھیں۔گو کہ وہ دشمن کے وار سے واقف تھے مگر وہ لوگ اس حد تک جائیں گے انہیں اندازہ نہ تھا۔

"کیا آپ اس بات کی وضاحت کریں گے سی ایم صاحب۔"

چبا چبا کر سوال کیا گیا تھا۔داؤداور کرزئی نے چشمہ اتارااور پیچھے کو ہو کر بیٹھے۔

اس میٹنگ میں داؤداور کرزئی کے کسی حامی کو مدعو نہ کیا گیا تھا۔گو کہ شیر کو

اکیلا کر کے اسکا شکار کرنا چاہا تھا۔

"یہ بس ایکسیڈنٹ کے سائیڈ ایفیکٹس ہیں۔اور عمر کے ساتھ تو یہ سب

بیماریاں ساتھ چلتی رہتی ہیں۔"

وہ بالکل بھی پریشان نہ دِکھ رہے تھے۔وہی پرسکون بارعب لہجہ تھا جو انکی

ذات کا خاصا تھا۔

"آپ جانتے بھی ہیں کہ آپ کو کیا بیماری ہے،اور اسکے ساتھ آپ ملک کی

اتنی اہم ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں۔آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کی اس

لاپرواہی پر کتنا نقصان اٹھانا پڑ سکتا ہے۔"

وہ جیسے انہیں کوئی صفائی کا موقع دینا ہی نہ چاہتے تھے۔

"حیرت ہے ہمارے ملک میں تو ایسے لوگ بھی حکمران ہیں جنہیں جان لیوا

بیماریاں ہیں،وہ کبھی وینٹی لیٹر پر ہوتے ہیں تو کبھی آئی سی یو میں۔مگر وہ تو

اپنی سیٹ نہیں چھوڑتے۔"

وہ جیسے حیران ہوئے تھے۔وہاں بیٹھے لوگ پہلو بدل کر رہ گئے۔

"وہ اور بیماریاں ہوتی ہیں سی ایم صاحب،اور آپ بھی جانتے ہیں یہ سب بس سیاسی داؤ پیچ ہیں۔وہ سب بھلے چنگے ہوتے ہیں۔مگر آپ کے کیس میں تو ایسا کچھ نہیں ہے۔آپ تو سچ میں دماغی طور پر صحت مند نہیں ہیں۔آپ اپنی یاداشت کھو رہے ہیں۔کئی بار آپ بھول جاتے ہیں کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔ آپ کے ہاتھ کپکپاتے ہیں۔ذرا سی ٹینشن آپ جھیل نہیں سکتے۔اس سب کے باوجود بھی آپ چاہتے ہیں کہ اتنا اہم عہدہ آپ کو دیا جائے۔"

ان لوگوں نے انکی وہ ساری بیماریاں گنوادی تھیں جو آج تک کوئی جان نہ پایا تھا۔جب گھر کے بھیدی ہی دشمن سے مل جائیں تو لنکا ڈھانے سے کون روک سکتا ہے بھلا۔

"اس دن غالباً اسی وجہ سے آپ ٹرمینیشن لیٹر زپر دستخط نہیں کر پائے تھے۔"

ایم این اے شیر خان کو موقع پر وہ لمحہ یاد آیا تھا۔داؤد اور کزئی جواباً کچھ نہ بولے تھے۔آج تو انکے ساتھ نیاز بھی نہ کھڑا تھا۔وار ان کے دل پر کیا گیا تھا جس وجہ سے وہ جھٹپٹا بھی نہ پا رہے تھے۔

"توکیاچاہتے ہیں آپ لوگ؟"

ٹیل پر دونوں ہاتھ رکھے،انگلیاں باہم پھنسائے وہ سنجیدگی سے انکی جانب متوجہ تھے۔

"دیکھیے سی ایم صاحب ابھی یہ معاملہ پارٹی کی حد تک محدود ہے،کل کو اپوزیشن کی جانب سے اچھالا جائے گا۔اور اپوزیشن اس معاملے کو کس حد تک اچھالے گی آپ اچھی طرح واقف ہیں۔ابھی ابھی آپ کی شادی ہوئ ہے آپ یقیناً یہ پریشانی نہ اٹھاناچاہیں گے۔اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس سے پہلے ہی احسن طریقے سے استعفیٰ دے دیں۔ہم لوگوں سے کہہ دیں گے کہ آپ اپنی ازدواجی زندگی کو وقت دیناچاہتے ہیں۔"

بظاہر ہمدرد لہجہ حقیقت میں خنجر لیے ہوئے تھا۔داؤد اور کزئ کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئ۔

"ٹھیک ہے جب آپ لوگ فیصلہ کرچکے ہیں تو میں اپنی سیٹ چھوڑنے کو تیار ہوں۔"

انکا مضبوط لہجہ ایک پل کو وہاں بیٹھے تمام لوگوں کو گڑبڑانے پر مجبور کر گیا تھا۔

"خان صاحب آپ پلیز ناراض مت ہوئیے گا۔یہ پارٹی کی بھلائی کے لیے ہے۔"

پارٹی صدر کے لجاجت سے کہتے پر داؤد اور کزئی نے ایک نظر اس شخص پر ڈالی۔اس پارٹی کے لیے انہوں نے اتنے سال دن رات کا فرق بھلا کر محنت کی تھی۔جس کا صلہ یہ ملا تھا۔

"آپ فکر مت کریں مجھے کوئی شکوہ نہیں۔"

وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"سی ایم صاحب۔۔۔"

پارٹی صدر کے پکارنے پر وہ اسکی جانب متوجہ ہوئے۔وہ چلتا ہوا ان تک آیا۔

"آپ جانتے ہیں اگلے ماہ الیکشن ہونے والے ہیں۔اسی لیے ہم چاہتے ہیں کہ آپ پریش کانفرنس کر کے عوام کو اس بات پر راضی کریں کہ وہ ووٹ ہمیں ہی دیں۔آپ عوام کے ہر دلعزیز ہیں آپ کے پارٹی چھوڑنے پر ووٹس پر بہت برا اثر پڑے گا۔"

لہجے میں بے چارگی لیے وہ ان سے اپنا آخری مطلب بھی نکلوا لینا چاہتا تھا۔

"ٹھیک ہے میں پریش کانفرنس میں ہی اپنی سیٹ چھوڑنے کا اعلان کروں گا۔ اور فکر نہ کریں ووٹس پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

کہتے ساتھ وہ باہر نکل گئے۔راہداری سے گزرتے وہ ایک بار پھر نیاز سے کچھ کہنے کی خاطر پلٹے مگر نیاز کی غیر موجودگی نے ایک بار پھرا نہیں حزن میں مبتلا کیا تھا۔ سر جھٹکتے وہ گاڑی میں آبیٹھے۔

"ہیلو، میں اس وقت کسی بھروسہ مند انسان کا ساتھ چاہتا ہوں کیا آپ مجھے آ کر مل سکتے ہیں۔"

لہجہ پہلے سا مضبوط نہ لگ رہا تھا۔ تو گویا وہ شیر پر کاری وار کر چکے تھے۔اب بس اسے ڈھانا باقی تھا۔

"ٹھیک ہے میں انتظار کررہا ہوں۔"

ماتھے کو مسلتے انہوں نے ڈرائیور کو ایک جگہ کا ایڈریس بتا کر چلنے کو کہا۔کچھ ہی دور جاتے ایک شخص انکی گاڑی میں آبیٹھا۔

"کیا آپ ٹھیک ہیں؟"

جواباً انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مجھے اس وقت کسی مخلص کی ضرورت تھی۔"

جواباََ اس شخص نے انکے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اسکے مضبوط لہجے پر داؤد اور کزئ نے اثبات میں سر ہلایا۔دل کا بوجھ کچھ کم ہوتا محسوس ہوا تھا۔گاڑیاں سیاہ تارکول کی سڑک پر آگے بڑھنے لگی تھیں۔ جبکہ داؤد اور کزئ اس شخص کے ساتھ آگے کا لائحہ عمل طے کرنے میں مصروف تھے۔

یہ اسکے ٹھیک دو دن بعد کا منظر تھا۔عیان کوئ آرٹیکل لکھنے میں مصروف تھی کہ داؤد اور کزئ اسکے پاس چلے آئے۔

"تیار ہو جائیں ہمیں کہیں جانا ہے۔"

اسکا ہاتھ تھام کر اسے اٹھاتے وہ نرم لہجے میں گویا ہوئے۔

"اس طرح اچانک کہاں جانا ہے؟"

وہ حیران ہوئ تھی۔آجکل داؤد اور کزئ کیا کرتے پھر رہے تھے اسے بالکل اندازہ نہیں تھا۔اس نے نیاز کی غیر موجودگی کے بارے میں استفسار کیا تو بھی

داؤد اور کرزئی نے اسے ٹال دیا۔ ان کے انداز آجکل ایسے تھے کہ جیسے وہ کسی جنگ کی تیاری کر رہے ہوں۔ جیسے کسی بھی وقت جنگ کا طبل بج اٹھے گا۔

"عیان میں نے ایک فیصلہ لیا ہے، اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اس میں میرا ساتھ دیں۔ بغیر کوئی سوال کیے۔"

انہوں نے جیسے التجا کی تھی۔ عیان انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

"میں تو ہر معاملے میں آپ کے ساتھ ہوں خان جی۔"

"نہیں مجھے عہد دیں کہ آپ کوئی سوال بھی کیے بغیر میرا فیصلہ مانیں گی۔"

انہوں نے اسکا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا۔ عیان کا دل انہونی کے احساس سے دھڑکا تھا۔ جانے وہ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے تھے جو اس سے عہد لینا چاہتے تھے۔ یک دم ہی اسکی آنکھوں میں نمی چمکی۔ اس نے اثبات میں سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ داؤد اور کرزئی کو کچھ سکون محسوس ہوا تھا۔ عیان کو بے چینی ہونے لگی تھی مگر وہ عہد دے چکی تھی کوئی بھی سوال نہ کرنے کا۔

گاڑی میں بیٹھی وہ سر جھکائے ہوئے تھی۔ داؤد اور کرزئی اپنے فون میں مصروف کسی سے بات کر رہے تھے۔ وہ میسیجز کر رہے تھے تبھی عیان کو علم

نہ تھا کہ وہ کس سے بات کر رہے ہیں۔ابھی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے تھے جو زندگی گرداب میں پھنس گئی تھی۔ابھی تو اسکے ہاتھوں سے مہندی بھی نہ اتری تھی کہ اندیشے اس میں ویرانیاں اتارنے لگے تھے۔وحشت سے گھبراتے اس نے یک دم ہی داؤد اور کرزئی کا بازو تھاما۔وہ جانتے تھے عیان بے چین ہے مگر اس وقت وہ اسے کچھ بھی بتانا نہ چاہتے تھے۔سوا سے بازوؤں کے گھیرے میں لیتے پر سکون کرنے لگے۔

گاڑی ایک بڑے سے کانفرنس ہال کے باہر آرکی تھی۔وہ چادر اچھی طرح سر پر جماتے داؤد اور کرزئی کے ہمراہ گاڑی سے باہر نکلی۔میڈیا اور اتنے لوگوں کی موجودگی نے اسے پریشانی میں مبتلا کیا تھا۔جانے اب کونسا طوفان آیا تھا جو داؤد اور کرزئی کو اسے میڈیا کے سامنے لانا پڑا تھا۔

وہ ان کی معیت میں چلتی اندر داخل ہوئی۔اندر میڈیا کے کئی لوگ بیٹھے داؤد اور کرزئی کا انتظار کر رہے تھے۔ایک طرف شاید انکی پارٹی کے لوگ بیٹھے تھے۔داؤد اور کرزئی عیان کا ہاتھ تھامتے سنجیدگی سے چلتے اسٹیج پر آبیٹھے۔عیان کو عجب احساس نے آگھیرا۔ایک بار پہلے وہ اسکینڈل کی وجہ سے یونہی اسے پریس کانفرنس میں لائے تھے۔اور انہوں نے تب سب کے سامنے معافی

مانگی تھی۔اب کیا معاملہ تھا؟ کیا اس بار بھی وہ کسی اسکینڈل کا شکار ہوئے تھے۔کیا پھر سے وہ معافی مانگنے والے تھے۔

داؤد اور کرنی کے ہاتھ میں مقید اسکا ہاتھ کانپا تھا۔پہلے تو معاملہ اور تھا، مگر اب وہ اسکے شوہر تھے۔کیا وہ یہ سہہ پاتی کہ داؤد اور کرنی سب کے سامنے کسی بات پر شرمندہ ہوتے۔وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔داؤد اور کرنی نے مائیک سیٹ کرتے بات کا آغاز کیا۔

"آج سے تئیس چوبیس سال پہلے میں ایک ایکسیڈنٹ کا شکار ہوا تھا۔"

مضبوط مگر اسپاٹ لہجے میں وہ بولنا شروع ہوئے۔عیان نے جھٹکے سے سر اٹھاتے انکی جانب دیکھا۔وہ تو اس معاملے پر کبھی بات نہیں کرتے تھے تو پھر آج اس طرح سب کے سامنے کیوں؟ وہ جو سامنے دیکھ رہے تھے یک لخت ہی انہوں نے اسکے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔اسکی جانب دیکھے بغیر بھی وہ جانتے تھے کہ عیان کس کیفیت میں مبتلا ہے۔

"اس ایکسیڈنٹ میں میری گاری کھائی سے نیچے جا گری تھی۔میں خود بھی شدید زخمی ہوا تھا۔اور تب میرے سر پر شدید چوٹ لگی تھی۔جس کی وجہ سے میں اٹھارہ مہینے کومہ میں رہا تھا۔"

کیمرہ مین دھڑادھڑ تصاویر کھینچ رہے تھے۔ جبکہ باقی لوگ دم سادھے داؤد اور کرزئ کو سن رہے تھے۔

"میں اس ایکسیڈنٹ سے ٹھیک ہو گیا۔ مگر حادثے اپنا نشان چھوڑ جاتے ہیں۔ اس حادثے کی وجہ سے میرے سر میں اکثر درد رہتا ہے۔ اور یہ درد میری یاداشت پر اثر ڈالتا ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ میری یاداشت پر اثر پڑ رہا ہے۔"

وہ ذرا سانس لینے کو رکے۔ ایک صحافی نے سوال کے لیے ہاتھ اٹھایا مگر انہوں نے اسے تحمل رکھنے کا کہا۔

"بتانے کا مقصد یہ ہے کہ میں جس عہدے پر ہوں اس عہدے پر میری یہ ذہنی کیفیت نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔ ملکی معاملات پر کوئ رسک لینے کے بجائے میں اپنی سیٹ سے دستبرداری کا اعلان کرتا ہوں۔"

ہال میں چہ مگوئیاں شروع ہو گئ تھیں۔ پارٹی کے کچھ لوگ ایسے تھے جن کے چہرے تاریک ہو گئے تھے مگر زیادہ کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے تھے۔ داؤد اور کرزئ نے مائیک پر ذرا سا ناک کرتے انہیں اپنی جانب متوجہ کیا۔

"میں اپنی سیٹ اپنی بیوی عیان داؤد اور کرزئ کو سونپتا ہوں۔"

عیان جو ابھی انکی پہلی بات کے شاک سے باہر نہ آئی تھی دوسری بات پر تو بالکل ہی بے سدھ ہو گئی تھی۔

"وہ ہر طرح سے نہ صرف اس سیٹ کے معیار کے مطابق ہیں بلکہ مجھے یقین ہے کہ وہ میرے بعد اس سیٹ کو اچھی طرح سنبھال سکتی ہیں۔ آپ جس طرح مجھ پر اعتبار کرتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ آپ ویسے ہی میری بیوی پر بھی اعتبار کریں۔ اور الیکشن میں عیان داؤد اورکزئی کو ووٹ ضرور دیں۔"

عیان کے ذکر پر نہ صرف انکا لہجہ نرم ہو چکا تھا بلکہ چہرے پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ وہ اب صحافیوں کے سوالوں کے جواب شائستگی سے دے رہے تھے۔ جہاں داؤد اورکزئی کے حامیوں کو کچھ حوصلہ ہوا تھا وہیں انکے مخالفین کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے تھے۔ انہوں نے کینہ توز نظروں سے سر جھکائے بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔

"فکر مت کرو اسے ایک دن میں ہی چلتا کریں گے ہم۔"

پارٹی صدر جو داؤد اورکزئی کے اس فیصلے سے بے خبر اور سخت نالاں تھے خود کو سنبھالتے انہیں تسلی دینے لگے۔ جہاں داؤد اورکزئی جیسا گھاگ بندہ انکے سامنے ٹک نہیں پایا وہاں بھال یہ بے ضرر عام سی لڑکی ان کا کیا اکھاڑ لے گی۔

داؤداور کرزئ سے سوالات ختم ہوچکے تھے۔اب صحافی عیان سے مختلف سوال کرتے جارہے تھے۔وہ جوانکے سوالوں سے ذرانروس ہوئ تھی۔داؤد اورکرزئ کے حوصلہ دینے پر پراعتمادی سے جواب دینے لگی۔

"ہونہہ اسے ہمارے مقابلے پر لائے ہیں جس کی آواز تک نہیں نکل رہی۔"

انہوں نے اسکے مدھم لہجے پر چوٹ کی۔داؤداور کرزئ پر اتنا غصہ تھاکہ بس نہ چلتا تھا گولیوں سے بھون کرر کھ دیتے۔بظاہر پرامن دکھائ دینے والے انسان نے کیساکاری وار کیا تھاان پر۔نہ کوئ دھمکی نہ ہی مخالفت۔تاک کر نشانہ لگایا تھاداؤداور کرزئ نے۔چونکہ یہ اعلان پریس کے سامنے کیا گیا تھاسو انہیں مجبوری میں عیان کوویلکم کرناپڑا۔وہ اب خوش دلی سے عیان کو مبارکباد دیتےداؤداور کرزئ کی صحت کے لیے دعاگو تھے۔

کانفرنس ختم ہوگئ توداؤداور کرزئ بھی جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"رکیں سی ایم صاحب۔"

پارٹی صدر کے درشتی سے کہنے پر وہ رک گ ئے تھے۔عیان کوان لوگوں سے خوف آرہاتھا۔

"جی کہیے سر۔"

"یہ سب کیا ہے؟ہم نے آپ کو استعفیٰ دینے کو کہا تھا آپ نے اپنی سیٹ پر وارث لا بٹھایا ہے۔"

درشتگی سے کہتا وہ شخص انکے سامنے آ کھڑا ہوا۔داؤد اور کرزئی نے مضبوطی سے عیان کا ہاتھ تھاما اور پر سکون لہجے میں ان سے مخاطب ہوئے۔

"آپ نے سیٹ چھوڑنے کا کہا تھا سو میں نے چھوڑ دی۔ہاں وراثت کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا سو میں نے اپنی مرضی سے اپنی وراثت کا اعلان کر دیا۔"

مزے سے کہتے وہ انہیں آگ ہی تو لگا گئے تھے۔

"ایک بات اور اکمل خان صاحب بھلے ہی داؤد اور کرزئی نے سیاسی ہتھکنڈے نہ کبھی اپنائے ہوں، مگر یہ آپ کی بھول ہے داؤد اور کرزئی ان سب سے ناواقف بھی ہے۔"

وہ لوگ جواباً کچھ کہہ نہ سکے تھے۔

"یہ داؤد اور کرزئی کا وار تھا،امید ہے پسند آیا ہو گا۔"

سرد وا سپاٹ لہجے میں کہتے وہ عیان کو لیے باہر نکل گ ئے۔ پیچھے وہ جتنا تلملاتے اتنا کم تھا۔ کیا فائدہ ہوا تھا داؤد اور کزئ کے خاص لوگوں کو خریدنے کا وہ آج بھی ان کے سامنے ناقابل تسخیر پہاڑ بن کر کھڑے تھے۔

"انکامہرہ نیاز نہیں بلکہ انکی بیوی عیان تھی۔ ہمیں اسے اپنے ساتھ شامل کرنا چاہیے تھا۔"

ایک ایم پی اے نے آکر انہیں کہا تو انہوں نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"بلاؤ اس نیاز کو، کہاں مرا ہوا ہے۔ پوچھو اس سے اسکی بیوی کی کوئ کمزوری بتائے ہمیں۔ منزل کے اتنے قریب پہنچ کر ہم ہار نہیں مان سکتے ہیں۔" آگ ایسی لگی تھی کہ بجھائے نہ بجھ رہی تھی۔

وہ سارا رستہ خاموش رہی تھی۔ گھر آکر بھی یہ خاموشی برقرار رکھی تھی اس نے۔ کمرے میں بیٹھی وہ ہاتھوں پر لوشن لگا رہی تھی کہ داؤد اور کزئ نے کمرے میں قدم رکھا۔ عیان یوں ہی مصروف رہی۔

"ناراض ہیں؟"

اسکے سر پر ٹھوڑی رکھتے انہوں نے اسے اپنی آغوش میں لیا۔

"کیا نہیں ہونا چاہیے ؟"

لہجہ بالکل سادہ نہ تھا۔ وہ ناراض ہو کر بھی ان سے ناراضی نہ جتا سکتی تھی۔

"میرے پاس بس یہی راستہ تھا عیان۔ میں اپنی سیٹ کسی مخلص انسان کو سونپنا چاہتا تھا جو داؤد اور کرزئی کی سوچ کو لے کر آگے چلے۔ میں نے ہمیشہ اپنے ملک سے وفاداری نبھائی ہے میں کیسے اپنی جگہ کسی ایسے انسان کو دے دیتا جو خائن ہوتا۔ جو ملک سے وفادار نہیں ہوتا۔ مجھے آپ سے بڑھ کر اور کسی پر بھی بھروسہ نہیں۔"

وہ جتنے سحر انگیز الفاظ میں اسے کہہ رہے تھے عیان کو اپنی ناراضی برقرار رکھنا مشکل لگا۔

"مگر آپ نے کہا تھا کہ آپ کو پسند نہیں آپ کی بیوی لوگوں کی نظروں میں۔ اور آپ جانتے بھی ہیں سیاست کیسی بدبودار دلدل ہے۔"

اسکی بات پر وہ سرد آہ بھرتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آئی ایم سوری مجھے پہلے آپ سے مشورہ کر لینا چاہیے تھا، آپ کی رائے لینی ضروری تھی۔"

انکی بات پر وہ تڑپ کر کھڑی ہوئ۔

"ایسانہ کہیں خان جی، عیان آپ کے ہر فیصلے پر قربان۔مجھے کوئ گلہ نہیں۔ میں بس اس وجہ سے خوفزدہ ہوں کہ آپ پر ایسی کونسی مشکل آن پڑی ہے کہ آپ کو یہ فیصلہ لیناپڑا۔"

انکے سینے سے لگتے اس نے جواباََ کہا۔داؤداور کرزئ نے مسکراکر اسے خود میں بھینچا۔

"آپ میراانعام ہیں عیان، جب مجھے لگتاہے کہ میں اندھیروں میں گم ہونے لگاہوں آپ کی موجودگی میری زندگی میں سویرا کردیتی ہے۔اور کوئ پریشانی نہیں ہے اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔جب آپ میرے ساتھ ہیں تو داؤد اور کرزئ ہر طوفان کامقابلہ کر سکتاہے۔"

انہوں کی آنکھوں میں نمی چمکی تھی۔اللہ نے ان پر کتنارحم کیا تھا۔جب ساری دنیاان کے خلاف ہو گئ تھی تواللہ نے عیان کوانکی زندگی کاسکون بناکر بھیج دیا۔یہ حقیقت تھی کہ وہ بہت بڑی پریشانی میں مبتلا تھا۔مگر عیان کے ساتھ کااحساس انکی ہرپریشانی پر حاوی تھا۔

"تم نے کہا تھا یہ وار کاری ہو گا مگر وہ داؤد اور کزئ نے لومڑی سی چالا کی دکھاتے بازی پلٹ دی۔"

وہ لوگ تلملائے ہوئے لگ رہے تھے۔

"تم لوگ بے وقوف ہو۔کوئ کام ڈھنگ سے نہیں کر سکتے۔مجھے وہ سیٹ ہر حال میں چاہیے۔اب جو بھی کرنا ہے وہ مجھے ہی کرنا ہو گا۔تم سب تو یونہی نکمے ہو۔"

فون کے اس پار بھی شدید اشتعال کا عالم تھا۔ظاہر ہے سب کے خواب ایک ہی وار میں ملیامیٹ ہو گئے تھے۔اتنے عرصے سے وہ سب ملکر بھی داؤد اور کزئ کو ویسے نہ چوٹ پہنچا سکے تھے جیسے داؤد اور کزئ نے اکیلے انہیں پہنچائ تھی کہ ان کی روح بھی بلبلا اٹھی تھی۔

عیان کو آفیشلی پارٹی کا ممبر بنادیا گیا تھا۔اگلے مہینے الیکشن ہونے تھے۔داؤد اور کزئ نے اسے ہر چیز کے بارے میں اچھی طرح سمجھادیا تھا۔مگر عیان کو پھر بھی خوف تھا۔وہ کبھی اتنے لوگوں کے سامنے نہ گئ تھی کجا کہ جلسے کرتی پھرتی۔

"سب ہو جائے گا عیان، بس تم کوئی بلنڈر نہ کرنا باقی ہم تو ہیں ہی نہ تمہیں اسپورٹ کرنے کو۔"

خان صفدر کے سبھی گھر والے آج انکی طرف مدعو تھے۔خان دلاور نے بھی اسے خوب حوصلہ دیا تھا۔کل اسے جلسہ اٹینڈ کرنا تھا مگر عیان کے تو ہاتھ پیر پھولے ہوئے تھے۔

"عیان ہم سب کل تمہارے ساتھ ہوں گے، تم بالکل بھی فکر نہ کرو۔"

نایاب کے محبت سے کہنے پر اس نے اسکے ہاتھ تھام لیے۔

"بھابھی آپ سچ کہہ رہی ہیں نہ، آپ ساتھ ہوں گی نہ میرے؟"

"ہاں بالکل ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہارے اتنے خاص دن پر ہم تمہارے ساتھ نہ ہوں۔"

نایاب نے اسے حوصلہ دیا تو عیان نے اثبات میں سر ہلایا۔خان دلاور جو کچھ سوچ رہا تھا تبھی کسی خیال کے تحت اسکی آنکھیں چمکیں۔

"عیان تمہیں اسسٹنٹ کی ضرورت ہو گی نہ تو تم نایاب کو اپنی اسسٹنٹ بنا لو۔"

عیان نے ناراضی سے بھائی کی طرف دیکھا۔

"مزاق اڑا رہے ہیں میرا۔"

ارے بے وقوف میں سچ کہہ رہا ہوں۔دیکھو تم دونوں ساتھ ہو گی تو ہمیں فکر بھی نہیں ہو گی اور تم دونوں ملکر سب کے چھکے چھڑا دینا۔

دلاور کے جوش سے کہنے پر وہ دونوں اسے یوں گھورنے لگیں جیسے اسکا دماغ سٹک گیا ہو۔

"دلاور ٹھیک کہہ رہا ہے عیان، نایاب ساتھ ہوں گی تو ہمیں فکر کم ہو گی اور باہر کے لوگوں پر ہم اعتبار بھی تو نہیں کر سکتے نہ۔"

داؤد اورکزئی نے رسان سے کہا۔

"تو کیا آپ ساتھ نہیں ہوں گے میرے؟"

عیان کو تو سوچ کر ہی رونا آیا۔

"میں تو ہمیشہ آپ کے ساتھ ہی ہوں عیان۔مگر کچھ معاملات میں ہمیں فیصلے لینے پڑتے ہیں۔"

اسکے پاس بیٹھتے انہوں نے اسے سمجھایا۔

"اب بس بھی کرو عیان دیکھو تم داؤد کو بھی پریشان کر رہی ہو۔"

زخرف خاتون نے اسے لتاڑا تو عیان نے منہ بسورا۔ یہ مورے بھی نہ۔۔۔ داؤد اور کزئی کے سامنے کتنی اچھی اور شریف امیج بنا رکھی تھی اس نے اور مورے تھیں کہ ان کے سامنے ہی اسے ڈانٹے جا رہی تھیں۔

"نہیں آپ فکر نہ کریں میں عیان کی وجہ سے پریشان نہیں ہو سکتا کبھی۔" داؤد اور کزئی نے مؤدب لہجے میں کہا تو خان دلاور نے عیان کو اشارہ کرتے چڑایا۔ جواباً وہ منہ بناتے خان صفدر کے پاس جا بیٹھی۔ جو اسے خود سے لگائے حوصلہ دے رہے تھے۔

"عیان سی ایم سر کو تمہاری ضرورت ہے۔ تم اگر اس وقت کمزور پڑو گی تو داؤد اور کزئی منہ کے بل گر جائیں گے۔ وہ تمہارے ہی بل پر سر اٹھائے کھڑے ہیں۔ اس لیے بے وقوفی چھوڑو اور خود کو مضبوط کرو۔ میں نے کہا تھا نہ کہ ملکہ ہمیشہ بادشاہ سے زیادہ بہادر اور معاملہ فہم ہوتی ہے۔ جب بادشاہ کمزور پڑتا ہے تو چاہے اسکی کتنی بھی بڑی فوج کیوں نہ ہو۔ تخت ملکہ کو ہی سنبھالنا ہوتا ہے۔ اگر تم یوں خوفزدہ ہو جاؤ گی تو انکی اتنے سالوں کی محنت مٹی میں مل جائے گی۔"

خان دلاور اسے ٹیرس پر لے آیا تھا۔ وہ اسے اکیلے میں سمجھانا چاہتا تھا کہ داؤد اور کرزئ کو اس وقت اسکی کتنی ضرورت تھی۔

"مگر لالہ میں ایک دم سے کیسے۔۔۔؟"

"داؤد اور کرزئ دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں عیان۔ تم وہ آخری فرد تھی جو ان کی جگہ لیتی۔ اور دیکھو ان کے دشمن انہیں اس حد تک لے آئے ہیں۔ تم خود فیصلہ کرلو کہ اس وقت تم نے اپنے خوف کو دیکھنا ہے یا داؤد اور کرزئ کے لیے لڑنا ہے۔"

خان دلاور کے سختی سے کہنے پر اسے احساس ہوا کہ وہ ایسے بے وقوفی کر کے انہیں پریشان کر رہی ہے۔ اسے تو انکا سہارا بننا تھا۔

"ٹھیک ہے بھائی میں اب نہیں خوفزدہ ہوں گی۔ میں جلسہ اٹینڈ کروں گی، میں کسی سے خوفزدہ نہیں ہوں گی۔"

"ہمیں تم پر پورا بھروسہ ہے عیان۔"

دلاور نے محبت سے اسکے سر پر ہاتھ رکھتے پر اعتمادی سے کہا۔

"عیان ایک بات اور، کسی پر بھی بھروسہ مت کرنا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے کسی پر نہ اپنی کمزوری ظاہر کرنا اور نہ ہی کسی پر بھروسہ کرنا۔ سیاست جنگ کا وہ میدان ہے جہاں باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کے سینے میں خنجر اتار دیتا ہے۔"

خان دلاور نے اسے وارن کیا۔ عیان سر ہلاتی اب ہر چیز کو سمجھنے لگی تھی۔

اسے اگر یہ جنگ جیتنی تھی تو خود کو مضبوط بنانا ہی تھا۔

"وہ لڑکی سی ایم سر کی کمزوری نہیں طاقت ہے۔ اسکے دم پر آپ سی ایم سر کو شکست نہیں دے پائیں گے۔"

سوٹڈ بوٹڈ نیاز آج کی میٹنگ میں موجود ان سے مخاطب تھا۔

"تو پھر تم ہی بتاؤ ہم کیا کریں؟ تم نے اتنا وقت ان کے ساتھ گزارا کوئی تو کمزوری ہو گی نہ داؤد اور کزئی کی۔"

"مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ داؤد اور کزئی کھرا انسان ہے۔ اور ایسے لوگوں کی کوئی کمزوری نہیں ہوتی ہے۔"

اسکی بے نیازی پر وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔

"سی ایم صاحب کو دھوکہ دینا تمہاری اپنی مرضی تھی، مگر اب لگتا ہے تمہیں انکی صحبت کا اثر ہو گیا ہے۔"

وہ اسکے انداز پر چڑ گ ئے تھے۔ جواباََ اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"میں بس سچ بتا رہا ہوں۔ باقی رہی بات انکی صحبت کی تو مجھے اپنا مستقبل ان کے جیسا نہیں چاہیے۔ مجھے زندگی میں بہت کچھ چاہیے جو انکے سخت اصولوں کی وجہ سے مل پانا ناممکن ہے۔"

نیاز کے لہجے میں بیزاری تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ انہیں یہیں چھوڑتے اپنی گاڑی لے کر نکل گیا تھا۔ یہ تیرہ کروڑ کی گاڑی اس غداری کا صلہ تھا جو اس نے سی ایم صاحب کے ساتھ کی تھی۔

عیان جو کل تک خوفزدہ تھی آج لڑو یا مرو کے تحت کامیابی سے جلسہ کر آئ تھی۔ جنگ اسکی نہیں تھی کہ وہ جھجھکتی۔ یہ جنگ داؤد اور کرزئ کے لیے تھئ۔ اور انکے لیے تو عیان گردن بھی کٹوا سکتی تھی۔

داؤد اور کرزئ سا ہی لہجہ لیے وہ اپنی پہلی تقریر سے ہی بہت سے دلوں میں گھر کر گئ تھی۔ کچھ لوگوں نے نیپوٹیزم کا بھی شور ڈالا تھا۔ عیان پر کیچڑ بھی اچھالا گیا تھا مگر وہ ان سب سے ہار ماننے والی نہ تھی۔ اگلے مہینے الیکشن تھے۔ گو کہ

داؤداور کرزئ نے اسکے لیے ہر ممکن آسانی کرنے کی کوشش کی تھی مگر کچھ کام ایسے تھے جو اسے ہی کرنے تھے۔

لگاتار دو تین جلسے کرنے کے بعد جب وہ تھوڑی کانفیڈنٹ ہو گئی تو داؤد اور کرزئ نے جرمنی جانے کا ارادہ کیا۔

"مگر آپ ابھی کیوں جارہے ہیں، بعد میں ہم ایک ساتھ چلیں گے نہ۔"

وہ رودینے کو تھی۔ وہی تو اسکا حوصلہ تھے اگر اس سے دور چلے جاتے تو وہ بھلا کیسے مضبوط رہ پاتی۔

"میں جلدی ہی واپس آجاؤں گا۔ آپ الیکشنز جیت جائیں پھر آپ کو ورلڈ ٹور کرواؤں گا۔"

اسکا گال تھپکتے انہوں نے اسے بہلانے کی کوشش کی۔ پتا نہیں وہ بہل گئی تھی یا نہیں البتہ خاموش ضرور ہو گئی تھی۔ دل میں عجب بے چینی سی ہونے لگی تھی۔ وہ انہیں روکنا چاہتی تھی مگر داؤد اور کرزئ کا کہنا تھا کہ انہیں نتاشا کی یاد ستارہی ہے۔ وہ اس سے ابھی ہی جا کر ملنا چاہتے ہیں۔

ائیر پورٹ پر وہ انکے ساتھ کھڑی رونے کا شغل جاری رکھے ہوئے تھی۔ داؤد اور کرزئ تو اسکے رونے پر پریشان ہو گئے تھے۔

"عیان دو تین دن کی ہی تو بات ہے، میں جلدی ہی واپس آ جاؤں گا۔"

انکے سینے پر سر رکھے سوں سوں روتی وہ ارد گرد لوگوں کو متوجہ کر رہی تھی۔ داؤد اور کرزئ کو تو یوں بھی کسی تعارف کی ضرورت نہ تھی۔ اور عیان بھی آجکل خبروں کی زینت بنی ہوئی تھی۔ لوگ انکی ویڈیو بنانے لگے تھے۔ گو کہ گارڈز نے انہیں سختی سے منع کیا تھا۔ مگر یہ عوام باز ہی کب آتی ہے۔ چپکے سے محبت بھرے یہ لمحے کیمروں میں قید کرتے وہ سوشل میڈیا کی زینت بنا چکے تھے۔

"بس بھی کرو عیان سب دیکھ رہے ہیں۔ یوں منہ پھاڑ کر روؤ گی تو کوئی خاک تمہیں سیریسلی لے گا۔ اپنا نہیں تو سی ایم سر کا ہی خیال کر لو۔"

خان دلاور کے جھڑکنے پر وہ سوں سوں کرتی پیچھے ہونے لگی۔ مگر داؤد اور کرزئ نے اسکے گرد بازو لپیٹ کر اسے مزید خود میں سمیٹا۔

"انہیں کچھ مت کہو دلاور، عیان کو تو داؤد اور کرزئ کا خون بھی معاف ہے۔"

محبت سے کہتے انہوں نے اسکے چادر سے ڈھکے سر پر لب رکھے،لوگ یہ خوبصورت منظر بھی کیمروں میں مقید کر چکے تھے۔

داؤداور کرزئی چلے گئے تو عیان بھی مغموم سی صوابی لوٹ آئی۔ہاں مگر وہ سارا راستہ روتی ہی رہی تھی۔

"میڈم کیا ہم کچھ دیر کے لیے کہیں رک جائیں۔"

ڈرائیور نے مرر میں دیکھتے سوال کیا۔وہ مچھڑ ساڈرائیور دکھنے میں خاصا خوفناک دکھتا تھا۔

"نہیں سی ایم سر نے کہا ہے گاڑی کہیں رکنی نہیں چاہیے۔"

ٹشو سے ناک پونچھتے اس نے انکار کیا۔خان دلاور مسکراہٹ دباتے باہر کی جانب دیکھنے لگا۔

داؤداور کرزئی جرمنی پہنچ چکے تھے۔انہوں نے عیان کو سب سے پہلے ویڈیو کال کی۔

"جاگ رہی تھیں۔۔۔مجھے لگا سو رہی ہوں گی۔"

رویا رویا چہرہ اب قدرے بہتر لگ رہا تھا۔داؤداور کرزئی کو تھوڑا اطمینان ہوا۔

"نہیں میں نے فلائیٹ ٹریکر آن کرر کھا تھا۔ میں دیکھ رہی تھی آپ کب تک پہنچیں گے۔"

آہہ ایسے بولتے ہوئے وہ کس قدر لفریب لگ رہی تھی یہ کوئ داؤد اور کزئ کے دل سے پوچھتا۔

"عیان۔۔۔"

جزبات سے بوجھل انکی آواز بھاری ہوئ تھی۔

"جی۔"

عیان نے نظر اٹھا کر انکی جانب دیکھا۔

"داؤد اور کزئ کی پوری زندگی آپ پر قربان۔"

انکا دل چاہ رہا تھا وہ واپس لوٹ جائیں۔ مگر جس کام کے لیے وہ یہاں آئے تھے وہ بے حد ضروری تھا۔ دوسری جانب عیان کا دل زوروں سے دھڑکا تھا۔ پلکیں حیا کے بوجھ سے بھاری ہونے لگی تھیں۔

"اپنا بہت سا خیال رکھیے گا، میں جلد ہی آپ کو کال کروں گا۔ اور ہاں اب سو جائیں۔ میں خیر خیریت سے پہنچ گیا ہوں۔"

فون بند کرتے وہ نتاشا کے گھر کی جانب روانہ ہوئے۔

عیان جو بات کرنے کے بعد سو گئی تھی، برے خواب سے ڈر کر جاگی۔ وہ اتنا بھیانک خواب تھا کہ وہ مکمل پسینے میں شرابور ہو چکی تھی۔ فون اٹھا کر وقت دیکھا تو شام کے پانچ بج رہے تھے۔ اس نے داؤد اور کزئ کو کال ملانی چاہی مگر وہ آف لائن تھے۔ وہ اب تک خواب کے زیرِ اثر کپکپا رہی تھی۔ دل میں سورتیں پڑھتی وہ داؤد اور کزئ کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھی کہ دروازہ کھٹکھٹائے جانے پر چونکی۔ اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے دلاور سرخ آنکھیں لیے کھڑا تھا۔

"کیا ہوا لالہ سب خیر تو ہے۔"

عیان کا دل شدت سے دھڑکا تھا۔ وہ جس انہونی سے خوفزدہ تھی کیا وہ ہو چکی تھی۔

"عیان سی ایم سرا سپتال میں ہیں۔ انکی حالت بہت نازک ہے۔"

دلاور کو دیکھ کر لگ رہا تھا جیسے ابھی رو دے گا۔ عیان روتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"نہیں، نہیں آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ابھی میرے سونے سے پہلے انہوں نے کال پر کہا تھا کہ وہ ٹھیک ہیں۔ایسے کیسے اسپتال میں ہو سکتے ہیں۔ لالہ پلیز آپ ایسا بھدا مزاق نہ کریں میرے ساتھ۔"

وہ روتے ہوئے وہیں فرش پر بیٹھ گئی۔

"عیان سنبھالو خود کو۔اٹھو ہمیں جرمنی جانا ہے۔"

دلاور خود بھی خاصا مضطرب دکھائی دیتا تھا۔خان صفدر تو جیسے ڈھے ہی گئے تھے۔وہ سی ایم ہاؤس تک تو آگئے تھے مگر اٹھ کر بیٹی کے پاس نہ جا سکے تھے۔وہ وہیں صوفے پر تھکے ہارے سے بیٹھے تھے۔نایاب نے ہی عیان کی ساری پیکنگ کی تھی۔

"ابا۔۔۔"

عیان روتے ہوئے خان صفدر کے پاس آئی۔انہوں نے نظر اٹھا کر بیٹی کی جانب دیکھا۔لاڈلی بیٹی کو یوں غم میں مبتلا دیکھ کر انکی طاقت جیسے نچڑ گئی تھی۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا عیان، داؤد بھی ٹھیک ہوں گے۔"

اسکا سر تھپکتے انہوں نے تسلی دی۔جو سر جھکائے رونے میں مصروف تھی۔ زخرف بھی دوپٹہ منہ پر رکھے خود کو رونے سے باز رکھنا چاہتی تھیں مگر کہاں

ممکن تھا ایسا۔ جلد ہی ٹی وی پر داؤد اور کزئ کی خبریں نشر ہونا شروع ہو گئ تھیں۔

"آپ کو بتاتے چلیں ناظرین سابق چیف منسٹر آف کے پی کے جرمنی میں طبیعت بگڑنے کے باعث اسپتال منتقل کر دیے گ ئے ہیں۔ کچھ ہی روز پہلے انہوں نے اپنی سیٹ اپنی بیوی عیان اور کزئ کو سونپی تھی اور اب اس طرح وہ اچانک اسپتال میں ایڈمٹ ہو گ ئے ہیں۔ سہیل ہمیں وہاں کی صورتحال بتائیں گے، سہیل کیا کہنا ہے آپ کا کیا سابق سی ایم۔۔۔۔"

دلاور نے چینل بدل دیا۔ اگلے چینل پر عوام کے دکھی پیغامات چل رہے تھے۔ لوگ داؤد اور کزئ کی صحت و تندرستی کی دعائیں مانگ رہے تھے۔

عیان کا فون متواتر کالز سے بج رہا تھا مگر وہ اس وقت کسی سے کوئ بات نہ کرنا چاہتی تھی۔ دلاور کے ہمراہ وہ ائیر پورٹ روانہ ہوئ۔

سارا رستہ وہ سر جھکائے بس روتی رہی تھی۔ گاڑی یک دم ڈگمگائ تھی۔ مگر ڈرائیور نے سرعت سے گاڑی سنبھال لی۔

"سنبھل کر۔۔۔"

دلاور کے کہنے پر ڈرائیور نے اثبات میں سر ہلایا۔ مگر گاڑی سارا رستہ یونہی بیلنس کھوتی رہی تھی۔ اب تو عیان کو بھی خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ وہ رونا بھول کر دلاور کا ہاتھ سختی سے میچے ہوئے تھی۔

"بھائی ہم کسی اور گاڑی میں چلتے ہیں۔"

آگے پیچھے گارڈز کی گاڑیاں دیکھ اسے کچھ حوصلہ تو ہوا تھا۔ مگر وہی بات کہ اب وہ کسی پر بھی اعتبار نہ کر سکتی تھی۔ تبھی اسکے کان میں سرگوشی کی۔

"فکر مت کرو یہ اعتماد کا بندہ ہے۔"

داور کے کہنے پر وہ لب بھینچ گئی۔ اگر وہ کہہ رہا تھا تو ہوگا یہ ویسا ہی۔ مگر کیا واقعی ہی نیاز کے جانے کے بعد بھی کوئی اعتماد کے قابل رہ گیا تھا۔

"سوری میڈم میں اب احتیاط سے چلاؤں گا۔"

بھاری لہجے میں اس نے معزرت کی۔ مگر عیان دھیان ہی کب دے رہی تھی۔ یہ مچھڑ ڈرائیور تو اسے پہلے ہی دن مشکوک لگا تھا۔ مگر داؤ داور کزئی نے اسے اسکا ڈرائیور مقرر کیا تھا وہ کیسے انہیں منع کر سکتی تھی۔

عیان ابھی فلائیٹ میں بیٹھی ہی تھی کہ نیاز سامنے آبیٹھا۔

"آپ یہاں؟"

اس نے حیرت سے دلاور کی جانب دیکھا۔جواباً وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔

"کچھ حساب رہ گئے ہیں جو چکانے ضروری ہیں۔"

سرخ آنکھیں، بھرایا لہجہ وہ خاصا مضطرب دکھائی دے رہا تھا۔

جرمنی پہنچتے ہی وہ ان سے الگ گاڑی کی جانب بڑھا۔

"آپ اسپتال چلیں میں آتا ہوں۔"

سنجیدگی سے کہتے وہ دوسری گاڑی میں جا بیٹھا۔

عیان اسپتال پہنچی تو داؤداور کزئی سے ملنے گئی۔وہ بالکل خاموش آنکھیں بند کیے لیٹے تھے۔عیان کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگنے لگا۔

"خان جی۔۔۔"

انکے ہاتھ پر اس نے ہاتھ رکھا مگر وہ داؤداور کزئی کے جسم میں جنبش نہ ہوئی۔

ان پر بے ہوشی طاری تھی۔

"آپ نے کہا تھا کہ آپ اب بند آنکھوں سے بھی مجھ سے غافل نہیں ہو سکتے

پھر ابھی آپ مجھے کیوں نہیں دیکھ رہے ہیں۔"

انکا ہاتھ تھامے وہ شدت سے رو رہی تھی۔داؤد اور کزیٔ کو اس طرح دیکھنا دنیا کا سب سے مشکل کام تھا۔چادر میں لپٹی وہ لڑکی وہاں آنے والے ڈاکٹرز اور نرسسز کو بھی غمزدہ کر رہی تھی۔

"ان کی سرجری ہونی ہے۔"

دلاور باہر رمیز کے پاس بیٹھا تھا۔وہ خاصا پریشان دکھائی دیتا تھا۔وہ کل سے یہاں موجود تھا۔گو کہ داؤد اور کزیٔ کے لیے اسے دوڑ دھوپ نہ کرنی پڑی تھی مگر انکی طبیعت ہی ہمت نچوڑ لینے کے لیے کافی تھی۔وہ خاصا نڈھال دکھائی دیتا تھا۔

"نتاشا کہاں ہیں؟"

ڈاکٹرز کے آنے پر عیان کو باہر آنا پڑا تھا۔رمیز اس سے احترام سے ملا تھا۔گو کہ وہ عمر میں اس سے چھوٹی تھی مگر داؤد اور کزیٔ کی وجہ سے اسکا رتبہ بڑا تھا۔

نتاشا کے ذکر پر اس نے سرد آہ بھری۔سر جھکا لیا تھا۔

"بھابھی وہ سبحان چھوٹا ہے۔اور بچوں کو اس طرح اسپتال لانے کی اجازت نہیں سو وہ سبحان کے پاس گھر پر ہے۔"

عیان تو نہیں مگر دلاور اسکی بات پر چونکا تھا۔ جہاں ملک کی عوام داؤد اور کزئ کے پریشان حال نظر آتی تھی وہاں نتاشا بالکل ہی غائب تھی۔ مگر اس وقت وہ کوئی سوال کر کے کسی اور مسئلے میں الجھنا نہ چاہتا تھا۔

--

نیاز ائیر پورٹ سے سیدھا نتاشا کے گھر گیا تھا۔ بیل بجانے پر وہ باہر آئی۔

"نیاز تم یہاں؟"

ہاں جانتا تھا آپ گھر ہی ہوں گی۔

وہ جیسے استہزائیہ ہنسا۔ نتاشا نے ناگواری سے اسے دیکھتے اندر آنے کا کہا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

وہ لاؤنج میں خاموشی سے کھڑا تھا۔ نتاشا اسکے پیچھے کھڑی ہوتی ناگواری سے بولی۔

"کیوں کیا آپ نے ایسا؟"

اسکے لہجے میں سب کچھ تباہ کرنے کا جنون تھا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو کیا کیا میں نے؟"

اسکی بات پر وہ یوں ہنسا جیسے کسی بچے کی معصومیت پر ہنسا جاتا ہے۔

"نتاشا اور کرزئ تم نے سی ایم سر کو کیا کہا کہ وہ اسپتال پہنچ گ ئے۔"

اس نے گن نکالتے اسکی کنپٹی پر رکھ دی۔لہجہ کسی بھی قسم کے احساس سے عاری تھا۔اس نے آج تمام لحاظ بالائے طاق رکھ دیے تھے۔

"نیاز تم۔۔۔"

اس نے بے یقینی سے اسکی جانب دیکھا۔

"تمھیں کیا لگا خون سفید ہو سکتا ہے تو کیا وفاداری بھی خریدی جاسکتی ہے۔"

"تو تم پہلے دن سے سب جان بوجھ کر۔۔۔"

نتاشا کو تو یقین ہی نہ آرہا تھا کہ نیاز نے یہ سب جان بوجھ کر کیا تھا۔

"بی بی سیاست سے ناواقف ہو تم ابھی، تمھیں کیا لگتا ہے ہم تمھاری ان سازشوں سے ناواقف تھے۔"

کیا بھائی سب پہلے سے۔۔۔

پہلے دن سے۔

اسکی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"مجھے تو تم پر ہمیشہ سے ہی شک رہا تھا۔ تم سی ایم سر کو شادی کا کہتی تھی مگر کبھی تم نے انہیں اس بات پر راضی کرنے کے لیے محنت نہیں کی۔ جب وہ اسکینڈل کا شکار ہوئے تو تم جرمنی چلی آئی۔ کیا تم جانتی نہیں تھی کہ انہیں تمہاری ضرورت ہے۔ انکے نکاح پر تم نہیں آئی۔ حالانکہ تمہارے لیے آنا ناممکن تو نہیں تھا۔ تم نے رشید چاچا سے کہہ کر ان پر نظر رکھی۔"

وہ بے یقینی سے اسکی جانب دیکھ رہی تھی۔ یہ شخص کیا کچھ جانتا تھا اسکے بارے میں۔

"میں صرف اس لیے خاموش تھا کیونکہ سی ایم سر کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا تم سے۔ مگر پھر تم نے ان پر کاری وار کیا نتاشا اور کزئی۔"

اسکے لہجے میں نفرت در آئی۔

"تم انکی بیوی کو بھرے بازار میں لے آئی۔ دل تو کرتا ہے ساری گولیاں تمہارے جسم میں اتار دوں۔"

غصے سے اس نے دوبارہ پسٹل اسکی جانب کی۔ نتاشا کو اس سے خوف محسوس ہوا۔

"سی ایم سر جان گئے تھے کہ وہ سب تم نے کروایا۔ مگر انہوں نے تمہیں چانس دیا۔انہوں نے تمہیں شادی میں بلایا۔ میڈم کی شاپنگ کے لیے تم سے مشورے لیتے رہے۔ صرف اس لیے کہ شاید تمہیں احساس ہو جائے۔ تم انکے مخالفین سے ہاتھ چھڑالو۔ مگر تم کم ظرف نکلی نتاشااور کزئ۔"

اسکا بس نہ چل رہا تھاوہ اسے زندہ گاڑ دیتا۔

"وہ داؤداور کزئ تھے نتاشا جو تمہیں موقع دے رہے تھے۔ مگر میں نیاز ہوں ان پر جان وار سکتا ہوں اور انکے مخالفین کی جان نکال بھی سکتا ہوں۔ میں نے جان بوجھ کر اپنے کردار میں جھول پیدا کیے تاکہ تم لوگ میری جانب متوجہ ہو جاؤ۔اور پھر تم سب نے ویسا ہی کیا۔ میں عیان میڈم کے اسکینڈل کے وقت جان بوجھ کر خاموش رہا۔ میں نے جان بوجھ کر سی ایم سر کو دیر سے بتایا سب۔ میں تمہاری اس سازش تک پہنچنا چاہتا تھا جس کی تم نے تیاری کرر کھی تھی۔اور دیکھو تم نے خود بتادیا سب۔ "

"تم خود بھی تو دھوکے باز ہو۔ تم دراصل گلٹی ہو اس لیے یہ سب کہانی بنا رہے ہو۔"

وہ ہسٹریائی انداز میں چیخنے لگی تھی۔ نیاز اسکی بات پر ہنس پڑا۔

"ریزائن کا کہنا ضروری تھا۔ورنہ تمہارا اخبری تم تک خبر کیسے پہنچاتا۔"

اسکی بے وقوفی کا اس نے مزاق اڑایا۔

"تم واقعی ہی اپنے بھائی کو نہیں پہچانتی نتاشا اور کزی۔ تمہیں کیا لگا داؤد اور کزی نے کبھی سیاست کی مکاریاں نہیں اپنائی تو کیا وہ ان سے انجان بھی ہوں گے۔ کٹھ پتلیوں کے ڈوریں ہلانا انہیں خوب آتا ہے۔اس دن اس سفید لفافے میں ریزیگنیشن لیٹر نہیں وہ رپورٹس تھیں۔وہ پلان تھا جو ان کے لیے تم لوگوں نے بنایا تھا۔"

نتاشا صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھی۔شکست کا احساس اسے رلانے لگا تھا۔نیاز نے حقارت سے اسے دیکھا۔یہ لڑکی ہمیشہ داؤد اور کزی کی بہن ہونے کے ناطے اس کے لیے محترم رہی تھی۔مگر اس نے خود کے لیے ذلت کا انتخاب کیا تھا۔

"بدمعاشوں کی بدمعاشی سے نہیں شریفوں کی شرافت سے خوف کھانا چاہیے نتاشا اور کزی۔بدمعاشوں کے سبھی ہتھکنڈوں سے انسان واقف ہوتا ہے۔مگر شریف جب شرافت کا چولا اتار پھینکتے ہیں تو انکا وار سہنا ناممکن ہوتا ہے۔"

"انہوں نے بھی سازش کی، مجھ میں اور ان میں کوئی فرق نہیں رہا۔ میں نے جو بھی کیا اپنے بیٹے کو اچھی زندگی دینے کے لیے کیا۔ حکومت پر میرے بیٹے کا حق تھا۔ لیکن انہوں نے فیملی بنالی، وہ اپنی اولاد کو اپنا تخت سونپ دیتے تو میری اولاد کا کیا ہوتا پھر۔"

اسکی شاید سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو چکی تھی۔ وہ اپنی غلطی پر نادم ہونے کے بجائے عذر تراشنے لگی تھی۔

"قسم خدا کی اگر یہ سی ایم سر کا حکم نہیں ہوتا تو تمہیں میں قبر میں اتار دیتا۔ مگر سی ایم سر نے یہ تمہیں دینے کو کہا تھا۔"

اس نے کہتے ساتھ کچھ پیپرز اسکی جانب پھینکے۔

نتاشا نے بے ساختہ وہ پیپرز اٹھائے۔ وہ پراپرٹی کے کاغذات تھے، جو داؤد اور کرزئی نے اسکے نام کیے تھے۔

"سی ایم سر نے سارا بزنس تمہارے نام بہت پہلے کر دیا تھا۔ چاہو تو ڈیٹس دیکھ لو۔ یہ سالوں پہلے کی ہیں۔ سیاست سے اس لیے تمہیں دور رکھا تاکہ تم اس دلدل میں نہ اتر جاؤ۔ جس سیاست نے انکے والدین چھین لیے، انہیں

دردناک زندگی دی وہ اسکا انتخاب تمہارے لیے کیسے کرتے بھلا۔ مگر تمہیں تو دلدل چاہیے تھی۔"

بکواس کر رہے ہو تم۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنی وراثت اپنی بیوی کو نہ سونپتے۔

وہ اب اونچی آواز میں رونے لگی تھی۔

"میڈم کو انکی سیٹ دینے کا ہم نے کہا تھا۔ ورنہ تو شاید وہ سب چھوڑ کر میڈم کو لیے کہیں دور جا بستے۔ مگر میں تمہیں ایسے کیسے جانے دے سکتا تھا۔"

اسے اس لڑکی سے اتنی نفرت محسوس ہو رہی تھی کہ شاید ہی کسی سے ہوئی ہو گی۔ کچھ دن پہلے کا منظر اسکی یاداشت میں لہرایا تھا۔

"سی ایم سر یہ جنگ آپ کو ہر صورت جیتنی ہی ہو گی۔ آپ ایسے کیسے ہار مان سکتے ہیں۔"

"وہ کوئی دشمن نہیں میری بہن ہے نیاز، داؤد اور کرزئی کیا اب اپنی بہن سے لڑے گا۔"

انکے انداز میں بے بسی تھی۔

"تو ٹھیک ہے پھر مقابلے پر انہی کی صنف کو لے آئیں۔ آپ اپنی سیٹ کسی اور کو دینے کے بجائے عیان کو دے دیں۔ "

یہ مشورہ دینے والا دلاور تھا۔اس دن گاڑی میں آکر بیٹھنے والا شخص خان دلاور تھا۔جو اس وقت بھی انکے ہاتھ پر ہاتھ رکھے انہیں حوصلہ دے رہا تھا۔

"میری بہن بے وقوف ضرور ہے سی ایم سر، مگر وہ خائن نہیں ہے۔وہ اس سیٹ کو ایمانداری سے سنبھالے گی۔کیا آپ اتنے برسوں کی محنت کو یوں ہی کسی ایسے انسان کو دے دیں گے جو اس کا غلط استعمال کرے گا۔کیا آپ یہ سب سہہ پائیں گے؟"

خان دلاور کی بات میں دم تھا۔انہوں نے کچھ سوچتے اس بات کی حامی بھر لی تھی۔گو کہ وہ عیان کو اس مشکل میں ڈالنے کے حق میں نہ تھے مگر نیاز اور دلاور نے انہیں یقین دلایا تھا کہ وہ عیان کو کچھ نہیں ہونے دیں گے۔

جہان دلاور نے عیان کو اچھی طرح سب سمجھایا تھا وہیں نیاز بھیس بدلے ڈرائیور کے روپ میں اسکی حفاظت پر مامور تھا۔عیان کی حفاظت داؤد اور کزئ کا حکم تھا۔وہ مر کر بھی اس سے غفلت نہیں برت سکتا تھا۔

"نتاشا اور کزئ یہ اتنی دولت ہے کہ تمہاری سات نسلوں کے لیے بھی کافی ہے۔امید ہے کہ آئندہ تم سی ایم سر کی زندگی میں دوبارہ دخل نہیں دو گی۔"

اسپتال سے فون آنے پر نیاز اسے سختی سے وارن کرتا وہاں سے نکل آیا۔وہ مزید اگر یہاں رکتا تو شاید واقعتاً اس عورت کا قتل کر دیتا۔

عیان تو یہ سب سن کر دنگ رہ گئی تھی۔وہ تو سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ کوئی بہن اس حد تک جا سکتی ہے۔وہ اس ستم پر رو دی تھی۔داؤد اور کرزئی کی زندگی میں پہلے کیا کم مشکلیں تھیں جو انہیں اس سے بھی گزرنا پڑا۔

"آئی ایم سوری بھابھی میں اس سب سے انجان تھا۔مجھے پہلے بھی سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ورنہ میرے لیے اپنے دم پر کسی پارٹی کو جوائن کرنا مشکل نہ تھا۔میں اس ملک میں اپنی فیملی کو اس لیے لایا تاکہ ہم اس سب سے ہٹ کر ایک پر سکون اور سادہ زندگی گزاریں۔جانے نتاشا نے اپنے لیے یہ راہ کیوں چنی۔"

مؤدب لہجے میں رمیز نے معزرت کی تھی۔وہ اسکی محبوب بیوی تھی۔اسکے بچے کی ماں تھی۔اور سب سے بڑھ کر وہ اس انسان کی بہن تھی جن کی شخصیت نے اسے کبھی سیدھی راہ سے بھٹکنے نہیں دیا تھا۔مگر کتنے افسوس کی بات تھی جن کو لوگ آئیڈیلائز کر کے اپنی راہیں درست کرتے تھے۔انکی اپنی بہن راہ سے بھٹک گئی تھی۔

وہ اس دن جب گھر آیا تو داؤد اور کزئ ابھی ہی گھر سے نکلے تھے۔

"داؤد بھائی آپ یہاں؟"

داؤد اور کزئ نے اسکی جانب دیکھا۔ چہرے پر چھائے اذیت کے اثرات، رمیز کو وہ ٹھیک نہ لگے تھے۔ مگر وہ محبت سے سبحان کو اٹھائے اس سے میچ کے بارے میں سوال کر رہے تھے۔

"اندر چل کر بات کرتے ہیں۔"

جواباً انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ سر میں اٹھتی ٹیسیں انہیں بے حال کرنے لگی تھیں۔

"کیا ہوا بھائی آپ کو، آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی مجھے۔"

"میں ٹھیک ہوں بس ضروری کام ہے وہاں جانا ہے۔"

وہ کہتے ہوئے اپنی گاری کی جانب بڑھے۔ رمیز سبحان کو گھر کے اندر بھیجتا بھاگ کر انکے پاس آیا۔

"چلیں کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

داؤد اور کزئ اسے انکار نہ کر سکے تھے۔ انکے خون کے رشتے نے انہیں دغا دیا تھا۔ مگر باقی رشتوں کے معاملے میں وہ خوش قسمت واقع ہوئے تھے۔

داؤد اور کرزئی کو سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ رمیز سے کیا کہیں۔وہ انکی بہن کا شوہر تھا۔ اگر وہ اسے سچ بتاتے تو جانے وہ انکی بہن کے ساتھ کیا سلوک کرتا۔

"داؤد بھائی آپ بلا جھجک مجھے ہر بات بتا سکتے ہیں۔ہم سالہ بہنوئی سے پہلے اچھے دوست ہیں۔اگر کوئی مسئلہ ہے تو مل کر حل کر لیں گے۔"

اس نے نرمی سے کہتے انہیں حوصلہ دیا۔داؤد اور کرزئی نے اپنا چشمہ اتارتے کہنا شروع کیا۔

نتاشا بھائی کو دیکھ کر جہاں حیرت کا شکار ہوئی وہیں خوش بھی بہت ہوئی۔اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ داؤد اور کرزئی اسے یوں سرپرائز دیں گے۔

"سبحان نہیں ہے کیا؟"

گھر میں چھائی خاموشی کو محسوس کرتے انہوں نے سوال کیا۔

"نہیں اسکا آج میچ تھا تو رمیز اسے وہاں لے گئے ہیں۔مجھے بھی جانا تھا مگر اچھا ہی ہوا میں گئی نہیں۔"

پانی لا کر انکے سامنے رکھتے اس نے خوشدلی سے کہا۔

"ہاں مجھے کچھ کام تھا تبھی ایسے اچانک آنا پڑا۔"

"کیا بھائی مجھے لگا کہ مجھ سے ملنے آئے ہیں آپ۔"

"ہاں تو تم سے ہی تو ملنے آیا ہوں میں۔"

انہوں نے اسکی جانب دیکھتے کہا۔ نتاشا کو انکا لہجہ بدلا بدلا سا لگا تبھی موضوع بدلنے کی خاطر گویا ہوئی۔

"تو اس بار بھابھی نے بھی اپنے پیپرز جمع کروائے ہیں، آپکی سیٹ کے لیے۔ آپ تو نیپوٹیزم کے خلاف تھے بھائی مگر اب خود ہی ویسا کیا۔"

میرا وارث چننا ضروری تھا نتاشا، میں برسوں کی محنت کو یونہی بے غرض ہاتھوں میں نہیں سونپ سکتا تھا۔ گلاس اٹھاتے انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

"اگر ایسا ہے تو پھر تو مجھے بھی کوشش کرنی چاہیے تھی۔"

نتاشا کے لہجے میں شرارت تھی۔ مگر داؤد اور کرزئی اسکی بات پر چونکے تھے۔ گلاس کی جانب بڑھتا انکا ہاتھ رکا تھا۔ سنجیدگی سے اسے دیکھتے وہ سیدھے ہو بیٹھے۔

"عیان کو اپنی سیٹ دینا میری مجبوری تھی نتاشا۔ تمہیں کیا میرا فیصلہ پسند نہیں آیا؟"

انکے اچانک سوال پر نتاشا گڑبڑائی تھی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

وہ انکی جانب نہ دیکھ رہی تھی۔ مگر داؤد اور کرزئی اسکے چہرے کی جانب متوجہ تھے۔ جو بالکل خاموش ہو چکی تھی۔ چہرے کے عضلات تن سے گ ئے تھے۔ داؤد اور کرزئی کا دل انہونی کے احساس سے دھڑکا تھا۔

"میں بس کہہ رہی تھی کہ آپ نے اپنے برسوں کے اصول عیان کی خاطر توڑ دیے۔"

وہ اب تک انکی جانب نہ دیکھ رہی تھی اور لہجہ۔۔۔ یہ تو کسی اجنبی کا لہجہ تھا۔ اس بار تو عیان کو بھابھی کہنے کا قصد بھی نہ کیا تھا۔ داؤد اور کرزئی کئی لمحوں کی خاموشی کے بعد گویا ہوئے۔

"مجھے اس بات کا دکھ ہے نتاشا کہ تم نے اپنے بھائی کے بجائے اس کے دشمنوں پر بھروسہ کیا۔ تم میری بہن ہو تم ایک بار تو مجھ سے کہتیں۔"

انکے لہجے میں تکلیف تھی۔ نتاشا کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔ تو وہ سب جانتے تھے۔

"میرے دشمن میرے پیٹھ پیچھے وار کرتے رہے مگر تم نے تو میرے دل پر وار کیا ہے۔ کیا تمہیں اپنے بھائی پر اتنا بھی بھروسہ نہیں تھا کہ تم اس سے کچھ

مانگتی تو وہ تمہیں انکار کر دیتا۔اکلوتی بہن ہو تم میری تم پر تو میں اپنی زندگی قربان کر سکتا ہوں۔"

وہ خاصے دلبر داشتہ نظر آتے تھے۔اتنے دنوں سے وہ یہ راز کیسے خود میں سموئے ہوئے تھے یہ بس وہی جانتے تھے۔

"بہن،ہونہہ۔۔۔بہن ہوں اگر تو یہ بات آپ کو اس وقت کیوں یاد نہیں آئی،جب آپ اپنی سیٹ کے لیے اگلا وارث چن رہے تھے۔اس حادثے کے بعد اگر میں کوشش نہ کرتی تو آپ کبھی مل نہ پاتے۔"

اس نے چابک کھینچ مارا تھا۔داؤد اور کرزئی کرب کے مارے سانس روک گئے تھے۔نتاشا کا یہ کونسا روپ انکے سامنے کھل رہا تھا۔

"میں نے آپ کو ڈھونڈا،دشمنوں کی نظروں سے دور رکھا۔آپکی بیماری کو سب سے چھپایا۔مگر آپ نے کیا کیا؟جا کر اس غریب لڑکی سے شادی کر لی۔اتنا ہی نہیں آپ تو اس پر اپنی جان وارنے کو تیار ہو گئے۔اگر شادی کر ہی لی تھی تو صرف بیوی بنا کر رکھتے نہ محبوبہ کیوں بنالیا اس کو۔"

اسکے لہجے میں عیان کے لیے نفرت تھی۔

"میں بری نہیں تھی، مجھے برا آپ نے بنایا۔ آپ بیوی کے آتے ہی ساری دنیا کو بھول گ ئے۔ آپ بھول گ ئے کہ آپکی بہن نے آپ کے لئے کتنی قربانیاں دی ہیں۔ آپ کی وجہ سے مجھے جرمنی آنا پڑا کیونکہ آپ رشتہ داری کی بنا پر میرے شوہر کو سیٹ نہیں دلوانا چاہتے تھے۔"

وہ چلتی ہوئ انکے قریب آئ۔

"رمیز کو نہیں دے سکتے تھے مجھے تو سیٹ دے سکتے تھے نہ۔ آپ کی جان بچائ تھی میں نے۔"

روتے ہوئے وہ چلائ تھی۔ شکست نے اسے چیخنے پر مجبور کر دیا تھا۔ داؤد اور کرزئ نے چہرہ موڑ لیا تھا۔ بہن کا یہ روپ دیکھنے کے بعد وہ ڈھے گ ئے تھے۔

"آپ موت کے قریب ہو رہے تھے مجھے لگا تھا اب آپ بہن کو اپنی جگہ دیں گے۔ مگر آپ نے تب بھی میرا خیال نہیں کیا۔ میں نے جرمنی آنے کا سوچا صرف اس لیے تاکہ آپ مجھے یہ کہہ کر روک لیں کہ آپ کے بعد آپ کی سیٹ مجھے سنبھالنی ہے میں کہیں نہ جاؤں۔ مگر آپ نے ایسا کچھ نہیں کیا۔"

وہ دھیرے دھیرے انکی جان نکال رہی تھی۔

"میرے جرمنی آنے کے کچھ ہی دن بعد آپ نے شادی رچالی۔"

نفرت بھرے تاثرات لیے وہ انکے چہرے کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"وہ کل کی آئ لڑکی آپ کے لیے سب سے بڑھ کر ہو گئ۔اسی لیے میں نے آپ کے دشمنوں سے ہاتھ ملالیا۔میں جانتی تھی آپ تو اپنی سیٹ مجھے کبھی نہیں دیں گے۔سانپ بن کر جو بیٹھے تھے اقتدار کی کرسی پر۔"

داؤداورکرزئ کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔بے یقینی سے انہوں نے نتاشا کی جانب دیکھا۔

"کہہ دو کہ یہ جھوٹ ہے۔کہہ دو کہ میں جو سچ جانتا ہوں وہ سب جھوٹ ہے۔"

انہوں نے اسکا بازو دبوچتے جھنجھوڑا تھا۔

"کہہ دو جھوٹ ہے،تم اس حد تک نہیں گر سکتی ہو۔میری بہن ہو کر تم اتنی گراوٹ کا مظاہرہ نہیں کر سکتی ہو۔"

انکی آنکھوں میں لہو ابھرنے لگا تھا۔مگر نتاشا بغیر ڈرے انکا بازو جھٹک گئ تھی۔

"یہ سب سچ ہے، کیا میں نے یہ سب۔آپ کے اور عیان کے تعلق کو چھپا کر اس کیس کو میڈیا میں اچھالا بھی میں نے تھا۔مجھے کوئی خوف نہیں ہے۔میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔"

اسکی یہ دلیری دیکھ داؤد اور کزئی کو تاؤ آیا تھا۔بہت ضبط کے باوجود بھی ان کا ہاتھ اٹھا تھا اور نتاشا کے چہرے پر پڑا تھا۔وہ پیچھے کو گری تھی۔آنکھوں میں بے یقینی لیے اس نے انکی جانب تکا۔

"اس پنچ لڑکی کے لیے مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی ہمت کیسے ہوئی آپکی۔"

وہ غصے سے پاگل ہونے کو تھی۔انکا گریبان جکڑتے وہ چلائی تھی۔داؤد اور کزئی نے غصے سے اس نے اپنا کالر چھڑوایا۔اپنی اولاد کی طرح مانا تھا انہوں نے نتاشا کو۔اور آج یہ اولاد انکا گریبان پکڑے ہوئے تھی۔انکا رواں رواں غصے کی شدت سے کانپ رہا تھا۔

"مجھے نفرت ہے داؤد اور کزئی آپ سے بھی اور آپ کی اس ذلیل بیوی سے بھی۔"

داؤد اور کزئی سے وہاں رکنا محال ہو گیا تھا۔تبھی حقارت بھری نظر اس پر ڈالتے وہ باہر نکلے تھے۔کہ پیچھے نتاشا کے چلانے کی آوازیں آرہی تھیں۔

انہیں گھٹن ہورہی تھی۔ مگر ساتھ ہی انکا چہرہ تکلیف کے مارے آنسوؤں سے تر ہو گیا تھا۔طاقت کی یہ کیسی بھوک تھی جس نے انکے اتنے خوبصورت رشتے کو نگل لیا تھا۔

رمیز دم سادھے سن رہا تھا۔اسکے اپنے گھر میں کھچڑی پکتی رہی تھی اور وہ انجان رہا تھا۔

"میری بہن بری نہیں ہے رمیز وہ بس بھٹک گئی ہے۔تم اسکی طرف سے اپنا دل برا مت کرنا کبھی۔"

انہوں نے اسکے ہاتھ تھامتے شکستہ لہجے میں کہا۔رمیز کو انکی بے بسی رلا گئی تھی۔ جبکہ وہ بار بار یہی کہتے جا رہے تھے۔

"وہ میری بہن ہے، مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ "

سر میں اٹھتی ٹیسوں نے انہیں پھر زیادہ دیر حواسوں میں نہ رہنے دیا تھا۔وہ ہوش کھوتے بے دم ہو گئے تھے۔رمیز انہیں اسپتال لے آیا تھا۔وہ کل سے یہاں بیٹھا اسی سوچ میں مبتلا تھا کہ نتاشا کب اتنا مادہ پرست ہو گئی۔اسے

آخر کس چیز کی کمی تھی جو اس سے اپنے باپ جیسے بھائی کے ساتھ ایسا غیر انسانی سلوک کیا۔

"کیا تم ٹھیک ہو عیان ؟"

داؤد اور کزئی کو سرجری کے لیے لے جایا گیا تھا۔دو گھنٹے بیت چکے تھے۔

عیان گھبراتے ہوئے باہر آگئ تھی۔ جرمنی کی رات اسے مزید ہیجان میں مبتلا کررہی تھی۔دلاور اسکے پاس آیا تو عیان نے بھیگی آنکھیں لیے اسے دیکھا۔

اس نے لب بھینچتے عیان کو خود سے لگایا۔

"لالہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ ایسا کیسے کرسکتی ہے۔"

عیان کو یہ یقین کرنا مشکل تھا۔اسے اپنے بھائی سے اتنی محبت تھی کہ وہ یقین نہ کرسکتی تھی کہ کوئی بہن اس حد تک بھی جاسکتی ہے۔عیان تو دلاور سے کبھی اونچی آواز میں بات نہ کرتی تھی۔پھر یہ بہن بھائی کا کیسا روپ تھا جہاں اس نے داؤد اور کزئی جیسے بھائی کو موت کے منہ میں پہنچادیا تھا۔

"تخت کا لالچ ایسا ہی ہوتا ہے عیان۔ خون کے رشتوں کو بھی یہ تخت دشمن بنا دیتا ہے۔ تمہیں اب سمجھ میں آیا کہ داؤد اور کزئ نے اپنے اصولوں کے خلاف جا کر اپنی سیٹ کا فائدہ کیوں اٹھایا؟"

عیان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم انکا سہارا ہو عیان، تمہیں مضبوط بننا ہے۔ اس سرجری کے بعد وہ شاید اپنی یاداشت مکمل طور پر کھو دیں گے۔ مگر تمہیں حوصلہ رکھنا ہو گا۔"

دلاور نے اسے بالآخر وہ بات بتا دی جو ڈاکٹرز نے ان سے کہی تھی۔ عیان کے لیے یہ بھلے ہی نئ بات نہ تھی کہ وہ پہلے سے جانتی تھی کہ ایک دن ایسا ہو گا۔ مگر اس وقت سنتے وہ رو دی تھی۔

"تمہیں نہ صرف ان کا خیال رکھنا ہے بلکہ انکا تخت بھی بچانا ہے عیان۔ وہ جلد ہی واپس اپنی سیٹ پر بیٹھیں گے۔ مگر تب تک تم حوصلہ بنائے رکھنا۔ اگر وہ اپنی یاداشت کھو دیں تو تم ہمت کا مظاہرہ کرنا۔"

وہ اسے حقیقت بتانے کے ساتھ ساتھ اسکی ہمت بھی بندھا رہا تھا۔ اور پھر جب آپ کے مرد آپ کی ہمت بڑھانے آپ کے ساتھ آ کھڑے ہوں تو

عورت پہاڑ بھی اپنی جگہ سے سرکا سکتی ہے۔ گو کہ یہ وقت مشکل تھا مگر آسانی بھی تو تھی نہ۔

جو ہم پہ گزرے تھے رنج سارے

جو خود پہ گزرے تو لوگ سمجھے

جب اپنی اپنی محبتوں کے

عذاب جھیلے تو لوگ سمجھے

وہ جن درختوں کی چھاؤں میں سے

اٹھا دیا تھا مسافروں کو

انہی درختوں پر اگلے موسم

جو پھل نہ اترے تو لوگ سمجھے

وہ خواب تھے ہی چنبیلیوں سے

سو سب نے حاکم کی کر لی بیعت

پھر اک چنبیلی کی اوٹ میں سے

جو سانپ نکلے تو لوگ سمجھے

رات سے صبح ہو چکی تھی۔ داؤد اور کزئ کی سرجری ہو چکی تھی۔ البتہ انہیں ہوش اب تک نہ آیا تھا۔ میڈیا کو نیاز نے ہی سنبھالا تھا۔ رمیز بھی ان کے ساتھ ہی تھا۔ جانے اپنی بیوی کے کیے کا کفارہ ادا کرنا چاہتا تھا یا کچھ اور تھا جو وہ تھوڑی دیر کے لیے بھی وہاں سے گیا نہ تھا۔

عیان انکے کمرے کے باہر بیٹھی تھی کہ نتاشا آتی دکھائ دی۔ روئ روئ سرخ و سوجھی آنکھیں لیے وہ شاید رات بھر جاگتی رہی تھی۔ عیان کو اسے دیکھ کر جھرجھری آئ تھی۔ وہ ایسے لوگوں سے سہم جاتی تھی جو دوسروں کو نقصان پہنچانے میں بے باک تھے۔ نتاشا شکستہ قدموں سے چلتی عیان کے قدموں میں آبیٹھی تھی۔ عیان کو تو جسم سے جان نکلتی محسوس ہوئ تھی۔ وہ ہل بھی نہ سکی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو نتاشا؟"

رمیز کے سختی سے پوچھنے پر اس نے بے اختیار ہی عیان کے گھٹنوں پر سر رکھا۔ عیان کی تو سانس حلق میں اٹک گئ تھی جیسے۔ اس نے گھبرا کر دلاور کی جانب دیکھا جس نے اسے نظروں ہی نظروں میں تسلی دی تھی۔

"کیا آپ مجھے معاف کر سکیں گی؟"

سر اٹھاتے اس نے سوال کیا۔ عجب ٹوٹا بکھرا لہجہ تھا اسکا۔ لگتا ہی نہ تھا کہ کل تک یہی عورت ایسی سفاک تھی کہ اپنے باپ جیسے بھائی کا گریبان تھامے کھڑی تھی۔

"میں ہمیشہ سے بری نہیں تھی بھابھی، میں نے کبھی ایسا کرنے کا سوچا بھی نہیں تھا۔ مگر پھر میرا دل سیاہ ہونے لگا۔ میں لالچی ہونے لگی۔ میں بھائی کی جائیداد پر نظر رکھنے لگی۔ انکی بگڑتی حالت دیکھ مجھے یہ خیال آنے لگا کہ وہ اکیلے ہیں انکے بعد یہ سب میرا ہو گا۔"

عیان نے بے یقین نظروں سے اسکی جانب دیکھا۔

"تخت ایسا ہی سحر انگیز ہوتا ہے بھابھی۔ اسکا نشہ ایسے ہی سر چڑھ کر بولتا ہے کہ انسان کو نہ حلال حرام کی تمیز رہتی ہے نہ رشتوں کی۔ مجھے بھی اسکا نشہ بھانے لگا۔ میرا نفس مجھے اس پر ابھارنے لگا کہ میں ملکہ بن جاؤں۔ میں لاشعور میں کہیں بھائی کے مر جانے کی منتظر تھی۔"

عیان نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ نرم دل لڑکی اپنے محبوب شوہر کے لیے یہ سب نہ سن سکتی تھی۔ وہ کانوں پر ہاتھ رکھ لینا چاہتی تھی تاکہ اسے نتاشا کے الفاظ سنائی نہ دیں۔ وہ اسکے منہ پر ہاتھ رکھ کر چیخنا چاہتی تھی کہ وہ

اسے اپنی بے حسی کی داستان نہ سنائے۔ مگر وہ بے سدھ بیٹھی رہی تھی۔ اسکے اندر شور اٹھ رہا تھا مگر باہر وہ سکوت طاری کیے بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔

جبکہ نتاشا روتے ہوئے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی۔

"وہ میرا بھائی تھا۔ وہ مجھے اپنی اولاد کہتا تھا۔ مگر میں نے اس کے مر جانے کی دعائیں کی۔ میں نے چاہا کہ وہ اس بیماری سے کبھی نہ ابھر سکے۔ "

عیان کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگنے لگا تھا۔ وہاں کھڑے مردوں کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی تھی۔ قریب تھا کہ رمیز اسے جھٹکے سے پرے کرتا دلاور نے اسکا ہاتھ تھام کر روک دیا۔ رمیز کی سختی طوفان لے آتی۔ اس نے حقارت سے رخ موڑ لیا۔ یہ عورت اس سے منسوب تھی۔ وہ کیسے سر اٹھا کر کھڑا رہ سکتا تھا۔ نتاشا نے عیان کے دونوں ہاتھ تھام رکھے تھے۔ وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی خاطر اسے اذیت میں مبتلا کر رہی تھی۔

"میں سوچتی تھی اگر ان کا گھر بس جائے گا تو میں ملکہ نہیں بن سکوں گی۔ بادشاہی انکی اولاد کے حصے میں چلی جائے گی۔ میں اس جائیداد پر اپنا حق جمانے کا سوچ رہی تھی جو میرے بھائی نے اپنی محنت سے بنائی تھی۔ میرے باپ کی وراثت تو وہ مجھے پہلے ہی دے چکے تھے۔ مگر میں مزید کے لیے لالچی

ہو گئ تھی۔جب انہوں نے کہا کہ وہ شادی کرر ہے ہیں تو میں ساری رات مصلے پر انکی ناکام ازدواجی زندگی کی دعائیں مانگتی رہی۔ "

عیان نے اس کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ نکالنے چاہے۔ مگر وہ تو جیسے آج سب سنا کر ہی جانے والی تھی۔ وہ مضبوطی سے اسکے ہاتھ تھام کر بیٹھی تھی۔اسکے آنسوؤں عیان کے ہاتھوں پر گرتے اسے تیزاب کی مانند محسوس ہو رہے تھے۔

"میں نے ڈاکٹر سے کہہ کر انہیں ہیوی ٹرینکولائزرز دلوائ۔میں خوش تھی کہ انکی یاداشت سے وہ شادی محو ہو چکی ہے۔ مگر پھر نیاز درمیان میں کودپڑا۔ وہ تمہیں سی ایم ہاؤس لانا چاہتا تھا۔میں اسے منع نہیں کر سکتی تھی۔وہ داؤد اور کرنئ نہیں تھا۔جو بہن سمجھ کر رعایت دیتا۔وہ نیاز تھا جو زمین کھود کر بھی وجہ ڈھونڈ نکالتا۔ "

نیاز ابھی باہر سے آیا تھا۔وہ حیرت سے نتاشا کو وہاں بیٹھادیکھ رہا تھا۔پھر اس نے عیان کی جانب دیکھا جو بے بسی سے سر جھکائے اسکا زہر خود میں اترتا محسوس کر رہی تھی۔اسے نتاشا پر تاؤ آیا تھا۔اتنا سب کرنے کے بعد وہ یہاں

کیا کر رہی تھی۔ مگر افسوس کہ وہ اسے کچھ کہہ نہ سکتا تھا۔اسکے خلاف وہ کوئی قدم نہ اٹھا سکتا تھا کہ وہ حکم کا پابند ہو کر بے بس ہو چکا تھا۔

ان سب لوگوں میں سے زیادہ وہ سی ایم سر کے قریب رہا تھا۔انکے شب و روز سے وہ ان سب سے زیادہ واقف تھا۔اسکی اذیت بھی ان سے دگنی تھی۔

وہاں موت کا سا سناٹا چھایا تھا جسے نتاشا کی سسکیوں بھری آواز چیر رہی تھی۔

"اس سے پہلے کہ نیاز مجھ تک پہنچ پاتا میں خود اپنے اصلی چہرے سمیت اسکے سامنے آ گئی۔جو انسان جیسا خود ہوتا ہے اسے باقی بھی ویسے ہی لگتے ہیں۔"

وہ جیسے خود پر ہنسی۔

"میں لالچی تھی۔مجھے لگتا تھا ساری دنیا ہی لالچی ہو گی۔میں نے اقتدار کے لالچ میں اپنے بھائی کے سینے میں خنجر گھونپنا چاہا۔میں نے نیاز کو خریدنے کی آفر کی۔"

نیاز کی ضبط کے مارے رگیں ابھرنے لگی تھیں۔کیا ضروری تھا کہ یہ عورت اسکی میڈم کو اس اذیت میں مبتلا کرتی جو اس نے جھیلی تھی۔

"جب اس نے بک جانے کی حامی بھر لی تو میں فتح کے احساس سے جھومنے لگی۔یہ لالچ یونہی انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔میں نے یہ سوچا ہی نہیں کہ وہ

نیاز ہے جو لہو لہو ہو کر بھی بھائی کو دھوکا نہیں دے سکتا۔اور دیکھو نہ بھابھی میں اونچا اڑنے کی خواہش لیے پستیوں میں گرتی رہی۔میں انجان رہی کہ میرا بھائی اس سب سے واقف ہے۔وہ واقف ہے میرے لالچ سے، وہ واقف تھے نیاز کو خریدے جانے سے، وہ جانتے تھے میں انہیں غلط دوائیاں دیتی ہوں۔"

وہ چند لمحے کو رکی۔عیان کا وجود ساکت ہو گیا تھا۔وہ تو شاید سانس بھی روک گئی تھی۔کچھ لمحوں کے توقف سے نتاشا دوبارہ گویا ہوئی۔

"وہ چپ چاپ وہ زہر جان بوجھ کر اپنے اندر اتارتے رہے۔انہوں نے اپنے بقا کی کوشش نہیں کی۔وہ تو تبھی مر گئے تھے جس دن میری حقیقت جان گئے تھے۔انہیں پینک اٹیکس آتے رہے، وہ درد میں مبتلا رہے مگر وہ وہی دوائیاں لیتے رہے۔وہ میرے سامنے وہ زہر اپنے اندر اتارتے رہے۔تاکہ میں اپنی خوشی پا سکوں۔"

عیان اس سے زیادہ نہیں سن سکتی تھی۔تبھی اپنی پوری ہمت مجتمع کرتے اس نے نتاشا کو پیچھے کی جانب دھکیلا۔وہ روتے ہوئے پیچھے کو گری۔عیان کا پورا جسم کپکپانے لگا تھا۔نیاز بھی اسکی اس بات پر دنگ تھا۔یہ وہ راز تھا جو صرف

داؤداور کزئ اور نتاشا کے درمیان تھا۔خان دلاور نے حقارت سے اسے دیکھتے چہرہ موڑ لیا تھا۔رمیز تو جیسے پتھر ہو گیا تھا۔وہ داؤداور کزئ کی بہن ہو کر اتنی سفاک کیسے ہو سکتی تھی بھلا۔اسکے پیچھے دھکیلے جانے پر بھی رمیز نے کوئ حرکت نہ کی تھی۔اس کے لیے اس کے دل میں اب کوئ رحم نہ آسکتا تھا۔وہ داؤداور کزئ جتنا اعلیٰ ظرف نہیں تھا۔

نتاشا شاید اپنے حواسوں میں نہ تھی۔وہ اب بھی ہیجانی کیفیت میں مبتلا بولے جا رہی تھی۔

"وہ میرا بھائ تھا،میں اسے اپنے ہاتھوں سے زہر دیتی رہی۔مگر پھر انہیں تم سے محبت ہو گئ۔انہوں نے وہ دوائیاں لینی چھوڑ دیں۔انکے پینک اٹیکس کم ہو گۓ۔تم نے انکی اذیتوں کو محبتوں میں بدل دیا۔ "

عیان بے تاثر نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔وہ یونہی فرش پر بیٹھی ارد گرد سے بے خبر خود ہی بولے جا رہی تھی۔

"میرے بیٹے کو lion king پسند ہے۔اسے mufasa پسند ہے۔اسے داؤد بھائ mufasa کے جیسے لگتے تھے۔اور۔۔۔mufasa کا مرنا ضروری تھا۔ "

وہ سراپا اذیت بن چکی تھی۔ وہ داؤد اور کزئ کو دی گئ ساری اذیت عیاں میں اتار دینا چاہتی تھی۔

"خدا کے واسطے بس کر دو نتاشا۔"

رمیز نے اسکے سامنے ہاتھ جوڑے۔ وہ اپنے بیٹے کے لیے خوفزدہ ہو گیا تھا شاید۔ نتاشا نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ چہرہ اب بے تاثر ہو چکا تھا۔

"اگر mufasa نہیں مرتا تو بادشاہی میرے بیٹے کو کیسے ملتی رمیز۔ اس سے پہلے کہ تخت کا وارث پیدا ہوتا میں نے انہیں ختم کرنا مناسب سمجھا۔"

وہ اب رو نہ رہی تھی۔ وہ شاید ہواسوں میں بھی نہ تھی۔ خاموش کروانے پر بھی چپ نہ ہو رہی تھی۔

"وہ سب سہہ کر بھی اعلیٰ ظرف رہے رمیز۔ انہوں نے اپنا سارا بزنس میرے نام کر دیا۔"

اس نے اپنے بیگ سے پیپرز نکال کر فرش پر پھینکے۔

"انہوں نے کہا مجھے جو چاہیے تھا میں ان سے کہتی، بس ان کے مخالفین سے ہاتھ نہ ملاتی۔"

بکھرے بال، سرخ آنکھیں، بے تاثر چہرہ لیے وہ کوئ پاگل ہی لگ رہی تھی۔

"دیکھیں انہوں نے مجھے ملکہ بنادیا مگر میں نے کیا کیا؟ میں انکا سامنا کیسے کروں گی؟ میں ان سے معافی کیسے مانگوں گی؟"

لہجہ ایک بار پھر بھرا گیا تھا۔عیان بمشکل ہی اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔ جسم میں تو جیسے جان ہی نہ رہی تھی۔اسکے کپکپاتے جسم کو دلاور نے بڑھ کر سنبھال لیا۔وہ اب اسکے سہارے کھڑی تھی۔ نتاشا بھیگی آنکھیں لیے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"میں پہلے خوفزدہ تھی کہ انکی یاداشت ختم ہو جائے گی۔وہ سب بھول جائیں گے۔"

لرزتے الفاظ اسکی شکستہ حالت کا پتا دے رہے تھے۔نیاز کو اس پر رحم آیا تھا۔ آنکھوں میں ضبط کے مارے نمی چمکنے لگی تھی۔وہ داؤد اور کرزئی کی بیوی تھی انکی محبوب بیوی۔۔۔اس وقت کتنی قابل رحم حالت میں تھی۔عیان کا لہجہ بھرا گیا تھا۔

"مگر اب میں شکر کرتی ہوں کہ وہ سب بھول جائیں گے۔انہیں یاد نہیں رہے گا کہ تم نے انہیں کتنی اذیت دی۔تم نے انہیں کس کرب میں مبتلا کیا۔ وہ بھول جائیں گے کہ تم انکے دل کا ناسور بن گئی۔"

انگلی اس کی جانب کیے وہ ضبط سے بول رہی تھی۔

"تم اس فکر میں مت گھلو کہ تم انکا سامنا کیسے کرو گی۔ کیونکہ میں ایسا کبھی ہونے نہیں دوں گی۔ میں کبھی انہیں پتا نہیں چلنے دوں گی کہ انکی کوئی بہن بھی تھی۔ انکی زندگی میں صرف عیان رہے گی۔ میں داؤد اور کرزئی نہیں ہوں جو اعلیٰ ظرفی دکھائے۔ انہیں کبھی زندگی میں اپنی شکل بھی دکھانے کی کوشش مت کرنا۔ "

وہ دلاور کے بازو پر سارا زور ڈالے کھڑی برسوں کی بیمار لگنے لگی تھی۔ اتنی پریشانی میں بھی نیاز کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی۔ صد شکر کہ وہ داؤد اور کرزئی کے جیسی نہیں تھی۔ کم از کم وہ داؤد اور کرزئی کی اس اچھائی کے حق میں نہیں تھا۔ خان دلاور نے اسے خود سے لگایا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"بھائی کوئی بہن اتنا کیسے گر سکتی ہے، کوئی بہن اپنے ہی بھائی کو موت کے منہ میں کیسے دھکیل سکتی ہے۔ کیسے کوئی بہن مصلے پر بیٹھ کر اپنے بھائی کی بربادی کی دعائیں مانگ سکتی ہے۔ کیسے وہ اتنی سفاک ہو سکتی ہے۔"

وہ بھی تو بہن تھی۔اپنے بھائی پر جان نچھاور کرنے والی کو کیسے یقین آتا کہ داؤد اور کرزئ کی سگی بہن ایسی سفاک تھی۔دلاور کے کندھے سے لگی وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ ظلم ہی ایسا ہوا تھا کہ کوئی پتھر بھی ہوتا تو رو پڑتا۔

عیان خاموش بیٹھی تھی۔رمیز زبردستی نتاشا کو وہاں سے لے گیا تھا۔اس کے وہاں سے جانے کے بعد ان تینوں نے بھی جیسے لبوں پر قفل لگا لیا تھا۔صبح سے شام ہو گئ تھی مگر انہوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات تک نہ کی تھی۔عیان سر جھکائے بیٹھی اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔وہ جب کبھی پریشان ہوتی تھی تو داؤد اور کرزئ اسکا ہاتھ تھام کر اسے انگوٹھے سے سہلا کر پرسکون کرنے کی کوشش کرتے تھے۔عیان انگلیاں چٹخا چٹخا کر ہاتھوں کو سرخ کر دیتی تھی،تو وہ اسے تاسف سے دیکھ کر رہ جاتے۔وہ رو رو کر آنکھیں سُجا لیتی تو داؤد اور کرزئ ڈھیروں فکر لیے اسکی آنکھوں کو نرمی سے چھوتے۔

"خود پر اتنا ظلم عیان۔۔۔"

عیان نے بے ساختہ ہی سر اٹھایا۔الو ژن اتنا مضبوط تھا کہ داؤد اور کزئ کی آواز کانوں میں سنائ دینے لگی تھی۔بے دردی سے گال پونچھتے وہ اٹھ کھڑی ہوئ۔

"کچھ چاہیے کیا عیان؟"

دلاور فوراََ اسکی جانب متوجہ ہوا۔جواباََ اس نے نفی میں سر ہلاتے واش روم کا رخ کیا۔اچھی طرح منہ دھوتے،بال ٹھیک کیے۔پھر چادر اچھی طرح سر پر جماتے اس نے ایک نظر آئینے میں خود کو دیکھا۔

"یہ چادر میں لپٹی عیان بہت خوبصورت ہے۔"

اسے بے ساختہ وہ اسکی چادر آگے کو کھینچتے دکھائ دیے تھے۔آنکھوں میں پھر نمی ابھرنے لگی تھی۔اس نے آنکھیں مسل ڈالیں۔

"بس عیان اب مزید نہیں رونا۔اب تم نہیں روؤ گی۔"

آئینے میں دیکھتے اس نے خود سے عہد کیا۔واش روم سے نکلتے وہ کافی حد تک خود کو سنبھال چکی تھی۔

اسے تھوڑا بہتر دیکھ دلاور کو سکون محسوس ہوا۔شکر تھا کہ وہ جلد ہی سنبھل گئ تھی۔محبت سے اس نے اسے خود سے لگا یا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

جواباً اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔عیان کو بھائی سے مزید محبت محسوس ہوئی تھی۔نتاشا کا ایسا بھیانک روپ دیکھنے کے بعد وہ اپنے بھائی کے لیے مزید حساس ہو گئی تھی۔

داؤد اور کزئی کو بالآخر ہوش آگیا تھا۔ان لوگوں کا تو بس نہ چل رہا تھا ساری دنیا کو چلا چلا کر بتا دیں۔ غم کی طویل رات کے بعد سویرا طلوع ہو چکا تھا۔ گو کہ داؤد اور کزئی لمبی نیند اور دوائیوں کے زیرِ اثر نیم غنودگی میں تھے۔ مگر یہ کیا کم تھا کہ وہ موت کو پچھاڑتے ہوش کی دنیا میں لوٹ آئے تھے۔عیان تو شکرانے کے نوافل پڑھتے نہ تھک رہی تھی۔ہر وقت مضبوط رہنے والا نیاز بھی انکا ہاتھ تھام کر رو دیا تھا۔وہ اسکے باس ہی نہیں اسکے راز دار، اسکے بھائی بلکہ اسکے باپ ہی تو تھے۔لبوں پر مسکراہٹ لیے آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی۔خان دلاور پاکستان کال کر کے گھر والوں کو مطلع کر رہا تھا۔

"بھائی۔۔۔"

عیان باہر آئی تو دلاور اپنی آنکھیں مسلتے مسکرا دیا تھا۔اب تک وہ عیان کا حوصلہ بنا ہوا تھا۔ مگر یہ تو وہی جانتا تھا کہ دل کن خدشات کے زیرِ اثر سہا ہوا

تھا۔وہ نہ صرف داؤد اور کرزئ کے لیے پریشان تھا بلکہ بہن کے لیے بھی خوفزدہ تھا۔اگر داؤد اور کرزئ کو کچھ ہو جاتا تو عیان کا کیا ہوتا؟ مگر شکر تھا کہ وہ ایسی کسی پریشانی میں مبتلا نہ ہوئے تھے۔

اگلے دن داؤد اور کرزئ یہاں وہاں سے ماحول سے کچھ مانوس ہوئے تھے۔ مگر وہ اپنی یادداشت مکمل طور پر کھو چکے تھے۔وہ کسی کو بھی پہچان نہ پا رہے تھے۔ اجنبی نظروں سے سب کی جانب دیکھتے وہ انہیں اذیت ذدہ کر گئے تھے۔ بھلے ہی ان کے لیے یادداشت کا جانا اچھا تھا مگر وہ لوگ اپنے دل کو کیسے سمجھاتے جو انکی نگاہوں میں اپنے لیے اجنبی تاثر دیکھ کر تکلیف کے مارے پھٹنے کو تھا۔ نیاز تو بالکل ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا تھا۔

"آپ کو کچھ چاہیے کیا؟"

وہ جو یہاں وہاں بے چینی سے دیکھ رہے تھے نیاز کے پوچھنے پر اجنبی نظروں سے اسکی جانب دیکھنے لگے۔دماغ کی سلیٹ بالکل صاف ہو چکی تھی۔آنکھیں کسی بھی احساس سے عاری تھیں۔ تین چار چہرے جو فکر مند سے ان کے آس پاس تھے یہ چہرہ انہی میں شامل تھا۔

"کیا تم مجھے بہت وقت سے جانتے ہو؟"

نیاز نے کرلاتے دل سے اثبات میں سر ہلا یا۔

"بہت زیادہ وقت سے جانتا ہوں۔"

اسکی بات پر وہ تھوڑے مطمئن نظر آرہے تھے۔ مگر پھر تھکن کے احساس سے انہوں نے آنکھیں موند لیں۔

"میرا لاشعور ایک چہرے کو تلاش رہا ہے، مگر وہ چہرہ بہت دھندلا ہے۔ میں اسے پہچان نہیں پا رہا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو وہ چہرہ کس کا ہے؟"

انکا ازلی نرم لہجہ نہ بدلا تھا۔ نیاز نے بے ساختہ ہی اثبات میں سر ہلا یا۔ چہرہ ایک امید کے تحت چمکنے لگا تھا۔ اسے اثبات میں سر ہلا تا دیکھ وہ تھوڑے مطمئن ہوئے تھے۔ کم از کم انکی یہ بے چینی تو ختم ہوتی۔

نیاز باہر کی جانب بڑھ گیا۔ سامنے ہی کرسی پر عیان بیٹھی تھی۔ سر جھکائے اپنے خالی ہاتھوں کو تکتی وہ سوگوار سی لڑکی بالکل خاموش بیٹھی تھی۔

"میڈم سی ایم سر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

بھاری لہجے میں اس نے اسے اطلاع دی۔ عیان نے بے یقینی سے سر اٹھایا۔

"کیا انہیں میں یاد ہوں؟"

وہ اب تک انہیں ملنے نہ گئی تھی۔ جن آنکھوں میں ہمیشہ اپنے لیے والہانہ پن دیکھنے کی عادی تھی ان آنکھوں میں اجنبیت کیسے سہہ پاتی وہ؟ اسکے سوال پر نیاز نے نفی میں سر ہلایا۔

"انکے لاشعور میں آپ کا چہرہ بستا ہے میڈم، وہ آپ کو بھلا کر بھی آپ کو یاد رکھے ہوئے ہیں۔"

لہجے میں امید در آئی تھی۔ عیان کی آنکھیں نمی چھلکانے لگی تھیں۔ مگر چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ چھائی تھی۔

"ہاں دل کی یاداشت بہت مظبوط ہوتی ہے۔ وہ مجھے بھول کر بھی نہیں بھلا سکتے ہیں۔"

اپنا چہرہ رگڑتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ دروازہ دھکیلنے سے پہلے چند لمحے رک کر خود کو پرسکون کیا۔ دل عجب انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔ یہ سب سوچنا آسان تھا مگر سہہ پانا بہت مشکل تھا۔

سیاہ چادر میں لپٹی وہ سرخ وسفید سی لڑکی اندر کمرے میں داخل ہوئی۔ داؤد اور کرزئی آنکھوں پر بازو رکھے لیٹے تھے۔

"خان جی۔۔۔"

اسکی آواز پر انہوں نے بازو ہٹایا۔آنکھیں پہچاننے کی کوشش میں سکڑ گئی تھیں۔عیان نے بے ساختہ ہی اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔داؤد اور کزئی جیسے یاد کرنے کی کوشش میں تھے کہ وہ کون ہو سکتی ہے۔مگر پھر اسکے بڑھے ہوئے ہاتھ کی جانب آہستگی سے ہاتھ بڑھایا۔عیان کی انگلیوں کی پوروں سے انکی انگلیاں ٹکرائیں تو جیسے جانا پہچانا سا احساس جاگا۔وہ جو اسے ہلکا سا چھونا چاہ رہے تھے انہوں نے بے اختیار ہی اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔عیان کی بے ہنگم ہوتی دھڑکنیں کانوں میں سنائی دینے لگی تھیں۔جبکہ داؤد اور کزئی اسکا ہاتھ تھامے ابھی بھی جیسے الجھن میں مبتلا تھے۔

"مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ان ہاتھوں کا لمس بہت جانا پہچانا سا ہے۔کیا ہم میں بہت قریبی تعلق ہے؟"

عیان کی پلکیں نمی کے احساس سے بھیگنے لگی تھیں۔اس نے بے ساختہ ہی اثبات میں سر ہلایا۔

لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔داؤد اور کزئی بھلے ہی اپنی یادداشت کھو چکے ہوں مگر یہ تو طے تھا کہ ان سے کبھی عیان کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے والی تھی۔وہ اسکے لیے ہر حال میں ہی سراپا محبت تھے۔

"کیا تعلق ہے ہم میں؟"

انہوں نے الجھی نظروں سے اسکی جانب دیکھا۔عیان انکے ہاتھ پر گرفت مضبوط کرتے بیڈ پر آ بیٹھی۔

"آپ خود بتائیں کہ کیا تعلق ہے ہم میں؟"

یک دم پر سکون انداز داؤد اور کزیٔ کو حیرت میں مبتلا کر گیا تھا۔یہ لڑکی ایک پل کو روتی تھی تو اگلے ہی پل بھیگی آنکھیں لیے مسکرانے لگتی تھی۔کبھی غمزدہ دکھتی تو اگلے ہی پل پر سکون ہوتی۔اس وقت بھی وہ انکا ہاتھ تھامے دوسرے ہاتھ سے انکا چہرہ نرمی سے سہلا رہی تھی۔اسکا لمس سکون بخش تھا۔

"آپ میرے لاشعور میں بستی ہیں۔کچھ دیر پہلے تک وہ چہرہ دھندلا تھا مگر اب آپ کا عکس بن گیا ہے۔"

انہوں نے اس پر سے نظر نہ ہٹائی تھی۔کچھ عادتیں ہمارے بس میں نہیں ہوتی ہیں۔ہم چاہیں یاداشت کھو دیں یا خود کو وہ کبھی نہیں بدلتی ہیں۔عیان کے معاملے میں انکا دل بے اختیار تھا۔

"آپ کا لمس اتنا سکون کیوں دے رہا ہے۔آپ کا چہرہ دیکھ محبت کیوں محسوس ہو رہی ہے؟میں آپ کا نام بھول گیا ہوں مگر یہ لمس کیوں مجھے خود میں اترتا محسوس ہو رہا ہے؟"

انکے سوال پر عیان نے ذرا سا جھکتے انکی آنکھوں کو چھوا۔داؤد اور کزئ یک دم ساکت رہ گ ۓ تھے۔

"کون ہو سکتی ہوں میں؟"

لبوں پر مسکراہٹ لیے نرمی سے سوال کرتی وہ انہیں دنیا کی سب سے پیاری لڑکی لگ رہی تھی۔اس سے پہلے کہ وہ پیچھے ہوتی داؤد اور کزئ نے اسے اپنی جانب کھینچا۔عیان کا دل جیسے ٹھہر گیا تھا۔

"میرا دل آپ کو پہچانتا ہے۔میرا دماغ بھی آپ کو پہچان لے گا۔آپ کے وجود سے مجھے خود کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے۔"

عیان کو لگ رہا تھا جیسے پچھلے دنوں کا زہر زائل ہو گیا ہو۔جیسے وہ دن انکے درمیان آۓ ہی نہ ہوں۔جیسے داؤد اور کزئ اسے بھولے ہی نہ ہوں۔

پورے حق سے انکے سینے سے لگتی وہ رو دی تھی۔وہ اسکا تحفظ تھے۔انکے حصار میں تو وہ کمزور پڑ سکتی تھی۔اسے سنبھالنے کے لیے وہ تھے نہ۔کچھ لوگ

نگاہ کی طرح ہوتے ہیں، وہ ساتھ ہوں تو اندھیرے میں بھی راستے مل جاتے ہیں۔

داؤد اور کرزئ کو ڈاکٹرز نے سفر کی اجازت دی تو وہ انہیں پاکستان لے آئے۔ الیکشنز میں کچھ ہی دن باقی تھے۔ عیان تو چاہتی ہی نہ تھی کہ وہ اس سب میں پڑے جس کی وجہ سے داؤد اور کرزئ کی جان پر بن آئ تھی۔ مگر یہ انکا فیصلہ تھا وہ اس سے ہٹنا نہ چاہتی تھی۔انہوں نے اس پر اعتماد کیا تھا، وہ ٹھیس نہ پہنچا سکتی تھی۔

"آپ نے زندگی کے کئ سال اس گھر کو دیے ہیں رشید چاچا، مگر اب میں چاہتی ہوں کہ آپ یہاں سے نوکری چھوڑ دیں۔"

عیان کے بے تاثر لہجے پر انہوں نے حیرت سے اسکی جانب دیکھا۔وہ جرمنی جانے سے پہلے والی عیان تو نہ لگتی تھی۔ سرد و اسپاٹ لہجے میں بولتی وہ کوئ سخت گیر عورت محسوس ہوتی تھی۔

"مگر میرا قصور کیا ہے، میں اس عمر میں کہاں دھکے کھاتا پھروں گا؟"

عیان نے بے تاثر نگاہوں سے انکی جانب دیکھا۔

"یہ آپ میرے شوہر کے خلاف جانے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔مجھے داؤد اور کرزئ سمجھنے کی غلطی مت کیجیے گا۔بہت فائدہ اٹھالیا سب نے انکی اچھائی کا۔ اب مزید نہیں۔۔۔نیاز آپ کا بندوبست کردے گا مگر آپ کی اس گھر میں کوئی جگہ نہیں۔"

سختی سے کہتے وہ اوپر کمرے کی جانب بڑھی۔داؤد اور کرزئ ابھی آرام کر رہے تھے۔وہ انکی لاعلمی میں ہی اس سارے فساد کی جڑ کر اکھاڑ پھینکنا چاہتی تھی۔

رشید چاچا تیزی سے اسکے سامنے آگئے۔

"رحم کریں بی بی میں بوڑھا آدمی ہوں۔"

انہوں نے اسکے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔عیان نے رخ پھیر لیا۔

"کیا آپ نے میرے شوہر پر رحم کیا تھا۔آپ جان بوجھ کر اس انسان کو موت کے منہ میں دھکیلتے رہے جو ہمیشہ آپ پر مہربان رہا۔آپکے بچوں کو پڑھایا۔آپ کی بیوی کی بیماری سے لے کر اسکے کفن دفن کا انتظام خود کیا۔ آپ کو اس پر رحم کیوں نہیں آیا چاچا؟"

اپنے کمرے کی جانب اشارہ کرتے وہ استفسار کر رہی تھی۔رشید چاچا نے ندامت سے سر جھکا لیا۔

"نتاشابی بی نے کہا تھاوہ اقتدار میں آئے گی تو میرے بچوں کو بھی اپنے ساتھ رکھے گی۔ میں بس اپنے بچوں کے مستقبل کے لالچ میں اندھا ہو گیا تھا۔"

انداز میں شرمساری تھی۔ عیان نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"آپ کے بچوں کی زندگی تو داؤد اور کزئ نے بھی سنواری تھی۔ آپ کو یہ خیال کیوں نہیں آیا۔ جب آپ کو اس وقت رحم نہیں آیا تو مجھے بھی اس وقت رحم نہیں آسکتا۔ داؤد اور کزئ پر ستم ڈھانے والے چاہے ندامت کے مارے ایڑیاں کیوں نہ رگڑیں انہیں انکے کیے کا حساب ضرور ہی دینا پڑے گا۔ آپ اسی میں خیر منائیں کہ آپ کو پولیس کے حوالے نہیں کر رہی میں۔ ورنہ اپنے مستقبل کی فکر نہ رہتی آپ کو۔"

نیاز کو آتا دیکھ وہ انہیں بے حسی سے کہہ کر آفس کی جانب بڑھ گئ۔ مزید ان لوگوں سے اسے الجھنا نہیں تھا۔ بس اب انہیں داؤد اور کزئ کی زندگی سے ہی نکال پھینکنا تھا۔

"کیا رپورٹ ہے؟"

"پورا یقین ہے کہ ہم بھاری اکثریت سے جیتیں گے۔ سی ایم سر کے ووٹرز آپ کو ووٹ ضرور دیں گے۔"

اسکی بات پر عیان نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ مزید اس سے تفصیلات لینے لگی تھی۔ داؤد اور کزنز کی وجہ سے اس نے جلسوں کے بجائے پریس کانفرنس کرنے کو ترجیح دی تھی۔ آن لائن اسٹریمنگ کے ذریعے ہی وہ اپنی کیمپین چلا رہی تھی۔

"نتاشا میڈم نے آپ کے والد کو بھی کال کی تھی۔"

نیاز کے بتانے پر وہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"اسے اب کیا چاہیے ہم سے؟"

اسکے ذکر نے پھر سے عیان میں اذیت بھر دی تھی۔

"انکا کہنا ہے کہ ہم بزنس واپس سنبھال لیں۔ انہیں کمپنی نہیں چاہیے۔"

نیاز نے بھی یوں منہ بنایا جیسے کڑوا بادام چبا لیا ہو۔

"اسے کہہ دیں کہ وہ کمپنی خان جی اسے دے چکے ہیں۔ اب چاہے وہ اسے سنبھالے یا تباہ کر دے اسکی مرضی۔"

اسکے کہنے پر نیاز نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بھی نتاشا کو معاف کرنے کے حق میں بالکل بھی نہ تھا۔ اسکی چند ندامت بھری باتیں اس نقصان کی بھرپائی نہ کر سکتی تھیں جو وہ انکا کر چکی تھی۔

نایاب تندہی کے ساتھ عیان کے کاموں میں اسکا ہاتھ بٹا رہی تھی۔وہ اس الیکشن کو لے کر کافی پرجوش تھی۔گو کہ ان پر نیپوٹیزم کے بھی الزامات لگائے گ ئے تھے۔مگر وہ باہر کے کسی انسان پر بھی اعتماد نہ کر سکتے تھے۔ جہاں خون کے رشتے اتنے بھیانک رخ دکھا چکے تھے وہاں باہر کے لوگ کیا کیا ستم نہ کرتے۔

عیان نے تو جرمنی سے لوٹنے پر جو روپ بدلا تھا سبھی دیکھ کر دنگ رہ گ ئے تھے۔وہ ہر اس انسان کو فارغ کر چکی تھی جو داؤد اور کزئ کو نقصان پہنچانے میں ذرا بھی ملوث تھا۔سی ایم ہاؤس کا کنڑول مکمل طور پر وہ اپنے ہاتھ میں لے چکی تھی۔

دلاور نے صحیح کہا تھا۔بادشاہ کے بعد تخت ملکہ کو ہی سنبھالا پڑتا ہے۔اس نے بھی تخت کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔اور جب عورت ڈٹ جاتی ہے تو کوئ طوفان بھی اسکا سامنا نہیں کر پاتا۔

الیکشن کا پورا دن وہ نروس بیٹھی رہی تھی۔خان صفدر کے بھی سبھی گھر والے آج سی ایم ہاؤس میں موجود ٹی وی کے سامنے بیٹھے تھے۔

"عیان اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو سب ٹھیک ہو گا۔"

خان صفدر نے اسے تسلی دی تو داؤد اور کزیٰ نے بھی اسکے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے حوصلہ دیا۔

"میں آپ کی محنت کو ضائع نہیں کرنا چاہتی ہوں۔"

داؤد اور کزیٰ کی جانب تکتے اس نے پریشانی سے کہا۔اسکے اس معصومانہ انداز پر وہ مسکرادیے تھے۔

"جو محنت مجھے یاد ہی نہیں اسکے ضائع ہونے کا کیا ڈر؟"

انکا لہجہ بالکل پرسکون تھا۔وہ ذرا بھی پریشان نظر نہ آتے تھے۔

"آپ کو یاد نہیں مگر ہم سب کو تو یاد ہے نہ۔"

"آپ میرے ساتھ ہیں مجھے اور کسی چیز سے فرق نہیں پڑتا۔"

سب کی موجودگی کی وجہ سے وہ آہستہ لہجے میں بات کر رہے تھے۔عیان مسکرا بھی نہ سکی۔بھلے داؤد اور کزیٰ کو فرق نہ پڑتا تھا۔مگر عیان کے لیے انکی شان،انکا مقام بہت ضروری تھا۔وہ یونہی پریشان بیٹھی ناخن چبانے میں مصروف تھی۔خان دلاور اور نیاز گھر پر نہ تھے۔وہ باہر کے معاملات میں مصروف تھے۔عیان کی کال بھی نہ اٹھا رہے تھے۔ووٹس کی گنتی کا مرحلہ

شروع ہو چکا تھا۔داؤد اور کزئ اسے لیے ٹیرس پر آگ ئے۔جبکہ نایاب بھی مسلسل کالز میں مصروف اپنے کام نپٹا رہی تھی۔یوں بھی داؤد اور کزئ کی طبیعت کی وجہ سے وہ تینوں عیان پر کام کا بوجھ زیادہ نہ ڈال رہے تھے۔

"عیان۔۔۔"

اندھیرے کو تکتے انہوں نے اسے پکارا۔

"جی۔۔"

"میں نہیں جانتا کہ میں پہلے کیسا انسان تھا۔مگر اب میں چاہتا ہوں کہ ہم اس دنیا کی الجھنوں سے کہیں دور کسی چھوٹے سے علاقے میں پرسکون زندگی گزاریں۔میں نہیں جانتا کہ میں نے اپنی سیٹ آپ کو کیوں دی تھی، مگر آپ کو یوں پریشان دیکھ کر مجھے خود پر غصہ آرہا ہے کہ میں نے آپ کو کن کٹھنائیوں میں دھکیل دیا۔"

عیان نے انکا بازو تھامتے اس پر اپنا سر ٹکایا۔

"آپ کو بس بریک چاہیے تھا اسی لیے سیٹ مجھے دی تھی۔میں اس لیے پریشان نہیں ہوں کہ مجھ پر ذمہ داری کا بوجھ ہے۔میں بس آپ کو ہمیشہ اسی مقام پر دیکھنا چاہتی ہوں جس مقام پر آپ مجھے ملے تھے۔"

انہوں نے بازو اسکے گرد پھیلاتے اسے اپنے قریب کیا۔

"اچھا تو بتائیں پھر کہ ہم کیسے ملے تھے، محبت کیسے ہوئی ہم میں اور ہماری شادی کیسے ہوئی تھی پھر۔ کیا میں نے آپ کو پروپوز کرنے کی خاطر پورے صوابی کو پھولوں سے مہکایا تھا یا نہیں؟"

انکی بات پر عیان نے منہ بسورتے انکی جانب دیکھا۔

"جب ہم پہلی بار ملے تھے تو آپ مجھے ان خوفناک کتوں کے آگے ڈال دینا چاہتے تھے۔"

اس نے نیچے لان میں بندھے ان خوفناک کتوں کی جانب اشارہ کیا جو اس سے کافی مانوس ہو چکے تھے۔ اسکی بات پر وہ بے یقین ہوئے۔

"کیا میں اتنا ظالم تھا؟"

عیان نے معصومیت سے ہاں میں سر ہلایا۔

"اور ایسا کیوں ہوا تھا؟"

پس پردہ کہانی تو بتائی ہی نہ تھی اس نے۔

"کیونکہ میں آپ سے شادی کرنے کو تیار نہیں تھی نہ۔"

آنکھوں میں شرارت لیے وہ انہیں تنگ کرنے میں مصروف تھی۔داؤد اور کرزئ کو تو بالکل یقین ہی نہیں آیا تھا۔وہ صدماتی کیفیت میں مبتلا تھے۔

"پھر کتوں کے خوف سے میں نے ہاں کردی۔اور جب ہم ہماری شادی ہونے والی تھی تو تب۔۔۔"

وہ کہانی گڑتے انہیں پریشان کرنے کا ارادہ کیے ہوئے تھی کہ داؤد اور کرزئ نے اسے آغوش میں بھرا۔

"عیان۔"

اسکے کندھے پر ٹھوڑی ٹکاتے انہوں نے نرمی سے پکارا۔

"جی۔۔۔"

انکے لہجے پر ساری شوخی ہوا ہوئ تھی۔انہوں نے ساتھ ہی اسکے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"میں سی ایم رہ چکا ہوں۔"

"جی ایسا ہی ہے۔"

نا سمجھی کی کیفیت میں وہ جواب دے رہی تھی،انکے سامنے ساری سمجھداری ہوا ہو جاتی تھی۔جبکہ وہ سنجید گی سے بول رہے تھے۔

"تو آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ سی ایم کی زندگی کے بارے میں معلومات نکالنا بالکل بھی مشکل نہیں ہے۔ میں نے ٹوئیٹ سے لے کر ہماری شادی تک سب کچھ جان لیا ہے۔"

عیان کو تو جیسے کرنٹ لگا تھا۔ تڑپ کر انکی گرفت سے نکلی۔

"آپ جاسوسی کر رہے تھے۔"

اسکا تو صدمہ ہی ختم ہونے میں نہ آرہا تھا۔ داؤد اور کرزئ مسکراہٹ دبائے نفی میں سر ہلانے لگے۔

"بھلا اپنے بارے میں، میں جاسوسی کیوں کروں گا۔ تو بتائیں کہ وہ ٹوئیٹ۔۔۔"

"مجھے کچھ نہی بتانا، آپ کو یہ بتانا ہی نہیں چاہیے تھا کہ آپ سی ایم تھے۔"

پیر پٹختے ناراضی سے وہ اندر کی جانب بڑھی۔

"ارے بات تو سنیں۔"

مگر وہ اندر چلی گئ تھی۔ داؤد اور کرزئ اسکی حرکت پر کھل کر ہنسے تھے۔ خان دلاور نے اپنی بہن کے بارے میں انہیں بالکل صحیح کہا تھا۔ یہ محترمہ اول درجے کی بے وقوف انسان تھی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے آسمان کی

جانب دیکھا۔ صد شکر تھا کہ وہ اس پریشانی سے نکل آئی تھی جو اس نے یونہی خود پر سوار کرر کھی تھی۔

جہاں عیان نے خود کو بدلا تھا۔ وہیں انکے رشتے میں بھی کئی تبدیلیاں آئی تھی۔ وہ خاموش سی عیان اب شوخیوں میں ڈھل چکی تھی۔ انکی یاداشت جانے کی تکلیف کو اس نے شوخیوں کی نظر کر دیا تھا۔ وہ اکثر ہی انہیں الٹی سیدھی باتیں بتاتی جن کا کوئی سر پیر ہی نہ ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ داؤد اور کرنزئی اپنا ماضی بھول جانے کی اذیت میں مبتلا نہ ہوئے تھے۔ وہ لوگ پوری کوشش کر رہے تھے کہ داؤد اور کرنزئی اپنی زندگی کے صرف خوشگوار پلوں کو ہی یاد کریں باقی سب رہنے دیں۔ اسی لیے تو عیان نے انہیں خود میں الجھا رکھا تھا۔

"عیان۔۔۔"

چہرے پر چمک لیے نایاب تیزی سے اندر آئی۔ عیان جو خان صفدر سے باتوں میں مصروف تھی اسکے اونچے لہجے میں پکارنے سے پریشان ہوئی۔

"کیا ہوا بھابھی؟"

اسکا پریشان چہرہ دیکھ نایاب ایک لمحے کو خجل ہوئی مگر اگلے ہی پل وہ اسکے گلے سے آ لگی۔

"ہم نے کر دکھایا۔ ہم بھاری اکثریت سے جیت گئے ہیں۔"

خوشی کے مارے اسکی آواز کانپ رہی تھی۔ عیان تو جہاں بیٹھی تھی وہیں بیٹھی رہ گئی۔

"بہت بہت مبارک ہو عیان۔"

خان صفدر نے اسکے سر پر ہاتھ رکھا تو بھی اسکا سکتہ نہ ٹوٹا۔ باہر آتش بازیاں ہونے لگی تھیں۔ عیان کا فون متواتر فون کالز سے بجنے لگا تھا۔ مگر وہ تو سر جھکائے رونے میں مصروف تھی۔

"بچے یہ تو خوشی کا موقع ہے رو کیوں رہی ہو؟"

زخرف خاتون کو اسکی کیفیت سمجھ نہ آئی تھی۔ جبکہ وہ نفی میں سر ہلاتے بس روئے جا رہی تھی۔

"عیان۔۔"

داؤد اور کرزئی لاؤنج میں داخل ہوئے تو انکی آواز پر عیان نے سر اٹھایا۔ بھیگا چہرہ لیے وہ اٹھتے انکے سینے سے جا لگی۔

"آپ جیت گ ۓ خان جی، آپ جیت گ ۓ۔"

اسکے یوں کہنے پر وہاں موجود سبھی مسکرا دیے تھے۔ وہ اسکی داؤد اور کزیٔ کے لیے دیوانگی سے خوب واقف تھے۔ داؤد اور کزیٔ نے مسکراتے ہوۓ اسکا سر سہلایا۔ وہ چہرے پر مسکراہٹ لیے انہیں دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں انکے لیے سرشاری تھی۔ داؤد اور کزیٔ نے اسکی چادر کو آگے کو کھینچا۔

"ہم۔۔ جیت گ ۓ عیان۔"

انکے پریقین لہجے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بے وقوف تو بھول ہی گیٔ تھی کہ الیکشن اس نے لڑا تھا۔

"مجھے پھر سے سی ایم کی پوسٹ ہی چاہیے ہے۔"

عیان پارٹی رہنما سے میٹنگ کے لیے آیٔ تھی۔ وہ اپنی پارٹی میں سب سے زیادہ ووٹ لے کر کامیاب ہویٔ تھی۔ داؤد اور کزیٔ جس کیفیت میں مبتلا رہے تھے اسکے بعد انکے ووٹرز کی تعداد میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ عوام نے انہیں ووٹ دینے کے بعد یہ پیغام بھی جاری کیا تھا کہ انکا یہ ووٹ دراصل داؤد اور کزیٔ کی صحت کے لیے دعا ہے تاکہ وہ پھر سے اپنی سیٹ سنبھالیں۔

باہر ممالک میں مقیم پاکستانی خاص طور پر انہیں ووٹ دینے کے لیے پاکستان آئے تھے۔

"دیکھیں میڈم آپ کو وزارت کا کوئی تجربہ نہیں ہے،اور آپ کو پارٹی میں شامل ہوئے بھی تھوڑا سا وقت ہی ہوا ہے ہم ایسے کیسے آپ کو وزیر اعلیٰ بنا سکتے ہیں؟"

وہ تو اسکی ہمت پر عش عش کر اٹھے تھے۔اتنا اعتماد کہاں سے آیا تھا بھلا؟ جبکہ وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتی ریلیکس ہو کر بیٹھی۔اسکی ایک جانب نیاز جبکہ دوسری جانب نایاب کھڑی تھی۔

"یہ تو آپ بھی جانتے ہیں مسٹر جہانگیر یوسف زئی کہ داؤد اور کرزئی کو پارٹی سے نکالنا آپ افورڈ نہیں کر پائیں گے۔"

وہ خود کا نام لینے کے بجائے داؤد اور کرزئی کا نام استعمال کرتی تھی۔اسکی بات پر اس شخص کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ بکھری۔

"شوہر کا نام لے کر سیاست چمکانا خوب آتا ہے آپ کو۔دکھنے میں جتنی بھولی لگتی ہیں اتنی ہیں نہیں آپ۔"

انکے طنز پر نیاز تو یوں بن گیا جیسے وہاں ہو ہی نہیں۔یہ لڑائی عیان کی تھی اسے ہی لڑنے تھی۔اور وہ جانتا تھا کہ اسے یہ لڑائی لڑنی خوب آتی ہے۔

"سیاست میں تو سب جائز ہوتا ہے مسٹر یوسف زئی۔"

اسکے اعتماد میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔

"کیا فرق پڑتا ہے بی بی،اب ہم الیکشن جیت چکے ہیں۔"

انہوں نے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔

"ہاں ٹھیک ہے، بھلا پانچ سال گزرتے کہاں پتا چلتا ہے۔اب آپ کی پارٹی اقتدار سے ہٹے گی تو دوسری پارٹی آئے گی نہ۔اور میں سوچ رہی ہوں کہ اگر داؤد اور کزئی اپنی پارٹی بنالیں تو انہیں سالوں نہیں لگیں گے آپ کی کرسی پر بیٹھنے کے لیے۔"

آنکھوں میں عزم لیے وہ پراعتمادی سے بول رہی تھی۔کون کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی لڑکی تھی جو انہیں اپنے گرد دیکھ کر سہم جاتی تھی۔

"آپ مجھے دھمکا رہی ہیں۔"

انکی بات پر وہ مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"میں آپ کو بتا رہی ہوں۔سیاست کا تعلق یاداشت سے نہیں ہوتا۔یہ انسان میں رچ بس جاتی ہے۔اور داؤ داور کرزئ کے سیاسی داؤ پیچ کا مقابلہ آپ نہیں کر پائیں گے۔وہ جلد ہی واپس لوٹیں گے۔انہیں وہی کرسی ملنی چاہیے جو آپ کی مکاریوں کے طفیل ان سے چھن گئ تھی۔"

انہیں وارن کرنے کے انداز میں کہتی وہ اٹھ کھڑی ہوئ۔اسکے انداز میں مضبوطی تھی۔نیاز نے مسکراہٹ دباتے اسکی جانب دیکھا۔کبھی یہ لڑکی ذرا ذراسی بات پر اپنی آنکھیں بھگو لیا کرتی تھی اور اب نڈر بنی اپنے شوہر کی جنگ لڑ رہی تھی۔

"ویسے آجکل ویڈیو لیک کا بھی کافی ٹرینڈ ہے۔اور سازشوں کا مکمل ثبوت بھی ہے میرے پاس۔"

سرد انداز میں کہتے وہ باہر نکل گئ۔وہ سمندر میں اتر چکی تھی۔اسے اب ڈوبنا نہیں تھا بلکہ شارک بن کر ان سبھی گندی مچھلیوں کو انکی اوقات میں لانا تھا۔

گرمیوں کی آمد آمد تھی۔ صبحیں روشن اور پوری آب وتاب سے کھلنے لگی تھیں۔ عیان باہر لان میں کھڑی صبح کا لطف لے رہی تھی۔ داؤد اور کزئ جو ٹیرس پر کھڑے تھے اسے دیکھتے نیچے آئے۔

"صبح بخیر۔"

عیان کے لبوں پر مسکراہٹ کھلی تھی۔ وہ انکی یاداشت سے سمجھوتا کر چکی تھی۔ پرانی یادوں کو رونے کے بجائے وہ انہیں نئ یادیں دے رہی تھی۔ اس نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا کہ اگر کبھی داؤد اور کزئ اسے بھول گۓ تو وہ پھر سے ان کے دل میں جگہ بنائے گی۔ انہیں پھر خود سے محبت کرنے پر مجبور کر دے گی۔ اور داؤد اور کزئ کے لیے تو جیسے عیان سے محبت کرنا آسمانوں پر لکھ دیا گیا تھا۔ وہ اپنی شادی کی تصاویر ہر روز دیکھتے تھے۔ عیان نے انہیں خوبصورت لمحوں کی یادیں لوٹانے کی کوشش کی تھی۔ ہاں مگر اس نے نتاشا کا ذکر چھیڑ نامناسب نہ سمجھا تھا۔ نتاشا نے بارہا اسے کال کرنی چاہی تھی مگر عیان ڈٹ گئ تھی۔

"صبح بخیر۔"

میرون شال میں لپٹی وہ کھلی کھلی لگ رہی تھی۔داؤداورکزئی نے اس کی چادر آگے کو کھینچی۔وہ اندر تک سرشار ہوئی تھی۔بس انکی یادیں ہی تو مٹی تھیں باقی تو وہ بالکل ویسے ہی تھے جیسے پہلے ہوا کرتے تھے۔انکی عادتیں، عیان سے محبت تو بالکل نہ بدلی تھی۔

داؤداورکزئی نے آدھ کھلا پھول توڑتے اسکے بالوں میں لگایا۔وہ انکی اس حرکت پر ہنس دی تھی۔

"کیا میں نے پہلے کبھی آپ کو بتایا تھا کہ آپ جب سر جھکا کر ہنستی ہیں تو میرا دل ایک بیٹ مس کر دیتا ہے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے نہ میں سر ہلایا۔آنکھوں میں شرارت چمک رہی تھی۔

"آپ تو بس کام میں مصروف رہتے تھے۔مجھے وقت ہی نہیں دیتے تھے۔"

اس کی بات پر داؤداورکزئی نے بے ساختہ ہی نفی میں سر ہلایا۔دونوں ہاتھ پشت پر باندھے وہ مکمل طور پر اسکی جانب متوجہ تھے۔

"میں مان ہی نہیں سکتا ہوں کہ ایسا کچھ کبھی ہوا ہو گا۔"

انکے لہجے میں یقین تھا۔ عیان نے مسکراہٹ ضبط کرتے انکی جانب تکا۔ وہ ہر بار ہی انہیں الٹے جواب دیتی تھی۔ اور وہ ہر بار اسے پچھلی بار کا حوالہ دیے بغیر نئے سرے سے انکار کرتے تھے۔

"اور آپ کیوں نہیں مانتے ہیں؟"

"کیونکہ آپ کا چہرہ مجھے دنیا بھلا دیتا ہے۔ آپ کی موجودگی مجھ پر سحر کرتی ہے اور غیر موجودگی آپ کے سوا مجھے کچھ اور سوچنے ہی نہیں دیتی۔ میں کیسے مان لوں پھر کہ مجھ پر یہ طلسم پہلی بار ہو رہا ہے۔"

وہ ہلکا سا اسکی جانب جھکے۔ عیان کی آنکھوں میں جھانکتے گھمبیر لہجے میں گویا ہوئے۔

"یہ سحر تو مجھے صدیوں پر محیط لگتا ہے۔"

آنکھوں میں خماری در آئی تھی۔ عیان کے گال تپنے لگے تھے۔ بے اختیار ہی اس نے نظریں جھکائی تھیں۔ داؤد اور کزئی نے نرمی سے اسکے گال کو چھوا۔

"آپ کی کیفیت بتا رہی ہے کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ آپ کا چہرہ ابھی آپ کے گالوں پر اترنے والوں رنگوں سے مانوس ہے۔"

لہجے میں خمار اترا تو آواز بوجھل ہو گئ۔ عیان کو اپنے دل کی دھڑکنیں کانوں میں سنائی دینے لگی تھیں۔ گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو انکے درمیان چھایا طلسم ٹوٹا۔

نیاز کو اپنی جانب آتا دیکھ انہوں نے اسکے کان میں سرگوشی کی۔

"آپ کو بہت بہت مبارک ہو سی ایم صاحبہ۔"

اس نے حیرت سے انکی جانب دیکھا۔ جن کے لبوں پر چھائی مسکراہٹ اس بات کی گواہ تھی کہ وہ سچ کہہ رہے تھے۔

"میڈم بہت بہت مبارک ہو آپ کو خیبر پختونخوا کا چیف منسٹر نامزد کیا گیا ہے۔"

نیاز کی بات وہ داؤد اور کرزئی کی جانب مڑی۔

"آپ پہلے سے جانتے تھے۔"

"بالکل، آپ سے بے خبر رہ سکتا ہوں کیا؟"

انکے کہنے پر اس نے نیاز کی جانب گھورا۔ کہیں وہ انہیں اسکے کارناموں کے بارے میں بھی نہ بتادے۔ جانتی تھی ایک نمبر کا وفادار ہے داؤد اور کرزئی کا۔

سی ایم ہاؤس پر رنگوں کی بہار اتر آئی تھی۔انہوں نے سخت آزمائش جھیلی تھی انکا صلہ بھی بڑا تھا۔لوگ منہ میں انگلیاں داب لیتے تھے انکی کہانی سن کر مگر وہ اپنے رب کے شکر گزار تھے۔وہ مشکل کے مرحلے سے نکل آئے تھے۔اب انکے لیے آسانی کر دی گئی تھی۔

آفس میں بیٹھے وہ کسی میٹنگ میں مصروف تھے۔داؤد اور کزئی جو تیزی سے صحت کی جانب بڑھ رہے تھے۔وہ کافی حد تک خود کو ریکور کر چکے تھے۔اس وقت بھی وہ مارکر اٹھائے بورڈ پر کچھ تحریر کرتے انہیں ہدایات دے رہے تھے۔نایاب اور نیاز تو من و عن انکی بات پر سر اٹھا رہے تھے مگر عیان کو کئی جگہوں پر شدید اعتراض تھا۔

"اس شخص کی تو میں شکل بھی نہیں دیکھوں گی۔اس نے سب سے پہلے آپ کے استعفیٰ کا مطالبہ کیا تھا۔اور اسکے بعد۔۔۔"

عیان۔

داؤد اور کزئی نے تاسف سے اسے پکارا۔یہ ہمیشہ ہی ایسا کرتی تھی۔وہ نرم و نازک سی عیان تو جیسے سی ہاؤس تک ہی محدود رہ گئی تھی۔باہر تو وہ شیرنی بنی غراتی تھی۔اسے ان سبھی لوگوں سے اعتراض تھا جو کبھی داؤد اور کزئی کے

مخالف ہوتے تھے۔ چونکہ عوام کی ہمدردیاں عیان کے ساتھ تھیں تو وہ اس سے اچھے تعلقات بنانے کی کوشش میں تھے۔ مگر وہ توپروں پر پانی نہ پڑنے دے رہی تھی۔

اس وقت بھی داؤد اور کزئ کے ٹوکنے پر وہ منہ بسورتے اٹھ گئ تھی۔

"ٹھیک ہے میرا مشورہ نہیں لینا تو خود ہی میٹنگ کرلیں، بعد میں مجھے بتا دینا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

وہ سر جھٹکتے باہر نکل گئ۔ داؤد اور کزئ نے ماتھا مسلتے مار کر بند کیا۔

"سر مجھے لگتا ہے میڈم ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہمیں ان لوگوں کو بالکل ڈھیل نہیں دینی چاہیے۔ اس سے پہلے کہ کوئ ہمیں نقصان پہنچائے ہمیں ان پر اپنی دھاک بٹھانی چاہیے۔"

"ماشاءاللہ تمہاری میڈم کافی دھاک بٹھا چکی ہیں نیاز۔"

انہوں نے بیچارگی سے کہا۔ وہ حیران ہوتے تھے جب عیان کی خبریں ان تک پہنچتی تھیں۔ وہ داؤد اور کزئ کے ساتھ ایک ذرا سا برا کرنے والوں کو بھی بخشنے والی نہ تھی۔ وہ ملکہ تھی، ملکہ سا ہی قہر لیے وہ سب کو ناکوں چنے چبوا رہی تھی۔ داؤد اور کزئ کو اسکی فکر تھی۔ وہ ان سیاسی مگرمچھوں کی مکاریوں کا

مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔ وہ تو داؤد اور کرزئ کے حصار میں رہنے والی لڑکی تھی۔ وہ بھلا کہاں تک ان سے لڑ سکتی تھی۔ مگر وہ کہاں جانتے تھے کہ یہ خان صفدر کی بزدل و معصوم سی بیٹی نہ تھی۔ وہ داؤد اور کرزئ کی بیوی تھی جسے کسی طوفان سے ڈر نہ لگتا تھا۔

"آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں سر، میڈم کے بجائے آپ کو اپنے مخالفین کے لیے فکر کرنی چاہیے۔ انہوں نے آپ سے سیاست سیکھی ہے۔ وہ مکاری پر نہیں بہادری پر یقین رکھتی ہیں۔"

نیاز اس سے حد درجہ متاثر نظر آتا تھا۔ وہ جس طرح معاملات کو سنبھالے ہوئے تھی۔ یہ واقعی ناممکن تھا۔

"اللہ ہی مخالفین کے حال پر رحم کرے، یہ ملکہ تو ان پر رحم کھانے والی نہیں ہے۔"

انہوں نے تاسف سے نفی میں سر ہلاتے میٹنگ برخاست کر دی۔ انکی روحِ جاں ناراض ہو کر گئ تھی۔ ان کا خاک یہاں دھیان لگنا تھا۔

"پتا نہیں میں پہلے کیسے انکی ناراضگی کو ہینڈل کرتا تھا۔"

"وہ پہلے ناراض ہی نہیں ہوتی تھیں۔یہ روپ تو اب دکھانا شروع کیا ہے انہوں نے۔"

وہ جو بے دھیانی میں بڑبڑا رہے تھے۔نیاز کے اچانک بولنے پر اسے گھور کر رہ گئے۔

"تم اپنی زندگی کے بارے میں سوچو اب۔"

اسے کہتے وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔جبکہ وہ تو انہیں ایسے دیکھ ہنس دیا تھا۔اگر اس نے عیان کا ایسا روپ نہ دیکھا تھا تو داؤد اور کزئی بھی کہاں ایسے تھے۔

"ویسے میری ایک دوست ہے،داؤد بھائی کی بات پر غور ضرور کرنا۔"

نایاب بھی لقمہ دیتی باہر کی جانب بڑھ گئی۔جہاں خان دلاور اسکا انتظار کر رہا تھا۔اسکے کالج میں امتحانات ہونے والے تھے وہ آجکل کافی مصروف تھا۔

"یہ عورت سیاست کرنے آئی ہے یا جنگ کرنے۔"

مخالف پارٹی کا ایک نمائندہ انٹرویو میں عیان کو لے کر تپا ہوا تھا۔

"آپ کہنا چاہتے ہیں انکے داؤ سیاست والے نہیں بلکہ جنگ والے ہیں۔"

اینکر نے سوال اٹھایا تھا۔

"بالکل ایسا ہی ہے۔یہ تو کوئی خونخوار شیرنی لگتی ہے جس کا کچھ پتا نہیں چلتا کب پنجہ مار دے۔داؤد اور کزئی تو سلجھے ہوئے انسان ہیں ان سے بات کر کے احساس ہوتا تھا کہ واقعی کسی سلجھے ہوئے،اور پڑھے لکھے انسان سے بات کر رہے ہیں جبکہ یہ عورت تو ایسے بات کرتی ہے جیسے دھمکا رہی ہو کہ تم کوئی ایک بات ایسی ویسی کرو،میں تمہاری نسلوں کو رونے پر مجبور کر دوں گی۔"

نمائندہ ذرا سیدھا ہو کر بیٹھا۔اینکر اسکے بیان پر ہنسی چھپاتا سر جھکا گیا۔عیان کے خونخوار تیوروں سے کون ناواقف تھا بھلا۔

"آپ اور کزئی صاحب کے پارٹی ارکان سے چاہیں تو پوچھ لیں۔وہ بھی یہی کہیں گے کہ جب یہ محترمہ بولتی ہیں تو ایسا لگتا ہے دھاڑ رہی ہیں۔"

"مگر ہم نے تو انہیں زیادہ بولتے نہیں سنا ہے۔وہ جلسوں وغیرہ میں بھی کم کم ہی بولتی ہیں۔"

اینکر سامنے پڑے کاغذات دیکھتے سوال کرنے لگا۔

"آپ انکے بولنے کو چھوڑیں صرف انکے انداز ملاحظہ کریں تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ وہ کس قدر خطرناک پرسنیلٹی ہیں۔جہاں کوئی بات انکی مرضی کی

نہیں ہوتی ہے وہ اپنے چہرے کے تاثرات ایسے بنا لیتی ہیں کہ سامنے بیٹھے بندے کا سانس سوکھ جائے۔انکی آنکھوں کے تاثرات ایسے ہوتے ہیں کہ زبان کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے ان کو۔ "

سرخ ہوا وہ بندہ عیان سے خوب ہی عاجز محسوس ہوتا تھا۔

"پھر تو اورکزئی صاحب پر بھی رحم کھانا چاہیے۔ایسی دبنگ خاتون کو چوبیسوں گھنٹے جھیلتے ہیں۔"

اینکر کے انداز میں دلچسپی تھی۔پروگرام کی ریٹنگ آسمان سے باتیں کر رہی تھی۔

"اورکزئی صاحب کے بارے میں تو کچھ کہہ نہیں سکتے ہیں ہم۔ہاں مگر مخالف پارٹی ہونے کے باوجود ہم دل سے دعا کرتے ہیں کہ وہ جلد ہی واپس آ کر اپنی سیٹ سنبھالیں۔کہ ہم تو اس عورت کو مزید برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔"

عیان ٹی وی کے سامنے بالکل خاموش بیٹھی تھی۔چہرے پر اس وقت واقعی ایسے تاثرات تھے جیسے اس نمائندے کو کچا چبانے کا ارادہ رکھتی ہو۔داؤد اورکزئی اسکے پاس آکر بیٹھے تو اس نے ٹی وی بند کر دیا۔

"اتنا غصہ کہاں سے سیکھا آپ نے عیان؟"

اسے اپنے حصار میں لیتے انہوں نے پر سکون کرنا چاہا۔

"مجھے تو کوئی غصہ نہیں خان جی۔ بھلا ان لوگوں کی وجہ سے میں کیوں اپنا خون جلاؤں گی۔"

انکے کندھے پر سر ٹکاتے وہ سکون سے گویا ہوئی۔

"اتنا غصہ نہیں کرتے۔ سیاست ایسی ہی ہوتی ہے۔ یہاں اتنے غلیظ چہرے ہوتے ہیں کہ دل چاہتا ہے بندہ انکا منہ نوچ لے مگر تحمل رکھنا پڑتا ہے۔"

اسکے سر پر لب رکھتے انہوں نے نرمی سے سمجھایا۔

"آپ فکر نہ کریں خان جی، آپ کی بیوی سے کوئی پنگا نہیں لیتا ہے۔ اور کبھی اگر لیا بھی تو دکھا دوں گی کہ میں کس شخص کی بیوی ہوں۔"

اسکے انداز میں بے نیازی تھی۔ داؤد اور کرزئی اسکی بات پر ہنس دیے تھے۔

"مجھے تو پتا چلا تھا کہ داؤد اور کرزئی بہت ہی کول مائنڈڈ انسان ہوا کرتا تھا۔"

"ہاں تو کول مائنڈڈ کا یہ مطلب تو نہیں کہ لوگوں کو زیادتیاں کرنے کے لیے کھلی ڈھیل دے دی جائے۔"

انکا بازو اپنے گرد لپیٹتے اس نے سر جھٹکا۔

"چھوڑیں خان جی ان فضول لوگوں کو، آج کیا ہم کہیں باہر چلیں۔"

بہلانے میں صرف داؤد اور کزئ ہی ماہر نہ تھے۔عیان میڈم بھی انکے بہت سے طریقے سیکھ چکی تھی۔

وقت کے اوراق پلٹنے لگے تھے۔عیان کافی حد تک معاملات کو سنبھال چکی تھی۔پہلے جس کی پہچان داؤد اور کزئ کی بیوی کی حیثیت سے ہوتی تھی۔اب اسکی اپنی مستحکم حیثیت بن چکی تھی۔ مگر اسے تو داؤد اور کزئ کی بیوی کہلوایا جانا ہی پسند تھا۔لوگ اسے داؤد اور کزئ کی پرچھائ کہتے تھے۔وہ داؤد اور کزئ کی سوچ کو ہی لیے آگے بڑھ رہی تھی۔ہاں تیور اسکے اب بھی نہ بدلے تھے۔وہ یونہی خونخوار شیرنی بنی غارتی تھی۔ جس سے بات کرنے سے پہلے لوگوں کو ہزار بار سوچنا پڑتا تھا۔اس وقت وہ آفس میں مصروف تھی نیاز دروازہ کھٹکھٹاتے اندر داخل ہوا۔

"میڈم یہ کچھ ڈاکیومنٹس ہیں انہیں دیکھ لیں۔"

اسے دیکھ وہ حیرت کا شکار ہوئ تھی۔

"آپ نے اسسٹنٹ اس لیے رکھی تھی تاکہ آپ کا کام آدھا ہو سکے۔ مجھے تو لگتا ہے اسسٹنٹ کے آنے کے بعد آپ کا کام بڑھ گیا ہے۔"

اسکی بات پر وہ بے بسی سے سرد آہ بھر کر رہ گیا۔

"یہ اسسٹنٹ نہیں سزا ہے جو داؤد سر نے مجھے دی ہے۔ یہ لڑکی اتنی پھوہڑ ہے کہ مجھے اسکے کام کو ٹھیک کرنے میں ڈبل محنت لگتی ہے۔"

اسکی بات پر وہ مسکراہٹ ضبط کر گئی۔ انوشہ داؤد اور کزئی کے کسی دوست کی بہن تھی۔ ابھی یونیورسٹی سے پاس آؤٹ ہوئی تھی تو اس دوست کے کہنے پر داؤد اور کزئی نے اسے نیاز کے سر کر دیا۔ کھلنڈری سی انوشہ واقعی کافی زیادہ پھوہڑ تھی۔ ایک تو وہ جہاں سے گزرتی سے کچھ نہ کچھ ضرور گرا کر توڑتی تھی۔ ٹیبل سے اٹھتی تھی تو تار سے بندھا ماؤس فرش کو سلامی دیتا پایا جاتا۔ نیاز کا ودماغ خراب ہو چکا تھا اس لڑکی کی وجہ سے۔ نایاب امید سے تھی جبھی وہ چھٹیوں پر تھی۔ ویسے بھی وہ تو عیان کا حوصلہ بڑھانے کی خاطر اسکے ساتھ کام کر رہی تھی۔ اب عیان کو اتنی ضرورت نہ رہی تھی کہ داؤد اور کزئی اسکی کافی مدد کر دیا کرتے تھے۔ سو وہ گھر داری میں مصروف ہو چکی تھی۔

"وہ ابھی دستخط کر رہی تھی کہ بجتے فون نے اسکی توجہ اپنی جانب کھینچی۔"

"ہیلو۔۔"

آواز سنتے اسکے عضلات سخت ہوئے تھے۔

"بھابھی پلیز بس ایک بار مجھے معاف کر دیں۔مجھے اس گلٹ سے نکال دیں۔ میں پاگل ہو جاؤں گی۔ "

وہ بے تحاشا رو رہی تھی۔عیان بے تاثر چہرہ لیے اسے رو تا سن رہی تھی۔اسکے لالچ نے اسکا مقام و مرتبہ چھین لیا تھا اس سے۔

"مجھے بس ایک سوال کا جواب دے دو نتاشا۔"

اس نے کہتے گہری سانس بھری۔نیاز تو نتاشا کا نام سنتے ہی باہر نکل گیا تھا۔وہ آج تک اس عورت کو معاف نہ کر سکا تھا۔

"کیا کبھی ایک لمحے کو بھی تمہیں اپنے خان جی پر رحم نہیں آیا؟وہ بھائی تھے تمہارے۔کیا ایک لمحے کو بھی تم نے یہ سوچا کہ تم انہیں موت کے منہ میں جانے سے روک لو۔"

عیان کے لہجے میں تکلیف تھی۔یہ زخم شاید ہمیشہ ہی رستا رہنا تھا۔دوسری جانب خاموشی چھائی تھی۔

"اگر اس سوال کا جواب نہ ہے نتاشا اور کزئ، تو دوبارہ مجھے کبھی کال مت کرنا۔ میں داؤد اور کزئ نہیں ہوں جو زہر پی کر بھی تمہیں معاف کر دے۔"

اس نے فون بند کر دیا تھا۔ یہ عورت جانے کیوں انہیں تکلیف سے نکلنے نہ دینا چاہتی تھی۔

آج بہت وقت کے بعد عیان کان دلاور کے ہمراہ اسی چپلی کباب کی دکان میں موجود تھی۔ وہ کسی قسم کی مصیبت نہ چاہتی تھی سو برقع اوڑھے دلاور کے ہمراہ یہاں آئ تھی۔ شاید اسے کوئ بات کرنی تھی عیان سے۔ عیان کباب کے ٹکڑے کرتی اسکے بات شروع کرنے کی منتظر تھی۔

"نتاشا داؤد بھائ سے بات کرنا چاہتی ہے۔"

اس نے بلا تمہید اصل مدعا بیان کیا۔ عیان کے ہاتھ ساکت ہوئے تھے۔ حیرانی سے اس نے بھائ کی جانب دیکھا۔

"اس کی بیٹی پیدا ہوئ ہے۔ وہ مکافاتِ عمل سے خوفزدہ ہو گئ ہے۔"

سر جھکائے وہ کھانے میں مصروف دکھائ دیتا تھا۔ عیان کی تو بھوک ہی مر گئ تھی۔

"توبہ کرنے پر تو رب بھی معاف کر دیتا ہے عیان۔"

انہوں نے اسے سمجھانا چاہا۔

"اور وہی رب کہتا ہے کہ کان کے بدلے کان، ناک کے بدلے ناک، جان کے بدلے جان، عزت کے بدلے عزت۔۔۔ "

"عیان یہ ان دونوں بہن بھائی کا معاملہ ہے۔ "

اسکی بات پر عیان نے نفی میں سر ہلایا۔

"بہن بھائی کا معاملہ تب تک رہتا ہے بھائی جب تک کوئی ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ خان جی میری ایک ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتے ہیں، کیا ان پر بیتی قیامت کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا ہوگا۔ انکا نقصان آپ کو سمجھ آتا ہے نہ بھائی۔ وہ اپنی تمام یاداشت کھو چکے ہیں۔ ایک انسان اس حد تک تنہا ہو گیا کہ وہ خود کے ساتھ وقت نہیں گزار سکتا۔ وہ سب کے درمیان خود کو اجنبی تصور کرتے ہیں۔ وہ کسی سے ملنے سے پہلے اس پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں کہ پہلے اس سے انکے کیسے معاملات تھے۔ اگر انکی جان چلی جاتی تو کیا اس عورت کے معافی مانگنے سے سب ٹھیک ہو جاتا۔"

لہجہ بھرا گیا تھا۔یہ تکلیف ہی اس قدر تھی کہ ہر بار اسکا ذکر اسکی آنکھیں نم کر دیتا تھا۔

"تم تو اتنی کٹھور نہیں تھی عیان۔"

دلاور نے ترحم سے اسے دیکھا۔حالات نے اس سے وہ پہلے والی معصومیت ختم کر دی تھی۔اسے بے ساختہ اپنی وہ بے وقوف سی بہن یاد آئی تھی جو اسکے کچھ سمجھانے پر ہونق بن جاتی تھی۔

"میں اب بھی کٹھور نہیں ہوں لالہ۔عیان خود کے لیے اب بھی ویسی ہی ہے۔مگر جو داؤد اور کزئی کو نقصان پہنچائے گا میں اسے بخشوں گی نہیں۔آپ کیا چاہتے ہیں میں ڈراموں فلموں کی وہ معصوم سی ہیروئن بن جاؤں جو آخر میں ہر تکلیف اور اذیت بھلا کر سب کو معاف کر دیتی ہے۔سوری بھائی ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ میں کسی مصنف کی لکھی ہیروئن نہیں ہوں۔میں جس بات کو معاف نہیں کر سکتی ہوں اسے یوں جانے بھی نہیں دے سکتی ہوں۔ یہ فطرت ہے بھائی۔اگر ایسا نہ ہوتا تو ہمیں اسکی اجازت نہ دی جاتی کہ جو زیادتی تم برداشت نہ کر سکو اسکا اتنا ہی بدلہ لے لو جتنا ظلم تم پر کیا گیا۔میں نے تو بدلہ نہیں لیا۔بس اس انسان سے تعلق ختم کر دیا جس سے جان کا خطرہ

تھا۔ فطرت نہیں بدلتی ہے۔ یہ لالچ ایسی ہی بری بلا ہے۔ آج نہیں تو کل پھر سر اٹھائے گا۔ کیا ضروری ہے کہ ہم رسک لیتے رہیں۔"

وہ کچھ بھی غلط نہ کہہ رہی تھی۔ دلاور کو بھی احساس ہوا کہ وہ لوگ اسے غلط چیز کے لیے فورس کر رہے تھے۔ اس نے سہا تھا وہ حق پر تھی۔ اگر داؤد اور کزئ نتاشا کو پراپرٹی نہ دیتے تو وہ اب تک انہیں اذیت دیتی رہتی۔ کیا ضروری تھا کہ ایسے انسان کو ایک بار پھر اعتبار سونپا جاتا جو جان لینے سے در پے تھا۔

"عیان۔۔"

دلاور نے اسے پکارا۔ عیان سر اٹھائے اسکی جانب متوجہ تھی، جو ہاتھ ٹیبل پر رکھے آگے کو جھک کر بیٹھا تھا۔

"داؤد اور کزئ نتاشا کے بارے میں جانتے ہیں۔۔؟"

پتا نہیں وہ اسے آگاہ کر رہا تھا یا استفسار کر رہا تھا۔ مگر عیان نے اثبات میں سر ہلایا۔ دلاور اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"وہ جانتے ہیں کہ انکی فیملی میں انکے والدین کے علاوہ ایک بہن بھی تھی۔"

گہری سانس بھرتے وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا گئی۔

"تو پھر انہوں نے کیا کوئی سوال نہیں کیا اس کے بارے میں؟"

جواباً اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ اسے اکثر سرچ کرتے ہیں گوگل پر، انسٹا پر۔ مگر کبھی انہوں نے اسکے بارے میں سوال نہیں کیا۔ شاید وہ انتظار میں ہیں کہ میں خود سے بتاؤں۔"

ہاتھ مسلتے سر جھکا کر بیٹھی وہ پہلے سی لگ رہی تھی۔

"انہیں سچ بتا دو عیان۔"

اسکی بات پر عیان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیا آپ کو لگتا ہے کہ وہ سچ نہیں جانتے؟"

خان دلاور کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"وہ سب جانتے ہیں۔ مگر انہوں نے کبھی مجھ سے سوال نہیں کیا۔ وہ جان گئے ہیں کہ نتاشا کون ہے، اور کیوں ہماری زندگی میں نہیں۔"

اسکی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی تھی۔ وہ اب بھائی کی جانب نہ دیکھ رہی تھی۔

"یہ ایک خاموش عہد ہے لالہ جو ہم دونوں نے خود سے کر رکھا ہے کہ ایک دوسرے کو تکلیف میں مبتلا نہیں کریں گے۔"

چھلکتے آنسو اس نے ہاتھ کی پشت سے رگڑ ڈالے۔

"ضروری تو نہیں کہ ہر بار ایک دوسرے سے کہہ کر ہی احساس کروایا جائے۔ نتاشا کی حقیقت جاننے کے بعد وہ سمجھ گئے تھے کہ گھر میں نتاشا کا ذکر کیوں نہیں ہوتا۔"

وہ سر جھکا گئی تھی۔ دلاور کچھ بول ہی نہ سکا تھا۔ وہ ہی کیا انہیں جاننے والا ہر شخص کی انکی محبت کی گہرائی جاننے سے قاصر تھا۔ یہ کیسی محبت تھی انکی کہ وہ ایک دوسرے کو کہے بغیر بھی ایک دوسرے کو سمجھ جاتے تھے۔ اور جب سمجھانے کو کچھ کہتے تھے تو ایک دوسرے کے ہر غم کو سمیٹ لیتے تھے۔

عیان وہاں سے اٹھ آئی تھی۔ گاڑی میں بیٹھی وہ آنکھیں موندے سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے ہوئے تھی۔ نیاز نے ایک نظر اسے دیکھا۔ لبوں پر مسکراہٹ در آئی تھی۔ وہ داؤد اور کرزئی کا فیمیل ورژن تھی۔ وہ بھی اسی طرح آنکھیں موند کر سر پشت پر گرا لیتے تھے۔

عیان گھر آئی تو داؤد اور کرزئی کھڑکی میں کھڑے ماہان ہلز پر اترتی شام دیکھ رہے تھے۔ سیاہ شال کندھوں پر ٹکائے ہاتھ پشت پر باندھے وہ کھوئے کھوئے

سے کھڑے تھے۔ عیان کتنے ہی لمحے انہیں دیکھتی رہی تھی۔ داؤد اور کزئی کو اسکا احساس ہوا تو انہوں نے پلٹ کر اسکی جانب دیکھا۔

"آپ کب آئیں؟"

استفسار کرتے اسکی جانب بازو پھیلایا۔

"بس ابھی۔"

انکے بازو میں سماتے نرم لہجے میں جواب دیا۔ وہ اب انکے ساتھ کھڑی سامنے کے منظر کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ نظارہ روز دیکھتی ہوں مگر اتنا اچھا تو کبھی نہیں لگتا جتنا ابھی لگ رہا ہے۔"

معصومیت سے کہتی وہ انکے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گئی تھی۔ انہوں نے محبت سے اسکی جانب دیکھا۔

"میری آنکھوں کو بھی منظر تبھی بھاتے ہیں جب میں انہیں آپ کے ساتھ دیکھتا ہوں۔ پہلے مجھے صرف پہاڑ پر اترتی شام دکھائی دے رہی تھی مگر اب مجھے وہ سارے رنگ بھی دکھائی دینے لگے ہیں جو اس شام نے اس پہاڑ کو دان کیے ہیں۔"

مسحور لہجے میں کہتے وہ کتنے دلفریب لگ رہے تھے۔عیان کو دنیا دھنک رنگ اوڑھتی محسوس ہوئی تھی۔

ہاں پھول،چاند،ستارے،کہکشاں کہاں اتنے دلکش لگتے ہیں جب تک انہیں من پسند شخص کے ساتھ نہ دیکھا جائے۔

عیان آفس آئی تو سامنے نیاز انوشہ کو ڈانٹنے میں مصروف تھا۔عیان حیرت سے نیاز کو دیکھا،وہ تو کبھی اس طرح غصہ نہ ہوتا تھا۔

"نیاز۔۔"

جی میڈم۔

لہجہ یک دم ہی مؤدب ہوا تھا۔

"کیا ہوا؟"

"میں نے اسے منع کیا تھا میڈم کہ کانفیڈینشل ڈاکیومنٹس کی کاپیز نہیں بنی چاہیے۔انہیں یو ایس بی سے کمپیوٹر میں بھی پیسٹ نہیں کرنا پھر بھی اس نے کمپیوٹر میں ڈیٹا سیو کیا۔"

اسکے بتانے پر عیان نے انوشہ کی جانب دیکھا۔ جو سر جھکائے کھڑی تھی۔ بس آنسو بہنے کی کسر ہی رہ گئی تھی۔

"میں نے بس اس لیے سیو کیے تاکہ مجھے ڈھونڈنے میں آسانی رہے۔"

بھرائے لہجے میں اس نے وضاحت کی۔ نیاز نے یوں سر جھٹکا جیسے وہ کوئی بے تکی بات کہہ رہی ہو۔

"انوشہ آپ کو پتا ہے نہ کانفیڈینشل ڈاکیومنٹس کی اہمیت کا، پھر کمپیوٹر میں کیوں سیو کیے۔"

"میں دوبارہ نہیں کروں گی میڈم۔"

آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے تھے۔ شاید نیاز نے کچھ زیادہ ہی ڈانٹ دیا تھا بیچاری کو۔ عیان نے تاسف سے اسے دیکھا۔ کبھی وہ بھی اس کے جیسی ہی ہوا کرتی تھی۔

"کوئی بات نہیں اگلی بار دھیان رکھنا، نیاز آپ میرے ساتھ آئیں۔"

نرمی سے کہتی وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ نیاز اس کے پیچھے ہی اندر داخل ہوا۔ کرسی پر بیٹھی وہ اب مکمل طور پر اسکی جانب متوجہ تھی۔

"آپ کو اسے اس طرح نہیں ڈانٹنا چاہیے نیاز۔"

"سوری میڈم مگر اس قسم کی حرکتیں مجھے شک پر ابھارتی ہیں۔"

سر جھکائے اس نے مؤدب لہجے میں وضاحت کی۔ عیان نے گہری سانس بھرتے اسکی جانب دیکھا۔

"نیاز انوشہ کو اپائنٹ کرنے سے پہلے اسے کئی ماہ تک چیک کیا جاتا رہا ہے۔ آپ جب خود مطمئن ہوئے تھے اس سے تبھی اسے اپائنٹ کیا گیا تھا۔ لوگوں پر اعتبار کرنا سیکھیں۔ ضروری تو نہیں کہ ایک انسان دھوکے باز تھا تو ساری دنیا دھوکے باز ہو گی۔ کبھی کبھی ہمیں سگے رشتے ڈھا دیتے ہیں اور کوئی اجنبی ہمیں تعمیر کر دیتا ہے۔"

نرم لہجے میں اس نے اسے سمجھایا تھا۔ نیاز نے اثبات میں سر ہلایا۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی وہ۔ جہاں داؤد اور کزئی کی سگی بہن نے انہیں موت کے منہ میں پہنچایا تھا وہاں عیان انہیں زندگی کی جانب لے آئی تھی۔

"میں آئندہ خیال رکھوں گا میڈم۔"

"محتاط رہنا اچھی بات ہے مگر مشکوک رہنا اچھی بات نہیں۔"

اسے ہدایت کرتے وہ کام میں مصروف ہو گئ۔ نیاز بھی باہر نکل گیا تھا۔ عیان نے نظر اٹھا کر شیشے کے پار دیکھا۔ جہاں نیاز انوشہ سے معزرت کر رہا تھا کہ چھوٹی سی بات پر اس نے اسے بہت زیادہ ڈانٹ دیا تھا۔

یہ ایک روشن اور خوشگوار صبح کا منظر تھا۔ عیان کسلمندی سے اٹھی۔ آج اسکا کہیں جانے کا دل نہ چاہ رہا تھا۔ وہ تیار ہو کر نیچے آئ تو سامنے ہی داؤد اور کزئ اسکے لیے ناشتہ بنانے میں مصروف دکھائ دیے۔ عیان کو خوشگوار حیرت نے آگھیرا۔

"صبح بخیر۔۔"

انکے فریش انداز پر وہ کھل اٹھی تھی۔

"تو آپ کو یاد تھا؟"

کیا؟

انہوں نے حیرت سے اسکی جانب دیکھا۔

"آج کا دن اور کیا؟"

ڈھکن ہٹاتے اس نے انکی جانب دیکھا۔

"کیا آج کچھ خاص ہے عیان؟"

وہ ناسمجھی سے اسکی جانب دیکھ رہے تھے۔عیان جوانکی شرارت سمجھ رہی تھی۔ایسے اثرات پر انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

"کیا آپ کو سچ میں یاد نہیں؟"

انہوں نے مستفسر نگاہوں سے اسکی جانب دیکھا۔جواباً اُس نے نفی میں سر ہلایا۔

"کچھ نہیں چلیں ناشتہ کرتے ہیں۔"

اتنامزیدار ناشتہ اس نے زہر مار کیا تھا۔موڈ ہی اتنا خراب ہو گیا تھا کہ کچھ اچھا نہ لگ رہا تھا۔ویسے بھی آجکل اسکے تیور چھوٹی چھوٹی بات پر بگڑنے لگے تھے۔

"آج آپ کس وقت تک آئیں گی؟"

وہ جاتے جاتے رکی۔چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔تو وہ واقعی اسے تنگ کر رہے تھے۔

"کیوں؟"

جب پلٹی تو چہرہ بالکل سنجیدہ تھا۔

"میں سوچ رہا تھا نوشہ کے لیے بات کرنے جاتے ہم اس کے گھر۔"

وہ جو کچھ اور سمجھ رہی تھی انکی بات پر اسکا پارا ہائی ہوا۔

"دیر سے آؤں گی میں۔"

پیر پٹختے وہ باہر نکل گئی۔

"ہونہہ اینیورسری بھی کوئی بھولنے کا دن ہے بھلا، آج کل تو گوگل سے نوٹیفیکیشن آجاتا ہے۔"

سر جھٹکتے وہ گاڑی میں بیٹھی۔اسکے فون پر اینورسری وشز کی بھرمار تھی۔ مگر جس سے سننا تھا اسے تو یاد ہی نہ تھا۔

دوسری جانب داؤد اور کرزئی جو بالکل لاعلمی برتتے ہوئے تھے اسکے جاتے ہی ہنس دیے تھے۔ سمجھداری کے نام پر عیان اور کرزئی ٹاپ لسٹ میں آتی تھی۔ وہ اور بات تھی کہ وہ نیچے سے ٹاپ پر آتی تھی۔ بھلا داؤد اور کرزئی آج کی تاریخ کیوں نہ یاد رکھتے جس دن انکی زندگی میں عیان بہار بن کر آئی تھی۔

آج تو ملکہ کا موڈ سخت خراب تھا۔کسی کو بھی وہ بخشنے کے ارادے میں نہ تھی۔ غصہ تھا کہ اتنا شدید تھا۔اسکے اسٹاف نے تو آج خود پر فاتحہ ہی پڑھ لی تھی۔

"آپ کو اگر عمرہ کے لیے جانا ہے تو اپنے پیسوں سے جائیں، سرکاری خزانے سے کیوں آپ کا خرچہ اٹھایا جائے؟"

ان ذلیل لوگوں کو جانے کب انسانیت آنی تھی۔

"مگر میڈم پہلے بھی تو ہم حکومتی خرچے پر ہی جاتے رہے ہیں۔"

اسکے بگڑے تیور دیکھ وہ شخص گڑبڑایا۔

"کیوں کیا حکومت کے لیے عمرہ کرنے جاتے ہیں، حکومت کیوں پیسے دے۔"

مگر میڈم۔۔۔

عیان نے ہاتھ اٹھا کر اسکی بات کر وہیں روک دیا۔

"اللہ نے یہ نہیں کہا کہ آپ کو ہر حال میں عمرہ کرنا ہے، اللہ نے یہ کہا ہے کہ اگر آپ صاحب استطاعت ہیں تو ہی عمرہ کریں۔"

سختی سے کہتی وہ انہیں جیسے جلتے توے پر بٹھا گئی تھی۔ پہلے کب کسی نے اس طرح صاف لفظوں میں انہیں لتاڑا تھا۔ ہاں کوئی لتاڑ چکا تھا۔ انہیں بے ساختہ داؤد اور کرزئی یاد آئے تھے۔

"یہ عورت تو داؤد اور کزئی سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ وہ کم از کم یوں منہ پر ذلیل تو نہیں کرتے تھے۔"

عیان کے وہاں سے نکلنے کی دیر تھی، چہ مگوئیاں شروع ہو چکی تھیں۔

"یوسف زئی صاحب سے کہیں کہ وہ داؤد اور کزئی کو واپس پارٹی جوائن کرنے کا کہیں۔ ہم اسکو مزید نہیں جھیل سکتے ہیں۔"

اس شخص کے بس رونے کی ہی کسر رہ گئی تھی۔ ورنہ عیان نے تو کوئی کمی نہ رکھی تھی۔

عیان خراب تیور لیے گاڑی میں بیٹھی تھی کہ اچانک اسے سب گھومتا ہوا محسوس ہوا۔

"میڈم آپ ٹھیک ہیں؟"

انوشہ کا ہی دھیان گیا تھا۔

"نیاز ڈاکٹر کی طرف چلیں۔"

سر کو تھامتے اس نے بمشکل کہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

"میں داؤد سر کو۔۔"

نہیں۔

چکراتے سر کو ہواس میں رکھتے اس نے انکار کیا۔ نیاز سے گاڑی بے قابو ہونے لگی تھی۔ جس طرح وہ ڈاکٹر کے کلینک تک پہنچا تھا یہ بس وہی جانتا تھا۔

"کیا ہم سر کو بتادیں؟"

انوشہ نے ڈرتے ڈرتے نیاز سے سوال کیا۔ وہ جو لب بھینچے بیٹھا تھا انکار میں سر ہلایا۔

"بس دعا کرو کہ سب خیر ہو۔ آج کا دن انکا خراب نہ ہو۔"

انوشہ کو لگا جیسے وہ ضبط کی انتہا پر ہو۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ آج کیا تھا۔ مگر نیاز کیوں اتنا پریشان بیٹھا تھا۔

دو گھنٹوں بعد عیان کچھ بہتر ہوئی تھی۔ ڈاکٹر انہیں پہلے ہی بتا چکی تھی کہ فکر کی بات نہیں۔ سوانہوں نے کسی کو کچھ نہ بتایا تھا۔ عیان باہر آئی تو انوشہ اٹھ کر اسکے پاس گئی۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔

"میڈم آپ ٹھیک ہیں نہ؟"

سوں سوں کرتے اس نے سوال کیا۔ عیان نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں تو ڈر گئی تھی۔"

وہ بے ساختہ ہی اس سے لپٹ کر رونے لگی تھی۔ نیاز نے بے اختیار اپنا ماتھا مسلا۔ یہ لڑکی پچھلے دو گھنٹوں سے رو رو کر اسکا دماغ خراب کر چکی تھی۔ اب عیان کو بھی پریشان کر رہی تھی۔

"بس کریں انوشہ، میڈم کو پریشان کر رہی ہیں آپ۔"

چباتے لہجے میں وہ بمشکل ہی اسے ٹوک سکا تھا۔

"کوئی بات نہیں نیاز میں ٹھیک ہوں۔"

مسکراتے ہوئے اس نے نرمی سے اسے کہا۔ گاڑی میں بیٹھتے بھی وہ مسکرا رہی تھی۔ سارا رستہ وہ خوش کن خیالوں میں گھری رہی تھی۔

عیان گھر میں داخل ہوئی ہی تھی کہ اسے داؤد اور کرزئی کی آواز سنائی دی۔

"میں آپ کو نہیں جانتا ہوں مس، اگر کبھی آپ مجھے یاد بھی تھیں تو اب میرے ذہن سے محو ہو چکی ہیں۔ اس لیے ہر دوسرے دن آپ مجھے کال مت کیا کریں۔"

بولتے ہوئے وہ پلٹے۔ فون کان سے لگائے وہ اسکا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ مزید کوئی بات کیے انہوں نے فون بند کر دیا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نہ عیان، چہرہ اتنا بجھا بجھا کیوں لگ رہا ہے۔"

فکر مندی سے کہتے وہ اس کے پاس آئے۔ حالانکہ انہوں نے ایک نظر ہی اس پر ڈالی تھی۔ اور وہ اسکی خراب طبیعت کے بارے میں جان گئے تھے۔

"کس کی کال تھی۔"

اس نے دھیان اپنی جانب سے ہٹانا چاہا۔

"وہ ضروری نہیں، آپ بتائیں آپ کو کیا ہوا؟"

انکی اس فکر پر وہ نہال ہی تو ہو گئی تھی۔ مگر ناراضی جتانا ضروری سمجھا۔

"آپ کو کیا فرق پڑتا ہے؟"

منہ بسورتے اس نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ مگر مکمل طور پر خوشبوؤں میں بسا کمرہ اسے ساکت کر گیا تھا۔

"ہیپی اینیورسری عیان داؤد اورکزئی۔"

اسے خود میں سموتے انہوں نے اسے وش کیا۔عیان کے لبوں پر میٹھی سی مسکراہٹ نے بسیرا کیا۔

"داؤد اورکزئی دنیا کو بھول سکتا ہے مگر عیان کو نہیں۔"

محبت سے اسکے سر پر لب رکھتے انہوں نے کہا۔عیان اندر تک مسرور ہوئی تھی۔

"میرا گفٹ۔۔"

اٹھلاتے ہوئے اس نے ہاتھ انکے سامنے کیا۔داؤد اورکزئی نے نفی میں سر ہلایا۔

"آپ کو دینا چاہیے۔آپ نے بھی تو وش نہیں کیا تھا۔"

انکی بات پر اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔

"آپ بہت بگڑتے جا رہے ہیں۔"

وہ جو الماری کی جانب بڑھ رہے تھے۔اسکے ابرو اچکا کر کہنے پر مڑتے انہوں نے اسکی ناک پر چٹکی بھری۔

"کیونکہ میری بیوی بھی معصوم نہیں ہے۔چلیں میرا گفٹ دیں۔"

اب کی بار انہوں نے ہاتھ اسکے سامنے کیا۔عیان انکے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر

زور ڈالتے پنجوں کے بل اونچی ہوئی۔

"ہم دونوں آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔"

شرارت سے کہتے وہ ہاتھ چھڑا گئی۔داؤد اور کزئی کو اسکی بات سمجھ نہ آئی۔

"ہم دونوں۔۔عیان۔۔۔"

ناسمجھی سے اسکی جانب دیکھا۔

"عیان۔"

فوراََ تاثرات بدلے تھے۔عیان جو لب دبائے آنکھوں میں شرارت

بھرے انہیں دیکھ رہی تھی انکے سمجھنے پر چہرہ موڑ گئی۔

"یہ گفٹ۔۔کیا سچ میں؟"

عیان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اوہ خدایا آج تو رب نے داؤد اور کزئی کو نوازنے کی انتہا کر دی۔"

عیان انکے سینے سے لگتی اپنے رب کی شکر گزار تھی۔اتنے خوبصورت دن پر

اتنا پیارا تحفہ ملنا معجزہ ہی تو لگتا تھا۔

"آپ کو کیا گفٹ چاہیے عیان۔آپ کو جو چاہیے داؤداور کزئ آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دے گا۔اب تو آپ کے لیے لیا گیا ہر تحفہ ہیچ لگ رہا ہے۔ "

انکا بس نہ چلتا تھا وہ دنیا عیان کے قدموں میں لا ڈالتے۔انکی بات پر عیان نے انکے بازوؤں کا گھیرا اپنے گرد بنایا۔

"میں چاہتی ہوں کہ سب پہلے جیسا ہو جائے۔آپ پھر سے اپنی سیٹ سنبھال لیں۔اور میں ہر روز گھر پر آپ کا انتظار کروں۔ "

اسکی خواہش پر انہوں نے حامی بھری تھی۔آج تو وہ داؤداور کزئ کی جان بھی مانگتی تو وہ اسے وہ بھی دے دیتے۔چاند کی روشنی نے آج پورے صوابی کو چاندنی میں نہلا دیا تھا۔یہ محبت کرنے والے دو خوبصورت دلوں کا صلہ تھا۔ جو ہر پریشانی میں ایک دوسرے کا سہارا بنے رہے تھے۔

یہ اس کے کافی دن بعد کا منظر تھا۔صوابی آج تیز بوچھاڑ میں بھیگا ہوا تھا۔ایسے میں داؤداور کزئ کے گھر کے ڈرائنگ روم میں جھانکو تو عیان کے سامنے

نتاشا بیٹھی رونے میں مصروف تھی۔رمیز اور بچے اس کے ساتھ نہ تھے۔وہ اکیلی آئی تھی۔

"پلیز مجھے معاف کر دیں بھابھی۔میرا احساس جرم مجھے سکون نہیں لینے دے رہا۔میں رمیز کو بھی کہتی ہوں مجھ پر غصہ کریں شاید میرا یہ بوجھ کم ہو جائے مگر وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ داؤد بھائی کے صدقے مجھے بخشے ہوئے ہیں۔مجھے معاف کر دیں یا میرے گناہوں کی مجھے سزا دے دیں۔مگر یوں لاتعلقی مت برتیں۔"

عیان نے بے تاثر نگاہوں سے اسکی جانب دیکھا۔

"کیا تمہیں اتنے سالوں میں ایک دن بھی داؤد اور کزئی پر رحم آیا تھا۔"

اس نے یونہی بے تاثر لہجے میں سوال کیا۔جواباً نتاشا کچھ نہ بولی تھی۔

"مجھے کوئی تو وجہ دو نتاشا تمہیں معاف کرے کی۔کیا اتنے سالوں میں کوئی ایک وجہ بھی نہیں تھی کہ جس کی بنا پر تمہارا گناہ معاف کیا جا سکے۔"

وہ ندامت سے سر جھکا گئی تھی۔کوئی بھی تو ایسا لمحہ نہ تھا کہ جس کی وہ دہائی دیتی۔

"بھائی۔۔"

داؤد کو اندر داخل ہوتا دیکھ وہ تڑپ کر کھڑی ہوئی۔

"السلام علیکم آپ کون ؟"

انکے یکسر اجنبی لہجے پر وہ تڑپ ہی تو گئ تھی۔اسے انکا مر جانا قبول تھا مگر اب انکے اجنبی ہو جانے پر تڑپ رہی تھی۔

"بھائی میں نتاشا ہوں۔"

روتے ہوئے اس نے ٹوٹے بکھرے لہجے میں کہا۔انہوں نے اسے دیکھنے کے بجائے عیان کی جانب یوں دیکھا جیسے اس سے جاننا چاہ رہے ہوں۔

عیان انکی اس حرکت پر تاسف زدہ رہ گئ۔صاف پتا لگ رہا تھا اسے جانتے ہیں۔

"میں اتنی بار آپ کو کال کر چکی ہوں بھائی، آپ مجھے کیسے بھول سکتے ہیں؟"

نتاشا کے کہنے پر عیان نے یوں انکی جانب دیکھا گویا کہہ رہی ہو اب بتائیں، اتنی اوور ایکٹنگ کی کیا ضرورت بھلا۔

مگر وہ داؤد اور کزئ تھے سیاست کے ہر داؤ پیچ سے واقف انسان اتنا بھی معصوم نہ تھا۔ تبھی یکسر اجنبی نظروں سے اسکی جانب دیکھتے گویا ہوئے۔

"میری بیوی نے مجھے کبھی آپ کے بارے میں نہیں بتایا۔اور میری یاداشت میں آپ کا چہرہ نہیں ابھر رہا ہے۔آپ مہربانی کر کے دوبارہ یہاں کا رخ مت کیجیے گا۔"

بے تاثر لہجے میں کہتے وہ اندر کی جانب بڑھ گ ئے۔عیان نے ایک نظر اس روتی عورت پر ڈالی۔

"داؤد اور کزئ جب کسی کو پہچاننے سے انکار کر دے تو اسے سمجھ جانا چاہیے کہ وہ انکے لیے مر چکا ہے۔تم بھی انکے لیے مر چکی ہو نتاشا اور کزئ۔"

اسکے انداز میں تاسف تھا۔لالچ انسان کو کن کھائیوں میں لا پھینکتا ہے۔

"کتنی عجیب بات ہے نہ نتاشا۔ایک دن تھا تم انکے مرنے کی سازش کر رہی تھی۔مگر اصل میں تم مر گئ تھی نتاشا۔یہ قدرت کا انصاف ہے۔اسے جتنی جلدی قبول کرو گی اتنی جلدی موو آن کر سکو گی۔"

اسے کہتے وہ خود بھی اندر کی جانب بڑھی۔

"کیا مجھے کبھی معافی نہیں ملے گی؟"

اسکے لہجے میں آس تھی۔عیان نے ذرا سا رخ موڑ کر اسکی جانب دیکھا۔

"کچھ گناہ معاف نہیں کیے جاتے نتاشا اور کزئ۔"

وہ اندر جا چکی تھی۔ پیچھے نتاشا اور کزئ تنہا رہ گئ تھی۔ اپنے ڈھیروں پچھتاؤوں کے ہمراہ۔

داؤد اور کزئ کھڑکی میں کھڑے باہر کا منظر دیکھ رہے تھے۔ بھیگا بھیگا سا شہر یاسیت میں مبتلا کر رہا تھا۔ عیان نے کمر سے انکے گرد بازوؤں کا گھیرا بنایا۔

"آپ ٹھیک ہیں خان جی؟"

"وہ میری بہن ہے عیان۔"

لہجے میں تکلیف تھی، مگر پہلے سا کرب نہ تھا۔ عیان خاموش رہی تھی۔

"میں بہت پہلے جان گیا تھا اپنی بہن کے بارے میں۔ مگر مجھے یہ حیرت تھی کہ مجھے اپنی بہن سے کیوں لاعلم رکھا آپ نے۔"

کہتے ہوئے انہوں نے گہری سانس بھری۔

"آگہی عذاب ہوتی ہے۔ میرے دل میں وہ پہلے سے جزبات نہیں ہیں، مگر مجھے پھر بھی تکلیف ہے۔ پر اب میں وہ غلطی نہیں دہراؤں گا۔"

انہوں نے عیان کو اپنے سامنے کیا۔

"اب میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ زندگی گزارنے کے لیے ہمیں کچھ یادوں کو، کچھ لوگوں کو بھلا ہی دینا چاہیے۔ میری زندگی میں عیان ہے، اور مجھے عیان کے سوا اور کسی کی خواہش نہیں۔"

اسے محبت سے خود میں سموتے انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔ عیان کو دل میں سکون اترتا محسوس ہوا۔ یہ سچ ہے جب کرم ہوتا ہے تو بڑی سے بڑی آزمائشیں بھی چٹکیوں میں زائل ہوتی محسوس ہوتی ہیں۔ ان پر بھی اب کرم ہونا تھا۔ اب انہیں صلہ ملنے کا وقت تھا۔ اب آزمائشیں انہیں نڈھال نہ کرنے والی تھیں۔

چند ماہ بعد۔۔

"اب سے آپ ہمارے بھائی کی ہو گئی ہیں انوشہ۔"

نیاز کی دلہن لکھا سرخ دوپٹہ اوڑھاتے عیان نے مسکراتے لہجے میں کہا۔

انوشہ نے شرماتے ہوئے سر جھکا لیا۔ داؤد اور کرزئی نے اپنے دوست سے خود انوشہ کا ہاتھ نیاز کے لیے مانگا تھا۔ اور جب داؤد اور کرزئی کا فیصلہ ہو تو نیاز کی کیا

مجال کہ اس سے رو گردانی کر سکے۔وہ جو اس رشتے کے حق میں نہ تھا۔نکاح نامے پر دستخط کرتے ہی اسکے جزبات بدل گ ئے تھے۔

"خوش ہو؟"

انہوں نے نیاز سے استفسار کیا۔

"پریشان ہوں،بے وقوف سی ہے۔"

اسکے لہجے میں فکر تھی۔

"اسکا تیز طرار ہونا جھیل نہ پاؤ گے۔"

کہتے ہوئے انہوں نے عیان کی جانب دیکھا۔جو مسرور سی بڑی سی چادر میں خود کو ڈھکے ہوئے تھی۔

"ہاں مجھے اندازہ ہے۔"

بھلا اس سے بڑھ کر کس نے یہ واقعہ غور سے دیکھا ہو گا۔

"نیاز۔۔"

انکے گھر کنے پر اس نے فوراً کانوں کو ہاتھ لگا یا تھا۔آج اسکا خاص دن تھا۔ابھی تو اس جھلی لڑکی کے لیے جزبات بدلنے لگے تھے۔وہ کم از کم آج کے دن اپنی شامت نہ لانا چاہتا تھا۔

چار سال بعد۔۔۔

"میں داؤد اور کزئی اللہ اور اسکے رسول کو حاضر ناظر جان کر اپنے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان کی صدارت کا حلف اٹھاتا ہوں۔ میں عہد کرتا ہوں کہ اپنے ملک سے وفاداری میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ میں مسلمان ہونے اور اسلامی ملک کا حاکم ہونے کی حیثیت سے آج وہی کہوں گا جو خاتم النبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ کے موقع پر کہا تھا۔۔۔"

عیان پہلی نشستوں پر اپنے گھر والوں کے ہمراہ بیٹھی تھی۔ اسکی نظروں میں اپنے شوہر کے لیے فخر تھا۔ رشک سے اسکی آنکھیں نمی کے باعث چمکنے لگی تھیں۔ دنیا کی نگاہیں اس وقت صدارت کا حلف اٹھاتے داؤد اور کزئی پر جمی تھیں۔ لوگ فرطِ جزبات سے نم چہرے لیے انہیں حلف اٹھاتا دیکھ رہے تھے۔ وہ عمر رسیدہ لوگ جنہوں نے قائد اعظم کو دیکھا اور سن رکھا تھا وہ اسی دور میں کھو سے گئے تھے۔ سڑکوں پر ٹریفک رک چکا تھا۔ ہوٹلوں اور دکانوں کے باہر لوگ موٹر سائیکلوں کو روکے بالکل خاموشی سے حلف برداری کی تقریب دیکھ رہے تھے۔

داؤداور کرزئ نے حلف لینے کے بعد ایک مسکراتی نظر عیان پر ڈالی۔ملک کی خاتون اول۔۔انکی روحِ جان عیان داؤداور کرزئ۔ جس کے ایک جانب انکا بیٹا بیٹھا تھااور گود میں انکی ننھی بیٹی بیٹھی چمکتی آنکھوں سے اپنے بابا کا یہ اعزاز دیکھ رہی تھی۔

انکے سیڑھیوں سے اترنے سے لے کر اپنی نشست پر بیٹھنے تک تالیوں کا طوفان تھمانہ تھا۔لوگ آنکھوں میں چمک لیے، بھیگے چہروں سے اس وفا کے پیکر کو دیکھ رہے تھے۔انکی تالیوں میں امید تھی جوش تھا کہ اب ملک کی باگ دوڑ صحیح ہاتھوں میں ہے۔انہیں اپنے صدر پر مان تھا،انہیں داؤداور کرزئ پر فخر تھا۔وہ ایک شخص جو اپنی سوچ میں تنہا تھا آج کروڑوں لوگوں کے لیے امید کا سورج بن چکا تھا۔لوگوں کو لگ رہا تھا جیسے ایک مدت کے ستم کے بعد انہیں انکا صلہ ملا ہو۔آج انکا سبز ہلالی پرچم فخر سے سربلند تھا۔کیونکہ آج انکا لیڈر ایک ایسا انسان تھا جو حقیقتاََ ایماندار تھا۔جو اپنے قول و فعل میں خالص تھا۔جسے اپنے ملک سے محبت تھی۔اور پھر جب ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں حکومت آجائے تو اس ملک پر،اور اسکی عوام پر تو سجدہ شکر واجب ہے نہ۔

ختم شد

"Your feedback matters to us! If you enjoyed reading our novels, please take a moment to share your thoughts in the comment section on our website. We can't wait to hear from you!"